کارواں اپنا
اسماء قادری

''لیب میں جو تبدیلیاں آپ چاہ رہے ہیں اس کے لیے میں نے نذیر صاحب کو انسٹرکشن دے دی ہے۔ وہ آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اصل میں پرانے آدمی ہیں پھر کبھی کسی نے انہیں ٹوکا بھی نہیں' اس لیے کچھ من مانی کی عادت پڑ گئی ہے لیکن اب میں نے ان سے کہہ دیا ہے تو انشاء اللہ آپ کو دوبارہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا''۔ مطیب شاہ نے چیئر مین صاحب کی یقین دہانی پر اطمینان کا سانس لیا۔

اسے کالج جوائن کیے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا لیکن وہ اس قلیل مدت میں بھی یہاں پھیلی بد نظمی کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ کچھ فطرتاً وہ ایک منظم شخصیت کا مالک تھا کچھ گھریلو ماحول اور بیرون ملک گزرنے والے کئی سالوں کا اثر تھا کہ وہ اس بد نظمی کو ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔ سب کچھ ٹھیک کرنا تو یقیناً اس کے بس میں نہیں تھا چنانچہ وہ اپنے دائرۂ کار میں ہی سرگرمِ عمل ہو گیا لیکن جگہ جگہ مشکلات کا سامنا تھا۔

فزکس لیب کی مخدوش حالت اور لیب اٹینڈنٹس کے عدم تعاون نے اسے چیئر مین سے شکایت لگانے جیسی چھوٹی حرکت پر مجبور کیا تھا۔ چیئر مین صاحب خود اس سسٹم کا حصہ ہونے کے باوجود اس کے ساتھ مکمل تعاون کر رہے تھے۔ اب پتا نہیں انہیں مطیب کے خلوصِ نیت نے متاثر کیا تھا یا اس کی بیرون ملک سے حاصل کی گئی ڈگریوں نے یا اس کے خاندانی بیک گراؤنڈ نے۔ اس کے لیے تو یہی بہت کافی تھا کہ وہ اس کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہیں۔

''ایک خوشخبری اور بھی ہے آپ کے لیے۔ اگلے ہفتے ایک نئے لیکچرار بھی ہمیں جوائن کر لیں گے۔ ابھی پچھلے دنوں سندھ پبلک سروس کمیشن کے جو ایگزام ہوئے تھے

اسی کے ذریعے سلیکٹ ہوئے ہیں وہ صاحب''۔ انصاری صاحب نے اسے اطلاع فراہم کی تو وہ واقعی خوش ہوگیا۔ اس وقت فزکس ڈیپارٹمنٹ کی حالت بے حد تباہ تھی۔ برکاتی صاحب نے چھ ماہ کی لونگ لیو لے رکھی تھی' ارشد صاحب کا سنا تھا پچھلے سال بائی پاس ہوا تھا تب سے وہ کالج تو بے شک باقاعدگی سے آتے تھے لیکن بیماری کا بہانہ بنا کر کلاس میں جانے کی زحمت کبھی کبھار ہی کیا کرتے تھے۔ انس رحمان کو دیر سے آنے اور جلدی جانے کی بیماری تھی سو وہ پیریڈز بھگتانے اور جان چھڑانے والے انداز میں پڑھانے کو بہت کافی سمجھتا تھا۔ ایسے میں مطیب شاہ کے لیے ایک نئے لیکچرار کی آمد کی خبر خوش کن ہی تھی کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ نئے نئے فیلڈ میں آنے والے لوگوں میں جوش اور پڑھانے کا شوق برسوں سے ''نوکریاں بھگتانے'' والوں کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔

''یہ تو واقعی اچھی خبر ہے سر!'' پچھلے ہفتے ہی فرسٹ ایئر کی نئی کلاسز شروع ہوئی تھیں اور وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلسل کئی کئی پیریڈز فری جانے کے باعث نئے نئے کالج آنے والے بچوں کا شوق ماند پڑتا جا رہا تھا۔

''ارے بھئی بیٹھو' کہاں چل پڑے۔ چائے کے لیے کہا ہوا ہے ابھی نذیر صاحب لاتے ہی ہوں گے''۔ وہ اٹھنے لگا تھا کہ انہوں نے روک لیا۔

''آہا' بڑے موقع سے پہنچے ہم لوگ...... نذیر صاحب کی چائے پیے ویسے بھی بڑے دن ہوگئے تھے''۔ ابھی ان لوگوں کے سامنے چائے کی پیالیاں سرو ہی کی جا رہی تھیں کہ ارشد صاحب اور بوٹنی سے کاظم محمود چلے آئے۔ نذیر صاحب اپنی چائے کی مقبولیت سے بہت خوش رہتے تھے سو خوشی خوشی مزید چائے بنانے چلے گئے جب کہ وہ لوگ انصاری سے علیک سلیک کرنے لگے۔

''اور شاہ صاحب! آپ سنائیں کیسی گزر رہی ہے۔ کالج سے فراغت کے بعد کیا مصروفیات ہیں''۔ کاظم محمود یکدم ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اللہ کا شکر ہے۔ رہی مصروفیات کی بات تو کوئی ایسی قابل ذکر نہیں جو بتا کر میں

آپ کو مرعوب کر سکوں''۔ کاظم محمود کے طرز تخاطب پر اندر ہی اندر جز بز ہونے کے باوجود اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ اسے کبھی بھی خود کو یوں خصوصیت کے ساتھ ''شاہ صاحب'' کہہ کر پکارا جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس طرز تخاطب پر ہمیشہ اسے اپنے ہاں کے مزارعے یاد آ جاتے تھے جو شاہ صاحب' شاہ صاحب کی گردان کرتے بابا جان اور چاچا سائیں کے قدموں میں گرے جاتے تھے۔ اسے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی کہ لوگ آخر اپنے سامنے والے کو اتنی بلندی پر کھڑا ہی کیوں کرتے ہیں کہ پھر خود ان کا اپنا قد و قامت بونوں سے بھی کم رہ جائے۔

''بات تو آپ کے شایان شان نہیں لیکن آپ کے درس و تدریس کے شوق کو دیکھتے ہوئے کہنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ شاید آپ کے علم میں ہو کہ کالج سے دو بلاک آگے میرا ایک کوچنگ سینٹر ہے۔ گلی گلی چلنے والے کوچنگ سینٹرز جیسا نہیں ہے بلکہ بہت ہائی اسٹینڈرڈ کا جہاں صرف اچھے گھرانے کے طلباء ہی آ سکتے ہیں اگر آپ شام کے اوقات میں ڈیڑھ دو گھنٹے عنایت کر دیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ سیلری وغیرہ بھی میں آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق دینے کی کوشش کروں گا''۔ کاظم محمود کے کوچنگ سینٹر کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ جہاں اسٹوڈنٹس سے بھاری بھرکم فیس لینے میں ان کا سینٹر مشہور تھا۔ وہاں مختلف کالجز کے نامی گرامی اساتذہ کی موجودگی بھی اسٹوڈنٹس کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ مطیب کی اسٹوڈنٹس میں مقبولیت کو کاظم محمود جیسے جہاندیدہ شخص نے بڑی اچھی طرح محسوس کیا تھا اور اگر وہ ان کے کوچنگ سینٹر کو جوائن کر لیتا تو کاروباری نقطۂ نظر سے یہ ان کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتا۔ سو انہوں نے ایک چانس لیتے ہوئے اسے آفر دی۔

''معاف کیجئے گا کاظم صاحب! لیکن میں کوچنگ سینٹرز کے سخت خلاف ہوں اگر ہم لوگ کالجز میں ہی بھرپور توجہ دے کر پڑھائیں تو بے چارے والدین کو ٹیوشن فیس کے نام پر اضافی اخراجات کے بوجھ سے نجات مل سکتی ہے''۔ اس کے جواب نے کاظم محمود سے زیادہ ارشد صاحب کو تپا دیا سو وہ چمک کر بولے۔

"خاک دل لگا کر پڑھائیں ہم ان نالائقوں کو...... جو شروع کے ایک آدھ ماہ کے بعد سرے سے یا تو کالج آتے ہی نہیں اور اگر آ بھی جائیں تو اِدھر اُدھر بیٹھ کر گپیں لگانے' نعرے بازی اور وال چاکنگ میں مصروف رہتے ہیں۔ کلاس میں آ کر لیکچر سننا تو جیسے ان کے نزدیک وقت کا زیاں ہے"۔

"جہاں دن میں کئی کئی پیریڈز فری گزرتے ہوں اور اگر قسمت سے ایک آدھ پیریڈ ہو بھی جائے تو بیزار صورت والے' رٹے رٹائے جملے بولنے والے لیکچررز کو سننا پڑے وہاں کلاس میں آنا واقعی طلبا کے لیے وقت کا زیاں ہے"۔ وہ صرف دل میں سوچ کر رہ گیا۔ زبان سے کچھ کہنے میں ان کی مزید ناراضی کا خدشہ تھا ورنہ کہنے کو تو وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ...... "صاحب! کبھی میری کلاس میں آ کر دیکھیں جہاں دوسرے سیکشنز کے اسٹوڈنٹس بھی جوق در جوق چلے آتے ہیں کیونکہ وہاں ایک شخص اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کر کے انہیں وہ کچھ دینے کی کوشش کرتا ہے جس کے وہ حق دار ہیں" لیکن بات ان کی برداشت سے باہر ہو جاتی سو ان کی بات پر صرف مسکرا کر معذرت کرتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ یوں بھی دو چار منٹ میں اسے بی ایس سی کو پریکٹیکل کروانے کے لیے لیب میں جانا تھا۔

"لینڈ لارڈ ہیں صاحبزادے اگر ہماری طرح چند ہزار کے لیے مغز کھپانا پڑے تو ساری آئیڈیالوجی بھول جائیں"۔ اپنے پیچھے اس نے ارشد صاحب کا تبصرہ' چیئرمین صاحب اور کاظم محمود کی بھرپور تائید سنی تھی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بیٹھ کر گپ شپ کرنے اور چائے کی تین چار پیالیاں چڑھا کر پچیس یا تیس ہزار روپے تنخواہ کی مد میں حاصل کرنے میں انہیں کس قسم کی مغز ماری کرنی پڑتی تھی۔ کم از کم مطیب شاہ اس سوال کا جواب نہیں تلاش کر سکتا تھا۔

☆☆☆

"ناشتہ لگ گیا ہے' جلدی سے آ جائیں ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا"۔ وہ پرفیوم کی

بوتل ہاتھ میں لیے خود پر اسپرے کر رہا تھا کہ سفید یونیفارم میں بڑا سا دوپٹا سر پر جمائے ایک معصوم سا چہرہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نمودار ہوا۔

"ہاں بس آ ہی رہا تھا"۔ وہ بوتل واپس رکھ کر پلٹا تو وہ مطمئن سی باہر کی طرف چل پڑی۔ پیچھے وہ خود بھی موجود تھا۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری اگر میری مدد کی ضرورت پڑے تو ضرور بتانا"۔

اس کے ہاتھ سے توس لیتے ہوئے مطیب نے آفر کی تو وہ مسکرا کر بولی:

"آپ ہی سے مدد لیتی ہے۔ پارٹ ون میں آپ کے پڑھانے کا ہی تو نتیجہ تھا کہ میں اتنے شاندار نمبروں سے پاس ہوگئی"۔

"خیر اس میں خود تمہاری محنت اور ذہانت کا بھی بہت دخل ہے۔ مجھے تو بابا جان اور چاچا سائیں پر افسوس ہے جنہوں نے تم جیسی ذہین لڑکی پر تعلیم کے دروازے بند کر کے نہ صرف تمہارے ساتھ زیادتی کی بلکہ ملک و قوم کا بھی نقصان کیا۔ کچھ نہیں تو کم از کم تم ڈاکٹر بننے کے بعد اپنے گاؤں کے لوگوں کی تو خدمت کر سکتی تھیں"۔

"یہی تو ان لوگوں کو گوارا نہیں تھا کہ شاہوں کے خاندان کی بیٹی لوگوں کی خدمت کرے۔ ہم کسی کی خدمت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اور صرف دوسروں کو اپنے اشاروں پر چلانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں"۔ تلخی سے کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو امڈنے لگے۔

کتنا شوق تھا اسے ڈاکٹر بننے کا لیکن میٹرک کے بعد بابا جان نے اسے انٹر میں سائنس لینے ہی نہیں دی۔ آرٹس کے مضامین کے ساتھ پرائیویٹ انٹر کرنے کے بعد جہاں نہ صرف اس کا برسوں پرانا خواب ٹوٹا وہیں مزید تعلیم نہ جاری رکھنے کی خبر نے اسے بالکل توڑ کر رکھ دیا۔ وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ ان دنوں بڑے بابا جان کی واحد اولادِ نرینہ مطیب شاہ نے وطن واپسی کا قصد کیا اور بہت سے لوگوں کے اندازوں کے برخلاف نہ صرف واپس آ گیا بلکہ بزرگوں کے فیصلے پر اپنی چچازاد نرمین شاہ سے چپ چاپ شادی بھی کر لی۔ نرمین شاہ اسے پا کر خوش تھی حالانکہ وہ کوئی رومینٹک مرد نہیں تھا'

البتہ کیئرنگ ضرور تھا اور زمین شاہ کے لیے اتنا بھی کافی تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے آٹھ سال بڑا مطیب شاہ ہر معاملے میں اس سے بہت آگے ہے۔ ذہانت اور اعلیٰ تعلیم کے علاوہ وہ ظاہری شخصیت کے حساب سے بھی اتنا مکمل تھا کہ جس بھی لڑکی کا انتخاب کرتا وہ اسے انکار نہیں کر پاتی۔

''جو ہو چکا' وہ ہو چکا۔ گزرے ہوئے وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا تھا لیکن اب جو وقت تمہارے ہاتھ میں ہے اسے ضائع نہ جانے دینا''۔ زمین کی آنکھوں میں پھیلتی نمی کو دیکھ کر اس نے رسان سے سمجھایا تو وہ ایک بار پھر پرسکون ہو گئی۔ یوں بھی وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایک ایسا شخص جو اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے باپ اور چچا جیسے سخت گیر لوگوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا اور ان کی عائد کردہ شرط کے مطابق زمین شاہ کی ہر ذمے داری خود سنبھالے ہوا تھا یہاں تک کہ اسے کالج تک پک اینڈ ڈراپ بھی خود دیتا تھا۔ اس کی نصیحت بھی اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

☆☆☆

''خیریت! کس چیز کی تلاش میں ہو؟'' وہ ایک بڑے سے بک شیلف کے پیچھے سے نکل کر اگلی رو میں پہنچا تو حیران پریشان کھڑے عمر احسان سے سامنا ہو گیا۔

''کسی اچھی کتاب کی تلاش میں سرگرداں ہوں' سوچا تھا ٹیکسٹ بک سے ہٹ کر کوئی اچھی ریفرنس بک مل جائے تو ذرا شاندار سا لیکچر تیار کر لوں گا لیکن یہاں تو حال ہی برا ہے۔ جس بک شیلف پر فزکس کا ٹیگ لگا ہے' وہاں سے اب تک ناصر کاظمی کی دو کتابیں' منٹو کے افسانوں کا مجموعہ اور زوالوجی کی ایک بک برآمد کر چکا ہوں لیکن اب تک جس شے کی تلاش تھی وہ حاصل نہیں ہو سکی''۔ اس کے بیچارگی سے بتانے پر مطیب ہنس پڑا۔

''کوئی بات نہیں' آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گے' مجھے دیکھو دیوانِ غالب کی تلاش تھی لیکن مجال ہے جو اردو ادب والے پورشن کی طرف رخ بھی کیا ہو۔ بس یونہی کتابوں

سے چھیڑ چھاڑ کرتے تین دن گزارے اور آج بالآخر کیمسٹری کی کتابوں میں اسے دریافت بلکہ بازیافت کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ تم کہو کس کتاب کی تلاش میں ہو؟'' نہایت فخر سے اپنا کارنامہ سناتے اس نے عمر احسان سے دریافت کیا۔

''Mirror and Images کے حوالے سے کوئی بک مل جاتی تو اچھا ہوتا'' اس نے بتایا۔

''چلو میں تمہیں بک دیتا ہوں' یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملنے والا''۔ اس کے شانے پر تھپکی دیتے مطیب نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

''یہ لو' یہ بک بہت اچھی ہے۔ تمہارے کام آئے گی''۔ الماری سے ایک کتاب نکال کر اس نے عمر احسان کے سامنے رکھی تو وہ کھل اٹھا۔

''اُف! یہ آپ کے پاس ہے۔ ایم ایس سی کے دوران ایک پروفیسر نے اس کا ریفرنس دیا تھا لیکن مجھے کسی بک شاپ سے نہیں ملی''۔

''ہاں' یہاں شاید مشکل سے ہی ملے' میں خود اپنے ساتھ باہر سے لایا تھا'۔ بے نیازی سے بتاتے ہوئے اس نے عمر کو ایک اور آفر کی۔ ''اگر تم چاہو تو ضرورت پڑنے پر میرے کلیکشن سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ یہ کتابیں' تمہارے اور تمہارے اسٹوڈنٹس کے کام آئیں اس سے بڑھ کر میرے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے''۔

''اب میں سمجھا آپ کی کلاس میں ''کھڑکی توڑ'' رش کا سبب۔ وجہ صرف آپ کی قابلیت نہیں خلوص بھی ہے۔ آپ جیسے چند لوگوں نے ہی آج کل اس پیشے کے تقدس کو سنبھال رکھا ہے۔ ورنہ مادیت پرستی نے تو استاد کا امیج ہی خراب کر کے رکھ دیا ہے''۔ عمر احسان نے اسے سراہا۔

''صرف میں ہی نہیں' میرے ساتھ تم اور تمہارے جیسے اور بھی بہت سے ہیں عمر بس منزل کی طرف قدم بڑھانے کی ہمت ہو قافلہ تو خود بخود ہی بنتا چلا جائے گا''۔

''کیوں نہیں'' عمر احسان مسکرایا۔ ''میں خود بھی اس فیلڈ میں کچھ آپ جیسے ہی خیالات لے کر آیا ہوں۔ آپ کی رہنمائی حاصل رہی تو اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب

رہوں گا''۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں عمر!'' مطیب نے جوش سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

☆☆☆

ورڈز ورتھ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو پیدا ہی شاعر ہوتے ہیں۔ اس کی شاعری اتنی نیچرل ہے کہ پڑھنے والا خود بخود اس کے لفظوں کا ہاتھ پکڑ کر اس منظر کا حصہ بن جاتا ہے جس کی منظر کشی وہ اپنی شاعری میں کرتا ہے''۔ وہ شاعری کی بک سامنے رکھے نرمین شاہ کو بتا رہا تھا لیکن اس کی توجہ مطیب کو سننے کے بجائے اسے دیکھنے پر زیادہ تھی۔ خصوصاً اس کی آنکھیں اسے بے پناہ اٹریکٹ کرتی تھیں۔ سرمئی' سبزی مائل یا شاید نیلگوں۔ نرمین شاہ سے ڈیڑھ سال کے عرصے میں ان آنکھوں کی رنگت کا تعین نہیں ہو سکا تھا۔ اب بھی وہ ورڈز ورتھ کی شاعری کے بجائے اس کی آنکھوں کے نظارے میں محو تھی۔

''کہاں گم ہو؟'' بالآخر مطیب نے اس کی عدم توجہی کو بھانپ لیا۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں مطیب! لیکن میں کبھی ان کی اصل رنگت کا تعین نہیں کر پاتی''۔ بے ساختگی سے کہتی وہ مطیب شاہ کی کس دُکھتی رگ کو چھیڑ بیٹھی تھی' نہیں جانتی تھی۔

''تمہاری آنکھوں کی مسٹری مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی شاہ! لیکن ان میں ایک عجیب سی اٹریکشن ہے جو مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے''۔ نازک اندام نینسی نے ایک دن بڑی بے بسی سے اس کے سامنے اعتراف کیا تھا اور یہ اعتراف سن کر مطیب شاہ بڑی سرشاری سے ہنس دیا تھا۔

نینسی تھی ہی ایسی۔ کرسٹل کی گڑیا کی طرح نازک اور حسین۔ نینسی جب یونیورسٹی میں قدم رکھتی تو ہر نظر اس کی راہ میں بچھ بچھ جاتی۔ کتنے تھے جو اس کے ذرا سے التفات کے لیے ترستے تھے لیکن وہ اس مادر پدر آزاد معاشرے میں بسنے والی ایک مختلف لڑکی تھی۔

''میں پل دو پل کی اس محبت کو نہیں مانتی' میں جسے چاہوں گی بس پھر اسی کی ہو کر رہ جاؤں گی''۔ مغرب کی پروردہ اس لڑکی میں یہ مشرقی سوچ نہ جانے کیسے رچ بس گئی تھی اور جب اس نے مطیب شاہ کو اس خاص شخص کا درجہ دیا تھا تو ہر ایک نے مطیب کی قسمت پر رشک کیا تھا۔

''واپس آتے سے اپنے سنگ کوئی گوری میم نہ لے آنا''۔ اپنے لندن کے قیام کے عرصے میں وہ جتنی بار بھی پاکستان گیا اماں جی اسے یہ نصیحت کرنا نہ بھولیں اور خود اس کا اپنا بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو بس یہاں پڑھنے آیا تھا لیکن ذہانت اور حسن کا امتزاج جب نینسی کی شکل میں سامنے آیا تو اس نے سوچا:

''آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ محبت' شرافت' حسن اور ذہانت جب سب کچھ ایک ساتھ مل رہا ہے تو کیا ضروری ہے کہ میں واپس جا کر گاؤں کی کسی نیم خواندہ لڑکی سے رشتہ جوڑوں؟'' گوری میم تو شاید برداشت ہو جائے' لیکن کسی غیر مسلم کو اپنی بہو تسلیم کرنے میں بابا جان کی اپنے مریدوں کے سامنے ناک کٹ جائے گی''۔ ایک بار یہ سوچ اس کے ذہن میں آئی تھی۔ ''میں نینسی سے کہوں گا تو وہ میری خاطر اپنا مذہب چینج کر لے گی''۔ اپنے واحد خدشے کا حل بھی وہ اپنے تئیں بڑی آسانی سے نکال چکا تھا۔

☆☆☆

''اور بھئی عمر! کیا حال چال ہے۔ صبح سے ملاقات نہیں ہو سکی''۔ وہ پیریڈ لے کر واپس آیا تو اپنی ٹیبل کے سامنے بیٹھے عمر احسان کو دیکھ کر خوش دلی سے بولا:

''ہاں' بس اتفاق ہی ہے جب میں فری تھا تو آپ مصروف اور جب آپ فارغ تھے تو میں بزی۔ ابھی بیس پچیس منٹ پہلے یہاں آیا تھا کہ آپ سے کچھ دیر گپ شپ رہے گی لیکن پتا چلا کہ آپ سیکنڈ ایئر والوں کی کلاس لے رہے ہیں۔ جہاں تک میری معلومات میں یہ پیریڈ ارشد صاحب کو لینا ہوتا ہے پھر آپ کیوں وہاں پہنچے ہوئے تھے؟'' عمر احسان نے اس سے استفسار کیا۔

"ہاں یار! بس وہ بچوں نے کہا تو میں انکار نہیں کرسکا۔ اصل میں ان کا سلیبس پورا نہیں ہوا اور ارشد صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کرلی ہے کہ بلند آواز میں بولنے سے ان کے دل کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اس لیے وہ مزید لیکچر نہیں دے سکتے۔ میں نے سوچا چلو پندرہ بیس دن کی بات ہے میں ٹائم نکال کر پڑھا دوں گا"۔ مطیب نے وضاحت دی۔

"یہ ارشد صاحب کی بیماری تو میری سمجھ سے باہر ہے۔ چھت پھاڑ قہقہے لگانے اور ایک کے بعد ایک سگریٹ پھونکنے سے تو ان کے دلِ ناتواں کو کچھ نہیں ہوتا لیکن پیریڈ لینے میں ان کی صحت سخت خطرے میں پڑ جاتی ہے"۔ عمر احسان نے کچھ تپ کر کہا تو مطیب بے ساختہ ہنس دیا۔

"چھوڑو' جانے دو' تم سناؤ روز بروز اسٹوڈنٹس میں بڑے فیس ہوتے جا رہے ہو۔ بچوں کو تمہارے پڑھانے کا انداز پسند آرہا ہے خاص طور پر وہ مختلف ٹاپکس میں تمہاری طرف سے دی جانے والی اسلامی دلیلوں سے بہت متاثر ہیں۔ میں خود بھی حیران ہوں۔ فزکس اور اسلام دو بالکل مختلف چیزیں ہیں ایک بالکل فزیکل اور دوسری روحانی۔ تم دونوں کا تعلق کیسے جوڑتے ہو"

"پہلے نہیں جوڑ سکتا تھا لیکن اب کچھ سالوں سے قرآن کو ترجمے کے ساتھ سمجھ کر پڑھنا شروع کیا ہے تو بہت کچھ منکشف ہوتا جا رہا ہے۔ فزکس ہی نہیں' بیالوجی' جیالوجی' اسٹرالوجی وغیرہ جیسے کئی دوسرے علوم کی بے تحاشا معلومات قرآن میں موجود ہیں۔ وہ راز جو سائنسدان اب جا کر دریافت کرنا شروع ہوئے ہیں چودہ سو سال پہلے آنے والی کتاب میں اس کی طرف واضح اشارے موجود ہیں۔ کمالِ حیرت تو یہ ہے کہ قرآن کوئی سائنسی کتاب نہیں لیکن اتنے پرفیکٹ سائنٹفک فیکٹس کو بیان کرتی ہے کہ بڑے بڑے علماء انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ پہلے میں بھی حیران ہوتا تھا لیکن اب سوچتا ہوں قرآن تو اترا ہی انسانیت کی بھلائی کے لیے ہے تو پھر اس میں ان علوم کا ذکر ہونا جن سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے کوئی حیرت کی بات نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم پر عظیم ترین احسان ہے لیکن ہم مسلمان نہایت بدقسمت قوم ہیں جنہوں نے اس نعمت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

ہم قرآن کی عظمت کو سمجھے ہی نہیں۔ ہم نے اس سے وہ سب کچھ حاصل نہیں کیا جو ہم حاصل کرسکتے تھے۔ ہم نے قرآن کو عمل کے بجائے "عملیات کی کتاب" سمجھ لیا ہے اور اسی طرح خود کو خدا سے ڈرنے والے مسلمان سمجھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں حالانکہ قرآن خود کہتا ہے:

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں"

(سورۃ فاطر۔ آیت ۲۸)

"اور مقامِ عبرت ہے کہ ہمارے ہاں سچے عالم شاذ و نادر ہی موجود ہیں۔ ہمارے ہاں عالم کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اپنی ساری زندگی فروعی مسائل سے نمٹتے ہوئے گزار دیتا ہے۔ اس بے چارے کے پاس فرصت ہی نہیں ہوتی کہ قرآنی حکم کے مطابق کائنات کا مطالعہ کرے۔ اختلافِ لیل و نہار' سورج و چاند کی حرکات' سبزے کے اگنے' بارش کے برسنے اور ہیبت ناک پہاڑوں کے وجود میں اللہ کی آیات کو تلاش کرے"

"اور تم سمجھتے ہو کہ تم یہ کام کر رہے ہو......؟" وہ سانس لینے کو رکا تو مطیب نے پوچھا۔

"نہیں' میں ایسا نہیں کر رہا لیکن میں کوشش ضرور کرتا ہوں' اپنی بساط کے مطابق حالانکہ میں جانتا ہوں میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکوں گا کیونکہ میرا علم ہر طرح سے ہی بہت محدود ہے۔ قرآن کو مکمل طور پر سمجھنے کا دعویٰ تو خیر کوئی بڑے سے بڑا اسکالر بھی نہیں کرسکتا اور دنیاوی علم میں بھی میری حیثیت کیا ہے۔ صرف ایم ایس سی" اس نے کہا تو مطیب نے اس سے پوچھا۔

"تم ایم فل کیوں نہیں کر لیتے' تمہارے لیے یہ ایک اچھا وقت ہے کہ تم اپنا کیریئر بناؤ۔ آگے چل کر دوسری الجھنوں میں پھنس کر پڑھائی کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے"۔

"یہ تو آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ ایم فل تو مجھے کرنا ہے اور آپ کے ہی انڈر میں کرنا ہے"۔ اس نے فوراً اپنے دل کی خواہش بیان کی۔

"کیوں نہیں' تم جیسا ہونہار شاگرد مل جائے یہ تو خود میرے لیے خوشی کا مقام

ہے''۔مطیب شاہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔

☆☆☆

''نور کا فون آیا تھا' آپ کو پوچھ رہی تھی''۔وہ اسٹڈی میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ زرمین شاہ نے کافی کا بھرا ہوا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

''ہاں' کچھ دنوں سے اس سے بات نہیں ہو سکی۔مس کر رہی ہو گی مجھے ابھی فون کرتا ہوں''۔ایک نظر گھڑی پر ڈالتے ہوئے اس نے سامنے پڑا موبائل فون اٹھایا۔

''آپ کی بہن ہے' آپ کو مس کرنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن اس کے فون کرنے کا ایک مقصد اور بھی تھا۔اسے آپ کی ہیلپ کی ضرورت ہے۔وہ پریشان ہے اور اسے یقین ہے کہ آپ ہی ہیں جو اس کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں''زرمین نے دھیرے سے بتایا تو وہ چونک گیا۔

''کیا مسئلہ ہے' وہ ٹھیک تو ہے ناں؟''نورالعین اس کی تینوں چھوٹی بہنوں میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن تھی۔اس کے بعد کی زینت اور مہرین کی شادی تو اس کے بیرون ملک قیام کے دوران ہی ہو گئی تھی۔وہ واپس وطن لوٹا تو میٹرک کی اسٹوڈنٹ نورالعین ہی کو گھر میں پایا سو اس سے انسیت بھی باقی دونوں بہنوں کی نسبت زیادہ تھی۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن نور کو جنون کی حد تک ڈاکٹر بننے کا شوق ہے اور اب وہ اپنے میڈیکل میں ایڈمیشن کے مسئلے کو لے کر بہت زیادہ ٹینس ہو رہی ہے''۔

''اس میں ٹینس ہونے کی کیا بات ہے۔ایف ایس سی میں اتنی اچھی پرسنٹیج آئی ہے اس کی۔آرام سے ایڈمیشن ہو جائے گا۔ابھی کچھ دنوں تک ایڈمیشن اسٹارٹ ہوں گے تو میں خود فارم وغیرہ لے کر آ جاؤں گا۔وہ تو پاگل ہے ہی...... ساتھ میں تم نے بھی مجھے پریشان کر دیا''۔زرمین کی بات سن کر اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''آپ شاید مسئلے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پا رہے۔مسئلہ ایڈمیشن ملنے یا نہ ملنے کا نہیں۔ بابا جان کے اجازت دینے کا ہے۔میرے اور آپ کے بابا دونوں ایک ہی مزاج کے

ہیں۔جیسے میرے لیے اجازت نہیں دی' نور کو بھی نہیں دیں گے''۔زرمین نے گویا اصل مسئلے کی نشاندہی کی۔

''نہیں زرمین' اب ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ اب میں یہاں موجود ہوں اور میں اپنے سے وابستہ کسی بھی رشتے سے ناانصافی نہیں ہونے دوں گا''۔اس کے لہجے کا عزم زرمین شاہ کو یقین دلا گیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کروا کر بھی رہے گا۔

☆☆☆

''واٹ از کاروکاری شاہ؟''نینسی کے کیے گئے سوال نے مطیب شاہ کو ششدر کر دیا۔

''تم نے کہاں سے سنا اس کے بارے میں؟''بجائے جواب دینے کے وہ اس سے پوچھنے لگا۔لندن میں رہنے والی نینسی پاکستان کے دیہی علاقوں میں رائج اس رسم سے واقف ہو گی وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''آج کل میں ایک این جی او کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ہم لوگ ایشین کنٹریز کے بارے میں اسپیشلی انڈر ڈیولپ کنٹریز کے بارے میں ڈیٹا کلیکٹ کر رہے ہیں۔اس مسئلے میں ہم نے ان ممالک میں موجود اپنی این جی او سے بلونگ کرنے والے لوگوں سے رابطہ کیا تو کچھ حیرت انگیز بلکہ قابلِ افسوس حقائق سامنے آئے۔اس میں سے ایک یہ کاروکاری بھی تھا۔اس مسئلے کے ساتھ تمہارے ملک کا نام جڑا تھا۔اس لیے میں نے سوچا تم سے پوچھوں۔ویسے بھی تم نے بتایا تھا کہ تم وہاں کسی ولیج سے بلونگ کرتے ہو''۔نینسی کے تفصیل سے بتانے پر وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''بتاؤ ناں شاہ! کیا ہے یہ سب؟''اس کی خاموشی پر نینسی نے اصرار کیا۔

''یہ ایک سزا کا طریقہ ہے جو ان افراد کو دی جاتی ہے جو کسی سیکشول کرائم میں انوالو ہوتے ہیں''۔اس نے مختصراً بتانے پر اکتفا کیا۔

''اور یہ سزا ماورائے عدالت ہوتی ہے جو تمہارے لوگ اپنی ذاتی دشمنیوں اور

مفاد کی خاطر مظلوم لوگوں کو دیتے ہیں۔ کسی کو اپنی ناپسندیدہ بیوی سے چھٹکارا پانا ہو' بہن کو جائداد سے محروم کرنا ہو یا پھر اپنے دشمن سے بدلہ لینا ہو وہ کاروکاری کا بھیانک کھیل کھیلتا ہے اور مزید افسوس اس بات کا ہے کہ اس وحشیانہ رسم کا سب سے زیادہ شکار عورت ہوتی ہے جو کہ عموماً مظلوم اور بے قصور ہوتی ہے"۔ نینسی کی معلومات یقیناً کافی وسیع تھیں۔

"ہوسکتا ہے یار...... لیکن میری معلومات اس سلسلے میں بہت کم ہیں۔ بے شک میں گاؤں کا رہنے والا ہوں لیکن میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بورڈنگز میں گزارا ہے اور اب تو کافی عرصے سے میں یہاں ہوں"۔ اس نے کہا تو نینسی چیخ اٹھی۔

"الیکٹرانک میڈیا کے اس دور میں جب دنیا ایک گلوبل ویلج بن کر رہ گئی ہے۔ تم اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے اچھے نہیں لگ رہے ہو شاہ! ہاں اگر تم اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے تو یہ بالکل الگ بات ہے"۔

"میں تمہارے اور اپنے سوا کسی بھی موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ جب تم میرے ساتھ ہو تو بس پھر کہیں اور کے بارے میں نہ سوچا کرو۔ کئی کئی ہفتوں کے بعد کوئی ویک اینڈ ایسا آتا ہے کہ تمہیں میرے فلیٹ کو رونق بخشنے کی زحمت ہوتی ہے اور اسے بھی ہم ادھر ادھر کے مسئلوں پر ڈسکس کرنے میں ضائع کر دیں۔ میرے پاس تم سے شیئر کرنے کو تو اتنی ڈھیر ساری محبتیں اور بے شمار خواب ہیں۔ آؤ مل کر خوابوں کی اس دنیا میں چلیں"۔ اس کے محبت بھرے لہجے پر نینسی کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔ چاہے جانے کی سرشاری نے ان آنکھوں کو ہر فکر سے آزاد کر دیا تھا۔

☆☆☆

"ہم تمہاری اس فرمائش کو ہرگز بھی پورا نہیں کر سکتے مطیب شاہ!" بابا جان کا جواب اس کے حسب توقع ہی تھا پر اس نے احتجاج جاری رکھا۔

"یہ ظلم ہے بابا جان! نور کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں کہ اسے آپ کی بیٹی ہونے

پر پچھتاوا ہونے لگے۔ والدین کو ہمیشہ اولاد کے لیے باعثِ فخر ہونا چاہیے۔ اس طرح ناجائز پابندیاں لگانے سے اولاد ماں باپ سے برگشتہ ہو جاتی ہے"

"دیکھو بیٹا' مانا کہ تم باہر سے ڈگری لے کر آئے ہو۔ ہم سے زیادہ قابل ہو لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ناں کہ تمہاری عقل بھی ہم سے زیادہ ہو گئی ہے۔ ہمیں اپنے خاندانی عزت و وقار کو قائم رکھنے کے لیے بہت دور تک نظر رکھنی پڑتی ہے۔ لڑکیاں زیادہ پڑھ لکھ جائیں تو دماغ خراب ہو جاتا ہے پھر یہ ڈاکٹری تعلیم تو ہماری بیٹیوں کے لیے بالکل بیکار ہی ہے۔ ہمیں کون سا ان سے نوکریاں کروانی ہیں۔ نورالعین سے کہو شریف بچیوں کی طرح گھر بیٹھے۔ ادھر حویلی میں ہر طرح کا آرام ہے۔ کہاں شہر جا کر پڑھائیوں کے چکر میں اپنی جان کھپائے گی"۔ قائم شاہ کا جواب اب بھی نفی میں ہی تھا لیکن مطیب نے ہار نہ مانی۔

"اب وقت بدل رہا ہے بابا جان' ہمیں اپنی خاندانی روایات کو بدلتے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہوگا ورنہ ہم نقصان اٹھائیں گے۔ زیادہ دور مت جائیں ذرا پچھلے سال مہر کے ساتھ ہونے والا واقعہ یاد کریں۔ بروقت شہر نہ پہنچائے جانے کے باعث اس کا زندگی بھر کا نقصان ہوا سو الگ اور مزید مسئلہ یہ کہ اب اس سے مایوس ہو کر سنا ہے غیاث دوسری شادی کا پروگرام بنا رہا ہے۔ تین تین بیٹیوں کے ہوتے ہوئے بھی صرف ایک بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے وہ خود کو بے اولاد ہی تصور کرتا ہے۔ ہر حال میں گدی کا وارث حاصل کرنا بھی تو ہماری روایات کا ہی حصہ ہے ناں۔ اب اس چکر میں بیچاری عورت چاہے رُل کر رہ جائے کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ میں سوچتا ہوں اس وقت جب مہر کا کیس بگڑا تھا کوئی لیڈی ڈاکٹر یہاں ہوتی تو مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا اور میری بہن کا حال و مستقبل دونوں تباہ ہو کر رہ گئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو تو نورالعین کو میڈیکل میں ایڈمیشن کی اجازت دے دیں۔ وہ ہمارے خاندان کی عزت وقار کے منافی کوئی کام نہیں کرے گی۔ اس بات کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں"۔ اس کی باتوں کے جواب میں قائم شاہ

نے سکوت اختیار کر لیا۔ کچھ دیر اسے جانچتی نظروں سے دیکھتے رہے اور پھر اٹل انداز میں بولے۔

''ہم نور کی خواہش پوری کر دیں گے لیکن اس سے پہلے اسے بھی ہماری ایک خواہش پوری کرنی ہوگی''۔

''کیسی خواہش......؟'' وہ ان کے انداز پر الجھ سا گیا۔

''اسے سجاد شاہ سے نکاح کرنا ہوگا''۔ انہوں نے گویا دھماکا کیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جان......؟'' نور کا نکاح سجاد کے ساتھ' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو سجاد میٹرک کر رہا ہے۔ نور سے کم از کم دو ڈھائی سال چھوٹا ہوگا۔ ان دونوں کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں بنتا''۔

''بس' بہت سن چکے ہم تمہاری''۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا''۔ سجاد کے ساتھ نور کا رشتہ ہم اور امیر شاہ تمہاری شادی کے وقت ہی طے کر چکے تھے۔ اب تو صرف اس فیصلے پر عمل ہونا ہے۔ جاؤ اور نور العین کو بتا دو کہ اگر وہ اس رشتے پر راضی ہے تو ہم نکاح کے ساتھ اس کے داخلے کی اجازت بھی دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں اس کا نکاح قرآن کے ساتھ کر دیا جائے گا اور پھر وہ ساری زندگی اس حویلی سے باہر کا منظر تک نہیں دیکھ سکے گی''۔ ان کے اٹل انداز نے مطیب کے پاس بحث کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ہارے ہوئے انداز میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نور العین تک بابا جان کا فیصلہ بھی تو پہنچانا تھا۔

☆☆☆

ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس نے نینسی کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ مطیب اسے مخاطب کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ایک بار پھر ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہاں ایک

قبرستان کے مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ سینکڑوں کچی اور مخدوش قبروں پر مشتمل قبرستان عام قبرستانوں سے کہیں زیادہ ویرانی کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ یوں جیسے یہاں کے مکینوں کو شہر خموشاں میں بسا کر جانے والے کبھی اس طرف پلٹ کر ہی نہ آئے ہوں۔

''جانتے ہو شاہ' یہ قبرستان کہاں واقع ہے؟'' نینسی نے ٹی وی اسکرین پر نظر جمائے جمائے ہی اس سے پوچھا تو وہ بغور اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ بغیر آواز کے چلنے والی اس مووی سے کوئی واضح نتیجہ اخذ کرنا مشکل تھا مگر پھر بھی وہ اتنا اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ پاکستان میں واقع کسی قبرستان کا منظر ہے۔

''تم نہیں بتا سکو گے کیونکہ تمہارے پاس اپنے علاقے سے دور رہنے کا بہانہ ہی ہر سوال کا جواب ہے''۔ نینسی کے لہجے میں پہلی بار اس نے اپنے لیے ایسی طنز آمیز تلخی محسوس کی تھی سو الجھ سا گیا۔

''یہ قبرستان سندھ کے ایک ضلع میں واقع ہے۔ اسے کاریوں کا قبرستان کہا جاتا ہے۔ اس ڈھائی سو سال پرانے قبرستان میں اٹھارہ سے پینتالیس سال کے درمیان کی عورتیں دفن ہیں۔ تم جانتے ہو شاہ! ان بیچاری عورتوں کو اس قبرستان میں دفن کرنے والوں نے ان کی آخری رسومات تک ادا نہیں کیں' انہیں اپنے ورثا کی طرف سے کفن اور نماز جنازہ تک نصیب نہیں ہوئی۔ ایک ایسے جرم کی سزا کے طور پر جو شاید ان میں سے اکثر سے سرزد ہی نہیں ہوا تھا''۔ نینسی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ ان عورتوں کے لیے رو رہی تھی جن سے ان کا نہ خون کا رشتہ تھا اور نہ ملک و مذہب کا۔ مطیب کو اس کے آنسو سیدھے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''ریلیکس نینسی' یوں اپنے آپ کو ہلکان مت کرو''۔ مطیب نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کرنا چاہا۔

''آنکھیں بند کر لینے سے حقائق بدل نہیں جاتے شاہ!'' نینسی نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس کی کوشش کو ناکام بنایا۔

''اس طرح رونے سے بھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ آخر تم کس چکر میں پڑی ہوئی ہو۔ کیوں ان مسائل کو اپنے سر پر سوار کر رہی ہو جو سرے سے تمہارے ہیں ہی نہیں''۔ نینسی کے رویے کے باوجود مطیب کے لہجے کی نرمی برقرار تھی۔

''کیسے نہیں ہیں؟...... یہ ساری عورتیں جن کے قاتلوں سے ان کے خون کا حساب کسی نے نہیں لیا' اسی دنیا کی باسی تھیں جس میں مَیں رہتی ہوں۔ انہیں بھی دنیا میں رہنے اور اس کی خوبصورتیوں کو محسوس کرنے کا اتنا ہی حق تھا جتنا مجھے ہے لیکن یہ اس ظلم کا شکار ہو گئیں کیونکہ کسی نے انہیں بچانے' ان کے لیے آواز اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ ہر شخص یہ کہہ کر کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے بری الذمہ ہو جاتا ہے''۔ نینسی نے قریب پڑے ٹشو باکس سے چند ٹشوز نکال کر اپنے رخساروں پر بہنے والے آنسو پونچھ لیے تھے لیکن اس کے لہجے کی تلخی ہنوز برقرار تھی۔ مطیب نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک اچھا ویک اینڈ گزارنے کے خیال سے نینسی کی طرف آیا تھا لیکن نینسی کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس کا یہ ویک اینڈ نہایت برا گزرنے والا ہے۔

''اچھا تم ہی کہو کہ تم کیا چاہتی ہو۔ تم جو کہو گی میں وہ کروں گا''۔ نینسی کے وجود پر چھائے یاسیت کے رنگوں کو اس نے اپنی توجہ سے چھٹانے کی کوشش کی۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم فی الحال یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس وقت بالکل اکیلی رہنا چاہتی ہوں''۔ نینسی کے جواب پر وہ بھونچکا رہ گیا تھا اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد اٹل تھے یکدم ہی مطیب شاہ کو سبکی کا احساس ہوا اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر نینسی کے فلیٹ سے باہر نکلتا چلا گیا۔ نینسی اس کے انداز کو نوٹ کیے بغیر ایک بار پھر اس موی کو ریوائنڈ کر کے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

مطیب ششدر سا اپنے سامنے بیٹھی نور العین کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سترہ سالہ نور العین کے چہرے پر اس وقت بلا کی سنجیدگی طاری تھی۔

''نور! تم نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے؟......'' وہ بابا سائیں کا پیغام زمین شاہ کے ذریعے نور العین تک پہنچا چکا تھا اور اب جواباً وہ اس کے روبرو بیٹھی اپنا فیصلہ سنا رہی تھی۔

''میں نے بہت اچھی طرح سوچا ہے لالہ اور مجھے اپنے لیے اس کے سوا کوئی راستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ سجاد شاہ سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں بابا سائیں میرا نکاح قرآن سے کروا دیں گے اور پھر پتا ہے کیا ہوگا۔ میں حویلی کی دیواروں میں قید ہو کر ایک ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤں گی جو جیتے جی مجھے مار ڈالے گی۔ لوگ میرے ہاتھ پاؤں چومیں گے' مجھے سیدانی اور شاہ بی بی کہہ کر پکاریں گے' مجھ سے اپنی حاجتوں کو پورا کروانے کے لیے دعائیں کروائیں گے لیکن کوئی نہیں پوچھے گا کہ نور العین! تمہارے اپنے دل میں بھی کوئی چاہ' کوئی خواہش تو نہیں ہے''۔ نور العین نے ذرا سا رُک کر اپنی آنکھوں میں امنڈنے والی نمی کو دوپٹے کے کونے سے صاف کیا اور پھر بولی تو اس کی آواز بہت صاف اور عزائم سے پُر تھی۔

''سجاد شاہ سے نکاح مجبوری کا سودا سہی مگر میں اس صورت میں اپنے لیے ایک روزن کھلتا محسوس کر رہی ہوں جہاں سے تھوڑی سی ہی سہی مگر روشنی اور ہوا آئے گی۔ یہ روشنی اور ہوا میری ذات کو نہ سہی مجھ سے وابستہ بہت سے لوگوں کو تو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ آپ ہمیشہ حویلی سے دور رہے ہیں آپ کو نہیں معلوم ہماری عورتیں کس درد کے صحرا سے گزرتی ہیں۔ اگر میری یہ چھوٹی سی قربانی ان لوگوں کے درد کی دوا بن گئی تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنے حصے کا حق ادا کر دیا''۔ مطیب شاہ پلکیں جھپکائے بغیر اپنی سترہ سالہ بہن کو دیکھ رہا تھا۔ بہترین لباس زیب تن کیے' اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں کی لذت سے واقف' نرم و ملائم بستروں پر سونے والی زندگی کے نہ جانے کتنے تلخ حقائق کا سامنا کر چکی تھی کہ اسے اپنی ذات کو پسِ پشت رکھ کر دوسروں کا بھلا سوچنے کا ہنر آ گیا تھا۔

''مجھے آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں لالہ؟''...... اس کی نظروں کے ارتکاز نے نور العین کو الجھایا۔

"تم بہت پیاری ہو نورا!" وہ جیسے کسی خیال سے چونک کر کھڑا ہوا اور نورالعین کے سر پر اپنا دایاں ہاتھ ذرا کی ذرا رکھ کر تیز تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ وہ درد جو اس کی معصوم بہن نے اپنے دل میں چھپا لینے کی کوشش کی تھی اس کی چبھن وہ بہت شدت سے اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ خود سے ڈھائی سال چھوٹے، ایک پیر سے معذور سجاد شاہ سے نکاح کا فیصلہ نورالعین نے کس درد اور تکلیف کے ساتھ قبول کیا ہو گا وہ سمجھ سکتا تھا۔

☆☆☆

"آپ ہمیشہ حویلی سے دور رہے ہیں، آپ کو نہیں معلوم ہماری عورتیں درد کے کس صحرا سے گزرتی ہیں"۔ نورالعین کی آواز کی بازگشت وہ اپنے چاروں طرف محسوس کر رہا تھا۔ اس آواز کا ساتھ دینے کے لیے ایک اور آواز اس کے تعاقب میں چلی آئی تھی۔

"ان عورتوں پر کیا گزری تم نہیں بتا سکو گے شاہ!...... کیونکہ تمہارے پاس اپنے علاقے سے دور رہنے کا بہانہ ہی ہر سوال کا جواب ہے"۔

یہ سچ تھا کہ وہ واقعی نہیں جانتا تھا کہ ان عورتوں پر کیا بیت رہی ہے۔ سال میں چند بار کچھ دن کے لیے حویلی میں قیام کے دوران وہ کیسے ان مسائل کو سمجھ سکتا تھا جب کہ اس کا دھیان بٹانے کو بے شمار مشاغل موجود ہوتے تھے۔ باغوں کی سیر، پرندوں کا شکار، عمدہ نسل کے گھوڑوں کی سواری، کتوں کی لڑائی۔ کتنی ڈھیر ساری مصروفیات ہوتی تھیں جو حویلی آتے ہی اسے گھیر لیتیں۔ وہ نوعمر سا لڑکا ان مصروفیات میں گھرا کبھی حویلی کے اندرونی حصے سے آتی بی بی جان کی چیخوں پر چونکتا تو چند جملے اس کی سماعت کو ڈھانپ لیتے۔

"تو پریشان نہ ہو بیٹا! تیری بی بی جان کو دورہ پڑا ہے، ابھی تیرے بابا سائیں پانی دم کر کے دیں گے، ٹھیک ہو جائیں گے"۔ اماں جان تسلی دیتیں۔

"بی بی جان کو مرض کیا ہے اماں! انہیں یہ دورے کیوں پڑتے ہیں؟" ایک بار اس نے اماں سے پوچھا بھی تھا۔

"ان پر جن کا سایہ ہے۔ بڑا زور آور جن ہے۔ وہ تو بس تیرے بابا سائیں ہی ہیں جو اسے قابو کر لیتے ہیں، ان کی جگہ کوئی عام آدمی ہو تو جن اس کی گردن ہی مروڑ کر رکھ دے"۔ اور وہ اپنی گردن کسی جن کے ہاتھوں مروڑوانا نہیں چاہتا تھا سو ہمیشہ بی بی جان سے دور ہی رہا۔

"مطیب ادھر میرے پاس آؤ بیٹا!" کبھی جب بی بی جان اپنے ہوش وحواس میں ہوتیں تو اپنے اکلوتے بھتیجے کو پکارتیں۔ وہ اس پیار بھری پکار پر ان کی طرف بڑھنے ہی لگتا تھا کہ خوف اس کے قدموں کو جکڑ لیتا۔ اسے لگتا کہ بی بی جان اسے اپنے قریب بلا کر باتوں ہی باتوں میں یکدم اس کی گردن مروڑ ڈالیں گی سو وہ بی بی جان کی آنکھوں میں چھا جانے والی دکھ اور مایوسی کی تحریر کو پڑھے بغیر ہی ان سے دور بھاگ جاتا۔

اسے اس خوف سے آزاد ہونے میں اتنا وقت لگا کہ بی بی جان زندگی کی قید سے آزاد ہو گئیں۔ ان کے جنازے کو کندھا دے کر انہیں قبر میں اتارتے اس کی سماعتوں میں کئی بار بی بی جان کی پیار بھری صدائیں گونجی تھیں لیکن وہ گئے وقت کو لوٹانے پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ بی بی جان کی موت کے بعد وہ کئی روز شاکڈ رہا تھا لیکن پھر اسے زیادہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا اور بابا سائیں نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر بھجوا دیا۔

یہ دنیا اس دنیا سے بہت مختلف تھی جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ یہاں کی مصروفیات اور رنگینیوں نے بہت جلد اسے اپنے پسماندہ سے گاؤں کی اونچی دیواروں والی شاندار حویلی کے مسائل سے بے نیاز کر دیا۔ بے نیازی کا یہ خول کبھی نہ چٹختا جو نینسی ہر روز ایک نئے سوال کے ساتھ اس کے سامنے نہ آ کھڑی ہوتی۔

☆☆☆

"ہماری زمین کی دو مومنٹ ہیں۔ ایک ایکسل مومنٹ اور دوسری اوربٹل مومنٹ۔ زمین ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ہچکولا محسوس نہیں ہوتا۔ یہ نظام اتنا حیرت انگیز ہے کہ مفکر

سیموئل راجرز کہتا ہے۔

’’ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے‘‘۔

اور جب میں قرآن میں دیکھتا ہوں تو سورۂ رحمٰن کی آیت نمبر سات پر ٹھہر جاتا ہوں‘ اس آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ......

’’اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور (کائنات میں) توازن قائم کر دیا‘‘

مطیب شاہ کاریڈور میں کھڑا کلاس روم سے آتی عمر احسان کی آواز سن رہا تھا۔ اسے آج عمر کے ساتھ یونیورسٹی جانا تھا۔ لاسٹ پیریڈ کے بعد ان دونوں کا پروگرام طے تھا لیکن جب پیریڈ کے ٹائم سے دس منٹ زیادہ ہو گئے تو مطیب اپنی سیٹ سے اٹھ کر کلاس روم تک چلا آیا۔ کلاس روم کی کھلی کھڑکیوں سے نظر آنے والے منظر نے اسے حیران کر دیا۔ وہ طلباء جن سے بڑے بڑے پروفیسرز کو شکایت رہتی تھی‘ جن کی غیر حاضری اور عدم دلچسپی کی داستانیں زبان زدِ عام تھیں۔ ایک جونیئر لیکچرار کی کلاس میں ساکت بیٹھے ہوئے تھے۔ کلاس کا ٹائم اوور ہو جانے کے باوجود نہ تو کوئی پہلو بدل رہا تھا‘ نہ آپس میں وہ دبی دبی سرگوشیوں کا سلسلہ تھا۔ وہ جیسے بالکل سحر زدہ سے بیٹھے ہوئے تھے۔

’’کیا جادو کر دیا تھا تم نے ان بچوں پر؟‘‘ عمر احسان کلاس سے باہر آیا تو مطیب پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

’’جادو تو شیطانی عمل ہے‘ میں رحمٰن کا بندہ ہو کر یہ کام کیسے کر سکتا ہوں؟‘‘...... عمر احسان کا جواب بہت بے ساختہ تھا۔

’’لیکن تم پڑھا کیا رہے تھے‘ فزکس‘ فلسفہ یا اسلامیات؟‘‘ مطیب شاہ نے فزکس کے میدان میں یوں تو بہت تیر مارے تھے لیکن وہ عمر احسان کا پڑھانے کا انداز سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

’’یہ فزکس ہی تھا سر لیکن اسلامک آئیڈیالوجی کے رنگ میں‘‘۔ عمر احسان نے اطمینان سے جواب دیا۔

’’تم یہ کام کیسے کرتے ہو عمر!‘‘......مطیب شاہ کے لہجے میں رشک تھا۔

’’میں نہیں کرتا سر!......اللہ کرواتا ہے‘ ہر وہ شخص جو اس کائنات کے رنگوں کو علم کی عینک سے دیکھتا ہے قوانینِ قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا‘ بس یہ ہے کہ میں خوش قسمتی سے مسلمان ہوں اس لیے شعوری طور پر اللہ کے قوانین کو اللہ کی کتاب سے منسلک کرنے کا ہنر جانتا ہوں لیکن جو مسلمان نہیں ان کی زبان سے بھی لاشعوری طور پر وہی نکلتا ہے جو اللہ کا اصول ہے بس شرط صاحبِ علم ہونے کی ہے۔ آپ اس بات کو آئن اسٹائن کے اس بیان سے سمجھیں‘ وہ کہتا ہے:

’’وہ انسان جو کائنات پر اظہارِ تعجب کے لیے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیہ و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی‘ وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں‘‘۔

آئن اسٹائن کے اس بیان کو سورۂ اعراف کی آیت نمبر 185 میں دیکھیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ......

’’کیا یہ لوگ کائنات ارض و سما اور دیگر الٰہی مخلوق پر غور نہیں کرتے یا شاید ان کی موت قریب آ گئی ہے‘‘۔

’’آئن اسٹائن نے قرآن نہیں پڑھا تھا لیکن اس نے کائنات کو پڑھنے کی جدوجہد کی تھی اس لیے اس کی زبان وہ کہہ گئی جو ربِ کائنات کا منشا ہے۔ آپ سوچیں اگر آئن اسٹائن والے کام کسی عبدالرحمٰن‘ محمد طیب‘ محمد زبیر یا احمد دین نے کیے ہوتے تو وہ قرآن کو کس طرح دنیا کے سامنے متعارف کرواتے۔ مسلمان جو آج ذلت اور پستی کا شکار ہیں‘ دنیا کے کس کس خطے پر حکمرانی کر رہے ہوتے لیکن آج ہم کیا ہیں ذلیل‘ محکوم اور دہشت گرد۔ آج اگر ہم کسی فورم پر کھڑے ہو کر دعویٰ کرتے ہیں کہ جو سائنس کہہ رہی ہے وہ ہمارے قرآن میں آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں بتا دیا گیا تھا تو دنیا ہم پر ہنستی ہے۔ مغربی مفکر ہمیں طعنہ دیتا ہے کہ اگر تمہارے قرآن میں یہ سب پہلے ہی سے موجود تھا

تو تم نے کیوں اسے دریافت نہ کیا...... اور یہ ہے بھی شرم کا مقام' وہ کام جو ہم نے کرنے تھے اغیار نے کر ڈالے اور ہم سینہ پھلاتے ہوئے بس اس بات پر فخر کرتے رہ جاتے ہیں کہ یہ پہلے سے ہمارے قرآن میں لکھا ہے۔ ہمیں تو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے کہ لائن آف ایکشن معلوم ہونے کے باوجود بے عملی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے جوتے کھا رہے ہیں''۔ جذبات کے طوفان سے اس کا لہجہ لرز رہا تھا اور چہرے کی جلد پر سرخی در آئی تھی۔

☆☆☆

''کس کی تلاش میں ہو مطیب شاہ؟'' ڈیپارٹمنٹ' لائبریری' کینٹین' ہر جگہ سے نینسی کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد وہ اس مخصوص بنچ پر آ بیٹھا تھا جہاں بیٹھ کر وہ اور نینسی اکثر ڈھیروں ڈھیر باتیں کیا کرتے تھے۔ اس جگہ بیٹھ کر وہ نینسی کے نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے وجود کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ رابعہ آفاق کی آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ ڈالا۔ وہ اسکن ٹائٹ جینز کے ساتھ سلیولیس جرسی پہنے اس کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ اس جرسی کی لمبائی اتنی کم تھی کہ جرسی اور جینز کے درمیان بالشت بھر کا ایک گیپ سا بن گیا تھا۔ اس گیپ سے اس کے پیٹ اور کمر کی نمائش خوب اچھی طرح ہو رہی تھی۔ رہی سہی کسر لباس کی فٹنگ نے پوری کر دی تھی جو اس کے ہر عضو کی ساخت کو نمایاں کر رہی تھی۔ مطیب نے اپنے دل میں ایک ناگواری سی لہر اٹھتی محسوس کی۔

''تم شاید نینسی کو تلاش کر رہے ہو؟'' اس سے پہلے کہ وہ ناگواری کے اظہار میں وہاں سے اٹھ کر چل پڑتا رابعہ کی بات نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''میں بہت دیر سے تمہیں یونیورسٹی میں اِدھر اُدھر چکراتا دیکھ رہی تھی' مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم نینسی کو تلاش کر رہے ہو اور تم تو جانتے ہو کہ مجھ سے تمہاری پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ اس لیے خود ہی تمہارے پاس چلی آئی''۔ وہ جانتا تھا کہ رابعہ آفاق کو اس پر نظر رکھنے کی بیماری ہے۔ وہ لندن میں پیدا ہونے والی پاکستانی ماں باپ کی بیٹی تھی اور شاید

اسی وجہ سے مطیب پر اپنا حق سب سے زیادہ سمجھتی تھی۔ مطیب کو اس لڑکی کے انداز سے چڑ تھی۔ وہ جتنا اس کی طرف بھاگتی وہ اتنا ہی اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا لیکن اس وقت معاملہ دوسرا تھا۔ رابعہ کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس کے پاس نینسی کے متعلق کوئی خبر موجود ہے جسے وہ اس تک پہنچانے کے لیے بے چین بھی ہے لیکن اس کی آتشِ شوق کو بڑھانے کے لیے یکدم کچھ کہنے سے گریز کر رہی ہے۔

''اصل میں غلطی تمہاری ہے مطیب! تم نے انتخاب ہی غلط لڑکی کا کیا ہے۔ یہ مغربی تتلیاں تو ڈال ڈال منڈلانے والی ہوتی ہیں۔ ان سے ایک بوائے فرینڈ پر گزارہ نہیں کیا جاتا''۔ وہ بولتے بولتے بنچ پر مطیب کے بالکل قریب آ بیٹھی تھی۔ مطیب نے بائیں طرف کھسک کر اس کی قربت کو قدرے کم کیا۔ رابعہ نے اس کی حرکت کو نوٹ کرتے شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ انجان بن گیا۔ یوں بھی اس نے ساری گفتگو میں ابھی تک ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا بس اپنی برداشت کا امتحان لیتا رابعہ آفاق کی زبان سے کوئی ایسا جملہ نکلنے کا منتظر تھا جس سے اسے نینسی کے بارے میں کوئی خبر مل سکے۔

''میں نے نینسی کو تین چار بار مختلف ہوٹلوں میں لڑکوں کے ایک گروپ کے ساتھ دیکھا ہے۔ سب کو تو میں نہیں جانتی لیکن ان میں سے ایک جان تھا...... وہی لمبے منہ والا لڑکا جو ہر وقت نینسی کے پیچھے پڑا رہتا تھا''۔ اس نے گویا مطیب کو یاد دہانی کروائی۔

''لگتا ہے جان آخر کار نینسی کو دوستی پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا''۔ رابعہ کا تبصرہ طنز سے بھرپور تھا۔ مطیب نے توجہ نہیں دی اور یکدم ہی وہاں سے اٹھ کر چل پڑا۔ اسے جو معلوم کرنا تھا' کر چکا تھا اب اسے اپنے پیچھے ہکا بکا بیٹھی رہ جانے والی رابعہ آفاق سے کوئی غرض نہیں تھی۔

''ہیلو شیلا!''۔ چند قدم آگے جا کر ہی اسے نینسی کی ایک کلاس فیلو مل گئی تھی۔

''ہائے' کیسے ہو تم؟'' شیلا نے جوش سے پوچھا۔

''فائن...... لیکن تم یہ بتاؤ نینسی کے بارے میں کچھ معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے

گی؟" وہ براہ راست اپنے مطلب پر آتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تمہیں نہیں معلوم؟"...... شیلا حیران ہوئی۔

"نہیں' اصل میں کچھ دنوں سے اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اس کے فون پر بھی آنسرنگ مشین لگی ہے۔ کئی بار پیغام ریکارڈ کروا چکا ہوں لیکن وہ مجھ سے رابطہ ہی نہیں کر رہی"۔

"بہت حیرت کی بات ہے' اس نے تمہیں نہیں بتایا۔ وہ اپنی این جی او کے ساتھ شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔ جان اور ہنری وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہیں"۔ شہلا کی بات سے کسی حد تک رابعہ کے بیان کی تصدیق ہو رہی تھی۔ مطیب ششدر سا کھڑا رہ گیا۔ نینسی اس کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆

"چھوٹے شاہ جی! یہ چائے پی لیں"۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا دکھتا سر تھامے بیٹھے مطیب شاہ کو ایک نسوانی آواز نے چونکایا۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ وہ نورالعین کی ہم عمر تھی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا چائے لانے کو؟" مطیب نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ جی نور' میرا مطلب ہے نور بی بی نے کہا تھا کہ لالہ کہاں ہیں دیکھ کر بتاؤ۔ میں نے دیکھا تو آپ یہاں سر پکڑے بیٹھے تھے' میں نے بی بی کو بتایا تو انہوں نے مجھے آپ کو چائے کے ساتھ یہ گولیاں دینے کا حکم دیا۔" اس نے مطیب کی توجہ چائے کی پیالی کے ساتھ ٹرے میں رکھی گولیوں اور پانی کے گلاس کی طرف مبذول کروائی تو مطیب کو بے ساختہ ہی نورالعین پر پیار آیا۔ ان حالات میں بھی اسے خود سے زیادہ اپنے بھائی کی فکر تھی۔ وہ بھائی جو سجاد شاہ سے اس کا نکاح تو ہونے سے نہیں روک سکا تھا لیکن اپنی بہن پر گزرنے والی قیامت پر نڈھال سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"سنو' کیا نام ہے تمہارا؟" وہ لڑکی اس کی خاموشی پر پلٹ کر جانے ہی والی تھی

کہ مطیب نے آواز دے کر اسے روکا۔

"جی صغریٰ......"

"صغریٰ' نور کے بچپن کی سہیلی' منشی حیات اللہ کی بیٹی؟"...... مطیب شاہ کی یادداشت نے بروقت کام شروع کر دیا تھا۔ ویسے بھی وہ صغریٰ کو کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ نورالعین کے بچپن کی سہیلی جس کا نام ہر وقت نورالعین کی زبان پر رہتا تھا۔

"جی چھوٹے شاہ جی!" صغریٰ اپنے پہچان لیے جانے پر شاداں تھی۔

"تم بھی تو نور کے ساتھ اسکول پڑھنے جاتی تھیں' کہاں تک پڑھا تم نے"

"بس آٹھ جماعتیں پڑھ کر چھوڑ دیا۔ ابا نے اس کے بعد اجازت ہی نہیں دی۔ بہت زور مارا میں نے لیکن ابا مانا ہی نہیں"۔ صغریٰ کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"میں نور سے کہوں گا کہ وہ تمہیں گھر پر ہی آگے پڑھا دے"۔ مطیب شاہ سے اس کی اداسی دیکھی نہیں گئی سو فوراً ہی تسلی دی۔

"وہ تو جی آپ کے کہے بغیر بھی پہلے سے ہی مجھے پڑھاتی ہیں لیکن اب وہ تو شہر چلی جائیں گی آپ کے ساتھ۔ ورنہ میں نے تو گھر بیٹھے بیٹھے ان سے ڈاکٹری بھی پڑھ لینی تھی"۔ صغریٰ کے بے حد معصومیت سے کہنے پر مطیب شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی مگر پھر وہ فوراً ہی ہونٹ بھینچ گیا۔ اسے یکدم ہی میڈیکل کی تعلیم کے لیے دی جانے والی نور کی قربانی یاد آ گئی تھی۔

"نور کیا کر رہی ہے صغریٰ؟"...... وہ بے چین سا ہو کر پوچھ بیٹھا تھا۔

"انہوں نے کیا کرنا ہے۔ ابھی تو سائیں امیر شاہ کی طرف سے آنے والی مہمان عورتوں نے انہیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ رسمیں ہو رہی ہیں۔ نرمین بی بی بھی ادھر ہی ہیں"۔ صغریٰ نے اداس آواز میں اسے معلومات فراہم کیں۔

"اگر آپ کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو بتا دیں میں بی بی تک پہنچا دوں گی"۔ اس کی خاموشی پر صغریٰ نے پیشکش کی۔

"نہیں' ٹھیک ہے...... تم جاؤ" اس کے انکار پر صغریٰ واپس پلٹ گئی۔

"بات سنو صغریٰ!......"

"جی چھوٹے شاہ جی!" اس کے آواز دینے پر صغریٰ نے اپنے قدموں کو روکتے ہوئے پوچھا۔

"تم نور کی دوست ہو' چاہو تو اس کی طرح مجھے لالہ کہہ کر بلا سکتی ہو اور ہاں تمہیں میرے سامنے باقی سب کی طرح نور کو بی بی کہہ کر پکارنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے اکیلے میں اس کا نام لے کر بلاتی ہو ایسے ہی میرے سامنے بھی لے سکتی ہو۔"

"جی اچھا!" صغریٰ قدرے جھینپ سی گئی تھی۔ شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ مطیب شاہ ان دونوں سہیلیوں کے اس راز سے واقف ہے۔

"تم کل نور کے ساتھ مل کر اس کا سامان پیک کروا دینا۔ شام میں شہر جاتے ہوئے میں اسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں گا"۔

"اتنی جلدی شاہ جی!" صغریٰ اس کی بات سن کر بے ساختہ ہی بولی تھی۔

"ہاں' اب میں اسے مزید اس ماحول میں نہیں چھوڑ سکتا"۔ مطیب شاہ کی آنکھوں میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔ صغریٰ نے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے نور پر رشک محسوس کیا۔ نور کے ساتھ جو کچھ بیتی تھی وہ تو ازل سے حویلی کی عورتوں کا مقدر تھا۔ روایات کی پاسداری کے نام پر حویلی کے مرد بڑی بے خوفی سے عورتوں کے مقدر میں کانٹے لکھ دیتے تھے اور ایسا کرتے ہوئے ان میں سے کسی کے چہرے پر ندامت کی ہلکی سی لکیر بھی نہیں پڑتی تھی۔ اس حساب سے نور خوش قسمت ہی تھی کہ اس کے بھائی کا چہرہ اس پر ہونے والے ظلم کے دکھ سے تڑخا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"تمہارا کیا ارادہ ہے مطیب شاہ! کب تک اس دو ٹکے کی نوکری کے ساتھ چمٹے رہو گے؟" شام میں وہ قائم شاہ سے رخصت کی اجازت لینے ان کے کمرے میں گیا تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہی ناراضی سے پوچھنے لگے۔

"آپ جانتے ہیں بابا جان! میں یہ نوکری پیسوں کے لیے نہیں' اپنے شوق کے لیے کرتا ہوں"۔

"ہاں تو ہو گیا نا شوق پورا۔ اب کیا ساری زندگی ماسٹری میں گزارنی ہے۔ واپس حویلی آؤ' اپنی زمینوں کو سنبھالو یہاں کا حساب کتاب دیکھو۔ آخر کب تک ذمے داریوں سے بھاگتے رہو گے"۔ قائم شاہ کو اس کا جواب پسند نہیں آیا تھا۔

"زمینوں کا انتظام دیکھنے کے لیے آپ اور چاچا سائیں ہیں ناں اور اب تو سجاد بھی ہے آپ لوگوں کا ساتھ دینے کو......"

"ہم اور تمہارے چاچا سائیں اب بوڑھے ہو چلے ہیں۔ آخر کب تک یہ سارا بوجھ اٹھائیں گے اور رہی سجاد شاہ کی بات تو وہ نکما اپنا ہی بوجھ اٹھا لے تو بہت ہے' زمینوں کی دیکھ بھال کا بوجھ خاک اٹھائے گا"

"وہ شخص جو بے جان زمینوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا آپ نے اپنی جیتی جاگتی بیٹی اس کے نام لکھ دی"۔ قائم علی شاہ کا غصے میں بولا گیا سچ پکڑتے ہی اس نے ان سے شکوہ کیا۔

"دیکھو مطیب شاہ! جو فیصلہ ہو چکا بار بار اس کو موضوع بحث بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نور ہماری بیٹی ہے اور ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اس کے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ اگر ہم نے تمہاری سفارش پر اسے شہر جا کر پڑھنے کی اجازت دے دی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے ہر فیصلے پر اعتراض کرنے کا حق رکھتے ہو۔ تمہیں ہم اتنی رعایت صرف اس لیے دے دیتے ہیں کہ تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو' ہماری گدی کے جانشین اور ہماری نسل کو آگے بڑھانے کا ذریعہ لیکن اگر تم اسی طرح ہمارے فیصلوں سے ٹکرانے کی کوشش کرتے رہے تو ہمیں اپنے دل میں موجود تمہارے پیار کا گلا گھونٹنا پڑے گا کیونکہ تمہاری چاہت میں ہم اپنے بزرگوں سے چلی آنے والی روایات سے انحراف کر کے گستاخی کے مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتے"۔ سید قائم شاہ کی گرج دار آواز میں اکلوتے بیٹے کے لیے سخت تنبیہہ تھی۔ باپ بیٹے کے درمیان اتنی دیر سے خاموش بیٹھی صالحہ شاہ کا دل ان کے اس انداز پر لرزنے لگا۔

"معاف کردیں سائیں! ابھی نا سمجھ ہے۔ باہر کی پڑھائیوں نے اس کی مت مار دی ہے۔ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائے گا"۔ وہ فوراً ہی بیٹے کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئیں۔

"جلد سمجھ جائے تو اچھا ہے...... ورنہ اگر ہماری محبت پر ہمارا جلال غالب آ گیا تو بہت مشکل ہو جائے گی"۔ قائم شاہ کا غضب ختم کرنہیں دے رہا تھا۔ صالحہ شاہ نے اشارے سے مطیب کو باپ کی ناراضی دور کرنے کا حکم دیا۔

"آپ فکر نہ کریں بابا جان! میں خود بھی ساری زندگی شہر میں گزارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ چند سال بعد مجھے لوٹ کر اسی طرف آنا ہے۔ بس ذرا زرمین اور نور کی تعلیم کا مسئلہ حل ہو جائے"۔ وہ فوراً ہی باپ کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"ٹھیک ہے..... مگر یاد رکھنا یہ آخری مہلت ہے۔ اس کے بعد ہم تمہارا کوئی عذر نہیں سنیں گے"۔ قائم شاہ نے قدرے نرم لہجے میں اپنا حکم سنایا تو وہ وقتی طور پر ان کا غصہ ٹل جانے پر مطمئن سا ہو کر انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہاں زرمین شاہ اور نورالعین اس کی منتظر تھیں۔

"بہت دیر لگا دی آپ نے بابا جان کے پاس"۔ زرمین شاہ نے اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ کھوجنے کی کوشش کرتے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں بس ذرا بابا جان کی ڈانٹ سن رہا تھا"۔ وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"ڈانٹ تو مجھے بھی بہت پڑی ہے اماں جان سے"۔ زرمین نے چپکے سے بتایا۔

"وہ کیوں؟" روتی ہوئی صغریٰ کو چپ کروانے میں مصروف نورالعین کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے زرمین شاہ سے پوچھا۔

"ان کا کہنا ہے کہ مجھے پڑھائیاں چھوڑ کر گھر بیٹھ کر حویلی کو اس کا وارث دینے پر غور کرنا چاہیے"۔

"زرش، یہ کوئی انسانی اختیار کے معاملات ہیں۔ حویلی والوں کی خواہشات پر تو اللہ کے کام ہونے سے رہے..... تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ان فضول باتوں پر ٹینس

ہونے کی۔ آرام سے اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ میں موجود ہوں سب لوگوں کو فیس کرنے کے لیے"۔ وہ دھیمی آواز میں زرمین کو سمجھانے لگا۔

"نی صغریٰ! یہ تو نے کیا ابھی تک رونا دھونا مچا رکھا ہے۔ اندھیرا پھیل رہا ہے اور دیر کی نکلنے میں تو رات ہی ہو جائے گی"۔ ملازموں کو پھلوں کی پیٹیاں گاڑی میں رکھنے کی ہدایت دیتی صالحہ شاہ اس طرف آئیں تو روتی ہوئی صغریٰ کو دیکھ کر ڈپٹا۔ صغریٰ گھبرا کر جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"تم اداس مت ہو صغریٰ! جب بھی چھٹیاں پڑیں گی میں تم سے ملنے گاؤں ضرور آیا کروں گی"۔ نورالعین نے صغریٰ کو گلے لگاتے ہوئے تسلی دی۔

"اور اگر تمہارا دل چاہے تو نور سے ملنے کو تو تم خود بھی منشی جی کے ساتھ شہر آ سکتی ہو۔ شہر کوئی اتنی دور تھوڑی ہے۔ آئے دن حویلی سے کوئی نہ کوئی آتا جاتا ہی رہتا ہے"۔ مطیب نے بھی تسلی دی تو صغریٰ کے چہرے پر اطمینان کے رنگ چھا گئے۔

☆☆☆

"تم کہاں تھیں نینسی!..... میں دیوانوں کی طرح سارے شہر میں تمہیں تلاش کرتا رہا لیکن تم تھیں کہ کہیں مل نہیں رہی تھیں"۔ اتنے دنوں بعد نینسی کو اپنے سامنے پا کر وہ بے تابانہ اس کی طرف لپکا تھا۔

"پتا نہیں کہاں تھی، مجھے خود بھی نہیں معلوم"۔ نینسی کے لہجے میں عجیب سی تھکن تھی۔

"شیلا بتا رہی تھی کہ تم جان اور ہنری کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہو۔ تمہیں اگر شہر سے باہر جانا تھا تو کم از کم مجھے بتا کر تو جاتیں بلکہ تم کہتیں تو میں خود تمہارے ساتھ چلتا۔ جان جیسے شخص کے ساتھ تمہارا اس طرح سے جانا ٹھیک نہیں تھا"۔

"کیوں، کیا برائی ہے جان میں سوائے اس کے کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ کسی کو پسند کرنا کوئی ایسا جرم تو نہیں کہ تم اس کے کردار پر ہی شک کرنے لگو"۔ نینسی کے جواب نے اسے تحیر میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جان جس کو دیکھ کر نینسی کے ماتھے پر بل پڑ جاتے تھے،

آج نینسی اس کی حمایت کر رہی تھی۔

''برائی پسند کرنے میں نہیں' برائی ان نظروں میں ہے جن سے وہ تمہیں دیکھتا ہے۔اس کی نظریں اتنی گندی ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے شوٹ کر دوں''۔مطیب نے جان کے لیے اپنی ناپسندیدگی کی وجہ بتائی۔

''تم ایسی ہی بات کہہ سکتے ہو شاہ! کیونکہ تمہاری تہذیب نے تمہیں یہی سکھایا ہے''۔نینسی کے انداز میں بے حد تلخی تھی۔

''تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو نینسی؟''......وہ اس کے انداز پر بے بسی سے پوچھنے لگا۔

''میں تم سے کسی بھی قسم کی باتیں نہیں کر رہی۔میں صرف تمہاری بات کا جواب دے رہی ہوں''۔

''میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایسے جواب کیوں دے رہی ہو۔کیا تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟''نینسی کی بے رخی اسے مارے ڈال رہی تھی۔

''میرے جواب پر اعتراض کرنے سے پہلے تم نے اپنی بات پر غور کیا ہے شاہ! کیا کہا تھا تم نے ابھی جان کے بارے میں؟......یہی کہ اس کا میری طرف دیکھنا تمہیں پسند نہیں اور تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم اسے شوٹ کر دو۔آخر کون سے قانون کے تحت تم اسے شوٹ کرنے کی بات کر رہے تھے۔جان کا میری طرف پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا کیا اتنا بڑا جرم ہے کہ تم اسے قتل کر ڈالو''۔اس کے لہجے میں بے حد ناراضی تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا نینسی! میں تو صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ مجھے اس کی تمہاری طرف بے ہودگی سے اٹھنے والی نظروں سے کتنی نفرت ہے''۔

''میں تمہارے آرگیومنٹ کو نہیں مانتی کیونکہ تم نے وہی کہا جو اصل میں تمہارے دل میں تھا''۔نینسی نے اس کی بات کو قطعی رد کرتے ہوئے پیروں کے پاس آ گرنے والے ایک خشک پتے کو اپنی اونچی ہیل کی سینڈل سے مسلا۔

''آج تمہیں جان کی نظروں پر اعتراض ہے' آنے والے کل میں تم مجھ پر شک

کرو گے۔مجھے کسی اجنبی سے بات کرتے دیکھ کر تمہارا دل چاہے گا کہ تم مجھے قتل کر دو''۔

وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''میں تمہارے ہاتھوں قتل نہیں ہونا چاہتی شاہ!'' بھیگے لہجے میں کہتی وہ دوڑتی ہوئی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔کچھ کہنے کی خواہش میں کھلے مطیب شاہ کے لب نیم وا ہی رہ گئے۔

☆☆☆

''تمہارے تھیسس کا کیا ہوا عمر؟ کب تک جمع کروانے کا ارادہ ہے؟''

''تیار ہی سمجھیں' بس پرنٹ آؤٹس نکالنے رہ گئے ہیں۔ذرا فراغت ملے تو پہلی فرصت میں یہ کام کرتا ہوں''۔پریکٹیکل جرنلز چیک کرتے عمر احسان نے ذرا کی ذرا سر اٹھا کر اسے جواب دیا۔

''خیریت! کہاں مصروف ہو؟ کہیں کسی حسینہ مہ جبینہ کا قصہ تو نہیں؟''مطیب شاہ نے اسے چھیڑا۔

''مہ جبینائیں' فزکس کے خشک مزاج ٹیچرز کو گھاس نہیں ڈالتیں۔رہی بات میرے مصروف ہونے کی تو اصل میں ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔کالج سے واپس جا کر سارا وقت ان کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ایک تو بیماری اوپر سے تنہائی۔وہ روز بروز چڑچڑے ہوتے جا رہے ہیں۔اس لیے میری کوشش ہوتی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ وقت دے سکوں''۔مطیب کی بات کا جواب دیتے اس نے اسے ابا کی کیفیت سے بھی آگاہ کیا۔

''ارے ہاں' مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔تم نے بتایا تو تھا کہ ڈاکٹرز نے انہیں بائی پاس کروانے کا مشورہ دیا تھا پھر کیا ارادے ہیں کب تک انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرواؤ گے''۔مطیب نے اپنی یادداشت پر افسوس کیا۔

''وہ راضی تو ہوں' میں آج ہی انہیں ایڈمٹ کروا دوں گا۔لیکن پتا نہیں کیوں ابا مطمئن نہیں ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ وہ اس بائی پاس کے بعد جی نہیں سکیں گے۔ان کی

کیفیت دیکھ کر میں بھی ڈر جاتا ہوں۔ ابا ہی تو اس دنیا میں میرا واحد رشتہ ہیں اگر انہیں بھی کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گا''۔ عمر احسان کی آنکھوں میں کسی ننھے بچے کا سا خوف تیر رہا تھا۔

''تم ایسا کرو' شام میں انکل کی رپورٹس لے کر میری طرف آجاؤ۔ میری ایک دو ہارٹ اسپیشلسٹ سے اچھی راہ و رسم ہے چل کر ان کے ساتھ انکل کا کیس ڈسکس کر لیں گے پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں اگر ان کی رائے بھی بائی پاس کروانے کی ہوئی تو تم بغیر کسی وہم کے عمل کر ڈالنا۔ آخر علاج معالجہ کروانا بھی تو انسان کا فرض ہے''۔ مطیب اچھی طرح اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ شخص جس نے اپنے بچپن میں ہی ماں کو کھو دیا تھا' اب اپنے باپ کو کھونے کی ہمت کیسے اپنے اندر پیدا کر سکتا تھا۔

''تھینک یو سر!'' عمر احسان کا لہجہ تشکرانہ ہو گیا۔

''ویسے ایک بات کہوں اگر ابا کو بیماریِ دل سے بچانا چاہتے ہو تو فوراً اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤ۔ دیکھنا ابا چند دن میں بھلے چنگے ہو جائیں گے''۔

''میں سمجھا نہیں؟'' مطیب کے مشورے پر وہ حیران ہوا۔

''بھئی میرے کہنے کا مطلب ہے' کسی ماہ رخ' پری وش کو پہلے اپنے دل میں انٹری دو پھر اسے اپنے گھر میں لا بساؤ۔ دیکھنا ابا دنوں میں بھلے چنگے ہو جائیں گے''۔ مطیب شاہ نے مشورہ دیا تو وہ فقط مسکرا کر رہ گیا۔ کیسے بتاتا کہ اس دل کے ایوانوں میں پہلے ہی ایک چہرہ بڑی آب و تاب سے بسا ہوا ہے لیکن وہ اسے اپنے گھر میں بسانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس پیکرِ نازک اندام کی بھاری بھرکم حیثیت' اسے اپنا دعا دانتوں تلے ہی روک لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔

☆☆☆

''پھر تم نے کیا سوچا سجاد' آگے کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اماں بتا رہی تھیں کہ زمینوں کے کام میں بھی تمہارا دل نہیں لگتا؟''...... زرمین شاہ نے اپنے سامنے صوفے پر

بیٹھے سجاد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ ابھی دو تین گھنٹے پہلے ہی گاؤں سے شہر پہنچا تھا۔

''سوچنا کیا ہے' معلوم ہی ہے کہ آج نہیں تو کل زمینداری ہی کرنی ہے۔ ابھی تھوڑا وقت موج مستی میں گزار لیں پھر آگے کام دھندا بھی دیکھ لیں گے''۔ کولڈ ڈرنک سے لطف اندوز ہوتے سجاد شاہ کے انداز میں بے پروائی تھی۔ زرمین شاہ نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم اپنی پڑھائی پر توجہ کیوں نہیں دیتے سجاد! تم نے تو میٹرک بھی مکمل نہیں کیا۔ ابھی کچھ سال ہیں تمہارے پاس چاہو تو اپنی تعلیم مکمل کر سکتے ہو''۔

''کیوں' کیا تمہاری ڈاکٹرنی نند مجھ میٹرک فیل کے ساتھ رخصت ہونے سے انکار کر دے گی......؟''

سجاد شاہ کے انداز میں استہزا تھا۔ زرمین شاہ اس انداز پر چپ ہی رہ گئی۔ پچھلے دو سال سے وہ اس کوشش میں تھی کہ سجاد شاہ آوارہ گردیاں اور دوستوں کی محفلیں چھوڑ کر تعلیم کی طرف راغب ہو جائے۔ اگر سجاد پڑھ لکھ جاتا تو نور العین پر ہونے والی زیادتی کی شدت اتنی نہ رہتی لیکن سجاد ہمیشہ اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا تھا۔ وہ ایسا کیوں نہ کرتا اسے اماں اور بابا کی بھرپور سپورٹ جو حاصل تھی۔

''جواب نہیں دیا تم نے میری بات کا''۔ زرمین شاہ کی خاموشی پر اس کی طرف بغور دیکھتے سجاد شاہ نے پوچھا۔ زرمین شاہ دکھ سے گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''اس کے پاس انکار کا اختیار ہے ہی کہاں؟ اسے تو پر کاٹ کر پنجرے سے باہر نکلنے کی آزادی دی گئی ہے۔ کٹے پروں کے ساتھ وہ کیسے تمہاری دسترس سے دور جا سکتی ہے''۔

''تم ہمیشہ اپنی نند کے غم میں مبتلا رہنا۔ اپنے بھائی کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا تو تمہیں احساس ہی نہیں ہے''۔ بہن کی بات سن کر سجاد شاہ نے شکوہ کیا۔

''کیوں' تمہارے ساتھ کیا زیادتی ہوئی ہے؟'' زرمین شاہ اس کی بات پر حیران

ہوئی۔

''سارے یار دوست میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ بیوی ایک تو عمر میں بڑی دوسرے تعلیم میں بھی زیادہ۔ ان کا کہنا ہے کہ میں تو ہمیشہ بیوی کے آگے دب کر ہی رہوں گا''۔

''ان دوستوں نے ہی تمہارا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ نکموں کو کوئی کام کاج تو ہے نہیں' بیٹھ کر بیکار کی باتیں کرتے رہتے ہیں''۔ نرمین شاہ کے لہجے میں ناگواری چھلکی۔

''ہاں' کام کی باتیں تو بس تمہارے گھر میں ہوتی ہیں۔ بیکار دماغ کھپا کھپا کر کاغذ کے ٹکڑے جمع کرنے کو تم لوگ کارنامہ سمجھتے ہو اگر کسی کمی کمین کے گھر پیدا ہوئے ہوتے تو تمہیں ان ٹکڑوں کی قیمت پتا لگ جاتی یہ جو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں' اتنے بڑے گھر میں عیش سے رہتے ہو' آرام دہ گاڑیوں میں گھومتے ہو یہ سب تمہارے شوہر کی ڈگریوں کی نہیں' اس زمینداری کی دین ہے جو بغیر تعلیم کے بھی ہمارے بزرگ سالوں سے چلاتے آ رہے ہیں۔ اگر مہینے کے مہینے گاؤں سے کھلا خرچہ نہیں آ رہا ہوتا تو دیکھتا کیسے چند ہزار کی نوکری میں گزارہ کرتے تم اور تمہارا انقلابی شوہر''۔ سجاد شاہ حسب عادت جھٹ سے اکھڑ گیا تھا۔

''اچھا بس ختم کرو اس موضوع کو' تم سے تو بحث کرنا ہی بیکار ہے۔ بجائے اس کے کہ آئینہ دکھائے جانے پر اپنے گریبان میں جھانکو دوستوں پر کیچڑ اچھالنے لگ جاتے ہو لیکن یاد رکھو کہ مطیب کی عزت پر تمہاری ان باتوں سے کوئی حرف نہیں آنے والا اور جو تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم زمینوں کی آمدنی سے عیش کر رہے ہیں تو یاد رکھو یہ سب مطیب کی خواہش ہرگز نہیں...... وہ صرف بڑے بابا جان کی خواہش کے احترام میں چپ رہتے ہیں۔ انہیں نہ تو اس عیش و آرام کی چاہ ہے نہ دولت کے بل بوتے پر حاصل کی جانے والی عزت کی اگر یقین نہ آئے تو کبھی مل کر دیکھنا ان لوگوں سے جو اس گھر میں آتے ہیں۔ وہ سارے علم کے پیاسے ہیں جن کو مطیب کی دولت اور امارات سے کوئی غرض نہیں۔ ہوس پرست اور دولت کے پجاریوں کو تو ہم اس گھر کی دہلیز پر قدم ہی نہیں رکھنے دیتے''۔ نرمین شاہ مطیب کی شان میں کی جانے والی گستاخی برداشت نہ کر سکی تھی سو سجاد

کو کھری کھری سنا گئی۔

☆☆☆

''لائبریری چلنا ہے نور......؟'' کتابیں سمیٹ کر بیگ میں رکھتی رفعت معیز نے اس سے پوچھا۔

''نہیں' تم جاؤ مجھے ذرا اسپتال تک جانا ہے''

''خیریت' کس سلسلے میں؟'' رفعت بیگ کی زپ بند کر کے اس کی طرف مڑی۔

''لالہ کے ایک کولیگ کے فادر ایڈمٹ ہیں۔ لالہ نے کہا تھا ان سے مل کر ان کی خیریت معلوم کر لینا۔ بیچارے کی ایک بیٹے کے سوا کوئی اولاد نہیں' بیوی بھی کئی سال پہلے فوت ہو چکی ہیں اس لیے اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کرتے ہیں۔ میرے جانے سے ہو سکتا ہے وہ خوشی محسوس کریں''۔

''اس بات کو تو میں تمہیں سو فیصد گارنٹی دے سکتی ہوں کیونکہ کوئی بد ذوق ہی ہوگا جسے تمہیں دیکھ کر خوشی نہ ہو''۔ نور العین کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے رفعت نے اسے یقین دہانی کروائی۔ یہ اول روز سے ہی نور العین پر فدا تھی۔ شاید یہ اس کی والہانہ چاہت ہی تھی جس نے نور العین کو دو سال کے اس عرصے میں رفعت معیز کے سوا کسی اور کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے نہیں دیا تھا۔

''میں آدھے گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔ اگر تمہیں واپس میرے ساتھ چلنا ہو تو بتا دو؟'' نور العین نے رفعت کے تبصرے پر بے نیازی برتتے سنجیدگی سے اس سے پوچھا کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ آج بھی رفعت اپنی گاڑی نہیں لائی تھی۔

''نہیں' بھائی نے کہا تھا کہ وہ مجھے لینے کے لیے آئیں گے۔ اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں تم چاہو تو آدھے گھنٹے کے بجائے ایک گھنٹہ بھی اطمینان سے اپنے لالہ کے کولیگ کے فادر کی تیمارداری کر سکتی ہو''۔ رفعت شوخی سے مسکرائی جواباً نور العین نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"ایسی نظروں سے نہ دیکھو ظالم! کہیں ہم بھی لائبریری کے بجائے اسپتال نہ پہنچ جائیں"۔ رفعت ایک بار پھر اسے چھیڑے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"تمہارے مسخرے پن میں وقت برباد کرنے سے بہتر ہے میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں ورنہ اسپتال تک پہنچنے سے پہلے ہی ڈرائیور مجھے لینے آ جائے گا"۔ رفعت معیز کی شوخیوں پر خفگی کا اظہار کرتی وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ کالج سے ملحقہ اسپتال میں پہنچ کر اسے پرائیویٹ رومز کی قطار میں سے روم نمبر بارہ تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ البتہ روم میں داخل ہونے سے پہلے وہ چند پل کے لیے جھجک سی گئی۔ کسی کے ضبط کی گواہی دیتی جھکی نظریں اچانک ہی سوچ کے پردے پر لہرا گئی تھیں مگر پھر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا اور ہینڈل گھما کر دروازے کو ذرا سا کھولتے اندر جھانکا۔ سامنے موجود بیڈ پر لیٹے ایک ناتواں سے شخص اور ان کے قریب کھڑی نرس کے سوا کمرے کے ماحول میں کوئی تیسرا فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ نور العین اطمینان کا سانس لیتی کمرے میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم" اس کے سلام کرنے پر وہ فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"وعلیکم السلام....." انہوں نے جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نور العین ہوں۔ عمر احسان کے کولیگ سید مطیب شاہ کی بہن"۔ اس نے ان کی نظروں میں چھپے سوال کو سمجھتے فوراً ہی جواب دیا۔ اس دوران نرس اپنے کام سے فارغ ہو کر باہر کی طرف چل پڑی تھی۔

"آؤ بیٹھو"۔ انہوں نے فوراً ہی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے آفر کی۔

"میں آپ کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی.....؟" کرسی پر بیٹھتے اس نے نرم آواز میں ان سے پوچھا۔

"بس پڑے ہیں ڈاکٹروں کے رحم و کرم پر ابھی وہ صرف وجود میں سوئیاں چبھا رہے ہیں، امید ہے دل پر نشتر بھی جلد ہی چلا دیں گے"۔

"ارے اتنے برے تو نہیں ہوتے ڈاکٹرز....." وہ بے ساختہ ہی بولی۔

"سب کو تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں، مجھے معلوم ہے کچھ ڈاکٹرز بڑے پیارے بھی ہوتے ہیں"۔ اس کے بائیں بازو پر موجود سفید اوور آل اور بیگ سے جھانکتے اسٹیتھ اسکوپ کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔ نور العین ان کی نگاہ کا زاویہ دیکھ چکی تھی سو قدرے جھینپ گئی۔ اپنی ہی دھن میں اندر آتا عمر احسان سامنے بیٹھی نور العین اور اس کے چہرے پر چھائے رنگوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔

"آ جاؤ برخوردار! یہ اسپتال کا وہی بے رنگ و بو ویران کمرہ ہے جہاں تم ہمیں چھوڑ گئے تھے۔ کہیں یہاں حور کی موجودگی پر جنت کا گمان کر کے واپس نہ پلٹ جانا"۔ انہوں نے اس کا ٹھٹکنا بہت اچھی طرح محسوس کیا۔

"جس قدر آپ خوش لگ رہے ہیں اسے دیکھ کر تو لگتا ہے میرے بجائے آپ کو اپنی جنت میں موجودگی کی غلط فہمی ہو گئی ہے"۔ اس نے سنبھل کر جوابی وار کیا۔

"غلط فہمی نہیں، یقین ہے ہمیں اپنے جنت میں موجود ہونے کا بھلا جس جگہ بیٹی موجود ہو وہ جگہ جنت سے کم ہوتی ہے"۔

"او کے سر! یو آر رائٹ۔ اب آپ حکم دیں کہ میں آپ کی بیٹی کی کیا خدمت کروں.....؟" اس نے جیسے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے۔

"بس اب میں چلوں گی۔ ڈرائیور آتا ہی ہو گا مجھے لینے۔ کہیں لیٹ نہ ہو جاؤں"۔ باپ بیٹے کی گفتگو کے درمیان پزل بیٹھی نور العین یکدم ہی کھڑی ہو گئی۔

"ارے ابھی تو آئی ہو۔ اتنی جلدی کیا ہے"۔ احسان صاحب نے فوراً ہی اسے ٹوکا۔

"بس انکل! پھر کسی دن آؤں گی۔ آج جلدی میں ہوں"۔ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"وعدہ کر کے جا رہی ہو بھولنا نہیں، میں تمہارا انتظار کروں گا"۔ انہوں نے اسے پابند کیا تھا۔

''جی بالکل''۔نورالعین کے پاس حامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

''جاؤ عمر! میری بیٹی کو اس کی گاڑی تک چھوڑ آؤ''۔اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ عمر سے مخاطب ہوئے۔

''میں چلی جاؤں گی انکل! تکلف کی کوئی بات نہیں''۔اس نے منع کرنا چاہا۔

''تکلف تو آپ برت رہی ہیں یوں انکار کر کے''۔عمر احسان نے بے ساختہ ہی کہا تو وہ بے بس سی ہو گئی۔

''پڑھائی کیسی چل رہی ہے آپ کی؟ کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی'' عمر نے پوچھا۔

''نہیں' اللہ کا شکر ہے سب کچھ بہت اچھا چل رہا ہے''نورالعین نے جواب دیا۔

یوں ہی بے ضرر سی گفتگو کرتے وہ لوگ گاڑی تک جا پہنچے۔عمر احسان کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھتی نورالعین ٹھٹک گئی۔ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا سجاد شاہ کینہ توز نظروں سے اس کو گھور رہا تھا۔

☆☆☆

''تمہاری دوست نظر نہیں آئی آج' کیا تم سے پہلے ہی گھر چلی گئی؟'' گاڑی سڑک پر ڈالتے احمر معیز نے رفعت سے پوچھا۔

''گھر تو خیر ابھی نہیں گئی ہو گی' اسے کسی کو دیکھنے اسپتال جانا تھا۔کہہ رہی تھی آدھا گھنٹہ لگ جائے گا''۔رفعت نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔اسے اور نورالعین کو ایک دوسرے سے جدا ہوئے فقط بیس منٹ گزرے تھے۔

''ویسے بائی داوے' آپ کو میری دوست کا خیال کیسے آ گیا؟'' احمر معیز کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر تھا جس نے رفعت کو چونکایا۔

''ایسے ہی پوچھ لیا' تم فوراً بال کی کھال نکالنے مت بیٹھ جایا کرو''۔احمر نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''بال کی کھال میں نکال رہی ہوں یا آپ کے اپنے انداز ہی مشکوک ہیں''۔رفعت نے ذومعنی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر جیسے کوئی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بولی۔''میں بھی کہوں یہ روز روز آپ مجھے پک اینڈ ڈراپ کی آفر کیوں دینے لگے ہیں۔اب سمجھ میں آیا یہ سارا سلسلہ اس دن سے چل رہا ہے جب آپ نے آپی کی انگیجمنٹ والے روز نورالعین کو دیکھا تھا''۔

''اور اب بار بار دیکھنا چاہتا ہوں''۔احمر معیز کے لبوں سے بے ساختہ ہی پھسلا تھا۔

''اُف میں کتنی احمق تھی' آپ کی نظر کے نشانے دیکھے ہی نہیں۔بس اسی پر خوش ہوتی رہی کہ میرے پیارے بھائی اپنے قیمتی وقت میں سے صبح پورے پچیس منٹ نکال کر مجھے کالج ڈراپ کرنے آتے ہیں اور پتا نہیں کتنی اہم میٹنگز چھوڑ کر مجھے واپسی میں پک کرتے ہیں لیکن اب پتا چلا کہ بھائی صاحب تو باقاعدہ سازش پر تلے ہوئے ہیں اسی لیے اتنے دنوں سے میری گاڑی ٹھیک ہو کر واپس نہیں آ رہی''۔رفعت خوب ہی بھائی کے لتے لے رہی تھی۔

''خدا کے غضب سے ڈرو لڑکی! اتنے الزام بھی نہ لگاؤ' تمہارا تو وہی حال ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم' اتنے دنوں کی خدمت کا یہ صلہ دے رہی ہو کہ سرے سے کوئی احسان ماننے کو تیار نہیں''۔احمر معیز نے شکوہ کیا لیکن وہ کسی خاطر میں نہیں لائی۔

''خوامخواہ کا احسان نہ جتائیں کیونکہ اب میں آپ کی مطلب پرستی کو سمجھ چکی ہوں''۔

''ہوتی رہو بدگمان لیکن ساتھ ہی اصل بات بھی سن لو تمہاری پرانی گاڑی سیل کر کے میں نے شوروم سے نئی گاڑی نکلوالی ہے تمہارے لیے' گھر پہنچو گی تو خود ہی دیکھ لینا''۔احمر نے قدرے منہ پھلا کر بتایا۔

''ہائے بھائی سچ! آپ تو بڑے اچھے ہیں'' رفعت نئی گاڑی کی خبر سن کر اچھل پڑی۔

''اچھے کہاں' ہم تو بڑے مطلبی' نظر باز اور سازشی ہیں'' احمر نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ تو بس مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی"۔ رفعت نے فوراً ہی پینترا بدلا تو احمر کے لیے مسکراہٹ ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔

"میں آج ہی مما سے بات کروں گی۔ نورالعین اتنی پیاری ہے مما تو فوراً راضی ہو جائیں گی"۔ اس نے فوراً ہی آگے کی منصوبہ بندی بھی شروع کر دی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مما سے کچھ کہنے کی۔ پتا نہیں ہے وہ کب سے حبہ کے لیے کہہ رہی ہیں۔ نورالعین کتنی ہی پیاری ہو انہیں اپنی بھانجی سے پیاری ہرگز نہیں لگ سکتی۔ میں بھی فی الحال اس لیے چپ ہوں کہ ڈیڈی کینیڈا سے واپس آ جائیں تو ان کو حامی بنا کر بات آگے بڑھائی جائے۔ مما کو ایگری کرنا صرف ان ہی کے بس کی بات ہے"۔ احمر نے فوراً ہی اسے ٹوکا۔

"حبہ بھی اچھی لڑکی ہے اگر آپ نور کو پسند نہ کرتے تو مما کے ساتھ ساتھ میرا ووٹ بھی اسی کے لیے ہوتا"۔

"افسوس نہ کرو اگر تمہیں زیادہ پسند ہے تو دونوں طرف بات چلا لیتے ہیں۔ ایک کے بجائے دو پسندیدہ بھابیاں لے آنا" اس نے رفعت کو چھیڑا۔

"خبردار! ایسا سوچیے گا بھی نہیں۔ میری دوست پر سوکن آئے میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی"۔ رفعت نے لہجے میں مصنوعی خفگی سموتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"اسے کہتے ہیں سوت نہ کپاس جولا ہے سے لٹھم لٹھا"۔ احمر بے ساختہ ہی ہنس پڑا تھا۔

"اے اللہ! میرے بھائی کی ہنسی کو سدا سلامت رکھنا" رفعت نے اس کے ہنستے چہرے کی نظروں ہی نظروں میں بلائیں لیتے دل میں اللہ سے درخواست کی۔

☆☆☆

"آج آپ بڑے دنوں بعد خوش دکھائی دیے"۔ عمر احسان نے چمچہ بھر کر دوا ابا کو پلاتے ان کے خوشگوار موڈ پر تبصرہ کیا۔

"تمہارا مطلب ہے میں ہر وقت چڑچڑا پن اور بد اخلاقی ہی دکھاتا رہتا ہوں"۔ کڑوی کسیلی دوا کو حلق سے نیچے اتار کر احسان صاحب نے منہ بناتے ہوئے عمر سے پوچھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا ابا...... لیکن جیسی خوشی اور اطمینان آج آپ کے چہرے پر نظر آیا اسے دیکھے ہوئے بہت عرصہ گزر گیا تھا"۔ وہ گھبرا گیا کہ کہیں ابا ناراض ہی نہ ہو جائیں۔ ان کا مزاج بگڑ جاتا تو بی پی ہائی ہونے کا خدشہ تھا اور اس وقت جب کہ ان کا بائی پاس ہونے والا تھا عمر احسان ایسا کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔

"بات یہ ہے بیٹا کہ خوش ہونے کے لیے بھی کوئی تو بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ آخر کب تک دیواروں سے باتیں کر کے اور کتابوں کی ورق گردانی سے دل کو بہلایا جا سکتا ہے۔ پورے گھر میں ایک واحد ذی نفس ہو تم لیکن تم سے بات کرنے کا بھی موقع کم ہی ملتا ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے معلوم نہیں یا میں سمجھتا نہیں ہوں کہ تم بہت اہم کاموں میں مصروف ہو لیکن بڑھاپے کے اپنے خواب اور خواہشات ہوتی ہیں۔ میری عمر کے لوگ یہ وقت اپنے پوتا پوتی کے ساتھ کھیل کود کر گزارنا چاہتے ہیں لیکن تم ہو کہ شادی کے لیے راضی ہی نہیں ہوتے"۔ انہوں نے اپنا دیرینہ مطالبہ دہرایا جس کے جواب میں عمر احسان کے پاس سوائے خاموشی کے کچھ نہیں تھا۔

"یہ جو لڑکی آئی تھی آج' بڑی پیاری لگی مجھے۔ تمہارے انداز سے بھی لگ رہا تھا کہ تمہیں وہ ناپسند نہیں"۔ احسان صاحب کی تجربہ کار نگاہوں نے جو کچھ بھانپا تھا اسے بڑے سبھاؤ سے بیان کر رہے تھے۔

"ایسی بات سوچنے سے پہلے یہ تو سوچا ہوتا ابا کہ وہ لڑکی سید مطیب شاہ کی بہن اور سید قائم شاہ کی بیٹی ہے۔ اس کا میرا بھلا کیا میل؟" نہ چاہتے ہوئے بھی عمر کا لہجہ آزردہ ہوگیا۔

"جب جانتے ہو تو اس کی آرزو چھوڑ کیوں نہیں دیتے"۔ ابا نے فوراً ہی اس پر اپنی گرفت کی تھی۔

''بات آرزو کی نہیں دل کے ماننے کی ہے۔ دل کسی اور راہ پر چلتا ہی نہیں''۔ اس نے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔

''دل کو منا لینا عمر! اس سے پہلے کہ میرا دل ہار جائے''۔ ابا کے لہجے کی آزردگی نے عمر احسان کو تڑپا دیا۔

''آپ حکم کریں ابا! آپ کے لیے تو دل تو کیا جان بھی حاضر ہے''۔

''جیتے رہو بیٹا! لیکن سچ تو یہ ہے کہ تمہارے دل کی خوشی اگر اپنی جان دے کر بھی حاصل کی جا سکتی تو مجھے یہ سودا ہنسی خوشی منظور ہوتا۔ اب تو بس اپنی بے بسی کا افسوس ہی کر سکتا ہوں''۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں حسرت تھی۔ عمر بے ساختہ ہی ان سے لپٹ گیا۔

''آپ بس ٹھیک ہو جائیں ابا! آپ جو کہیں گے جیسا کہیں گے مجھے منظور ہوگا''

اس وقت باپ کی محبت عمر احسان کے ہر جذبے پر حاوی تھی۔

☆☆☆

''پڑھائی کے نام پر یہ سب ہوتا ہے یہاں۔ غیر لڑکوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور مزے کرنے کو تعلیم کا نام دیتے ہو تم لوگ''۔ سید سجاد شاہ جو گاڑی میں ڈرائیور کی موجودگی کے سبب راستے بھر بڑی مشکل سے خود پر ضبط کرتا آیا تھا گھر پہنچتے ہی دھاڑنے لگا۔

''کیوں' کیا ہوا؟ اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہو؟'' زرمین شاہ نے ایک نظر تھر تھر کانپتی نورالعین پر ڈالی اور پھر غضبناک ہوتے سجاد شاہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔ اپنی چہیتی سے پوچھو۔ رنگے ہاتھوں پکڑا ہے آج میں نے اسے'' سجاد شاہ نے کہا۔

''نور! تم اپنے کمرے میں جاؤ اور فریش ہو کر کھانا وغیرہ کھا لو''۔ زرمین بھائی کی فطرت سے واقف تھی اس لیے اس کی باتوں پر نورالعین سے کوئی باز پرس کرنے کے بجائے اسے نرمی سے وہاں سے جانے کا حکم سنایا۔

''تمہارے نزدیک میری بات کی کوئی اہمیت ہے ادی!'' سجاد شاہ بہن کے بے

نیاز انداز پر چراغ پا ہوا۔

''صابرہ! فریج سے ٹھنڈا اورنج جوس لے کر آؤ''۔ زرمین نے اسے جواب دینے کے بجائے ملازمہ کو پکارا اور پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے بات کرو۔ چیخنے چلانے سے ملازموں کے سامنے تماشا لگنے کے سوا کچھ نہ ہوگا''۔

''کان کھول کر سن لو ادی! نور میری غیرت ہے۔ میں اپنی بیوی کو یوں غیر مردوں کے ساتھ گھومتے پھرتے اور ہنستے بولتے نہیں دیکھ سکتا''۔ سجاد شاہ نے اشارے سے ملازمہ کو جوس ٹیبل پر رکھ کر جانے کا حکم دیا اور گہرا سانس لیتے اپنے غیرت مند بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔ جس کی عمر ابھی پورے اٹھارہ سال بھی نہیں ہوئی تھی اور اس کے منہ سے یہ ساری باتیں بہت بڑی لگ رہی تھیں۔

''جوس پیو تا کہ تمہارا غصہ کچھ کم ہو'' زرمین شاہ نے کہا۔

''تم میرے ساتھ بچوں والا سلوک مت کرو ادی! میں سچ مچ بہت غصے میں ہوں'' سجاد شاہ کو بہن کا انداز ذرا نہ بھایا۔

''اچھا بتاؤ کہ کیا ہوا تھا''۔ زرمین شاہ نے رسان سے پوچھا۔

''میں ڈرائیور کے ساتھ بازار تک گیا تھا واپسی میں اس نے کہا کہ نور بی بی کو کالج سے لینے کا ٹائم ہو رہا ہے' میں نے کہا چلو ٹھیک ہے چلتے ہیں لیکن وہاں پہنچے تو نور کا کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ پہلے انتظار میں خواری اٹھائی اور پھر دیکھا تو محترمہ کسی کے ساتھ ہنستی مسکراتی' باتیں کرتی چلی آ رہی ہیں۔ مجھے دیکھ کر چہرہ فق پڑ گیا۔ اسے تو نہیں پتا ہوگا نا کہ ڈرائیور کے ساتھ میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا'' سجاد شاہ نے کہا۔

''اتنا غصہ ہونے کے بجائے نور سے پوچھ لیتے اس بندے کے بارے میں' ہو سکتا ہے کوئی کلاس فیلو وغیرہ ہو جو کسی کام کے لیے نور سے بات کر رہا ہو''۔ ساری تفصیل سننے کے بعد زرمین شاہ نے سجاد کو مشورہ دیا۔

''کوئی کلاس فیلو ولو نہیں تھا۔ وہ ماسٹر تھا جو دو دن پہلے بھائی مطیب شاہ سے ملنے

گھر پر آیا تھا۔ پہلے بھی دو تین بار اسے تمہارے گھر منہ اٹھائے آتا جاتا دیکھ چکا ہوں"۔
سجاد کے جواب نے نرمین شاہ پر صورتِ حال بالکل واضح کر دی لیکن ابھی سجاد اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"یقیناً وہ ماسٹر نور کے چکر میں ہی یہاں آتا ہے۔ اس روز میں یہاں تھا تو اسے نور سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا' اسی لیے ملاقات کرنے اس کے کالج پہنچ گیا لیکن میں صاف بتا رہا ہوں اوی! میں یہ سب بالکل برداشت نہیں کر سکتا"۔

"برداشت کرنے کی ضرورت نہیں' تم بس اپنے ذہن سے شک نکال دو اور میری بات سنو۔ جس شخص پر تم شک کر رہے ہو وہ ایک نہایت شریف انسان ہے اور وہ وہاں نور سے ملنے ہرگز نہیں گیا بلکہ وہاں اسپتال میں اس کے والد زیر علاج ہیں۔ نور سے ان کی ملاقات صرف ایک اتفاق کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ تم اپنا ذہن بالکل صاف رکھو"۔ نرمین شاہ کی بات کا سجاد پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر نور کی ہی طرف داری کرو گی لیکن یاد رکھو اوی! میں اس بات کو ایسے ہی نہیں جانے دوں گا اماں اور بابا کے ساتھ بڑے بابا جان تک بھی یہ معاملہ ضرور پہنچے گا"۔ سجاد کی دھمکی نے نرمین کے اوسان خطا کر دیے لیکن اس سے قبل کہ وہ اسے سمجھانے کے لیے مزید کچھ کہتی وہ اپنی بے ساکھی کی مدد سے ٹھک ٹھک کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے؟" نینسی کے سامنے بیٹھے مطیب شاہ کا لہجہ بے بس تھا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ نینسی سے ملنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اسے کہیں ملتی ہی نہیں تھی۔ نہ یونیورسٹی میں' نہ لائبریری میں...... یہاں تک کہ اس نے اپنا اپارٹمنٹ بھی چھوڑ دیا تھا۔ مطیب شاہ نے کتنے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تھا لیکن اسے نینسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو پا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ سب لوگ سچ مچ ناواقف تھے یا

جان بوجھ کر اسے کچھ بتانے سے گریز کرتے تھے۔ آج بھی وہ اسے بس اتفاقاً مل گئی تھی۔ وہ "فوائلز" (لسٹر اسکوائر میں واقع دنیا کی سب سے بڑی کتابوں کی دکان) سے کچھ کتابیں لینے گیا تھا۔ ایک کتاب کی ورق گردانی کرتے اسے ایسا لگا کہ کوئی بہت ہی شناسا چہرہ تیزی سے اس کے سامنے سے گزر گیا ہے۔ یہ چہرہ کس کا تھا؟ اسے شناخت کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگا اور وہ کتاب رکھ کر تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ تیز تیز چلتی وہ جیسے اس جگہ سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مطیب شاہ دوڑ کر اس تک گیا۔

"نینسی......" اس کی پکار میں ایسی کوئی بات ضرور تھی کہ نینسی اپنے قدموں کو روکے بنا نہیں رہ سکی۔

"آؤ' وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں" مطیب نے اس کا ہاتھ تھام کر قریب موجود ایک ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا۔ نینسی کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی لیکن اس کے ہونٹ بالکل خاموش تھے۔ یہ خاموشی ریسٹورنٹ پہنچ کر مطیب کے سامنے بیٹھنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ مطیب کتنی ہی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں ٹکائے بیٹھا رہا تھا اور پھر شدید بے بسی کے عالم میں اس نے نینسی سے پوچھا تھا۔

"کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے؟" جواباً نینسی کے لب ذرا سے لرزے تھے جیسے جو کہنا چاہتی ہو وہ کہنے کی ہمت نہ کر پا رہی ہو۔

"یہ خاموشی میرے دل کے وسوسے بڑھا رہی ہے کچھ تو کہو نینسی! کچھ ایسا جو مجھے ملنے والی اس بے جرم سزا کا سبب بتا سکے"۔ اس کے لہجے کی تڑپ پر نینسی نے نظر اٹھا کر بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔ یہ وہ چہرہ تھا جس سے اس نے بے تحاشا محبت کی تھی۔ جس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے لگتا تھا کہ زندگی کے سارے دکھ اختتام کو پہنچے لیکن اب اسے اس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے خوف آ رہا تھا۔ وہ اس چہرے کے پیچھے ایک اور چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ چہرہ جو اس کے محبوب کا نہیں ایک قاتل' جابر' ترش مرد کا چہرہ تھا۔ اس پس پردہ چہرے کو دیکھ کر نینسی کی آنکھوں میں خوف جھلکنے لگا۔ خود پر قابو پانے کے لیے بے ساختہ ہی اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔

"کیا بات ہے نینسی......؟" مطیب سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ چھپا نہیں رہا تھا۔

"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں شاہ!" بالآخر وہ کسی فیصلے پر پہنچ ہی گئی تھی۔

"کیا......!" مطیب شاہ کی زبان سے پھسلا۔

"اپنے بارے میں' میں نے تمہیں کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ تم بس آج کی نینسی کو جانتے ہو۔ تمہیں میرے گزرے کل کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں"۔ نینسی نے کچھ کہنا چاہا۔

"مجھے تمہارے ماضی سے کوئی غرض نہیں نینسی! چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ گزرا ہو۔ میں تم سے زندگی میں کبھی بھی گزرے ہوئے کل کے بارے میں نہیں پوچھوں گا۔ میں نے آج کی نینسی کو چاہا ہے اور اسے جتنا میں جانتا ہوں وہ میرے لیے کافی ہے"۔ اس نے فوراً ہی نینسی کی بات کاٹی۔ وہ اس معاشرے کے مکروہ اطوار سے واقف تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ نینسی کے ماضی کے طور پر اس کو کچھ ایسا سنایا جائے جو اس کے دل کو اچھا نہ لگے۔ وہ نینسی کے ساتھ بس اس کے حال میں جینا چاہتا تھا۔

"تمہارے لیے بے شک میرے ماضی کی کوئی اہمیت نہ ہو لیکن میرے لیے میرا ماضی بہت اہم ہے۔ میں نے اپنے ماضی میں جو کچھ دیکھا اور سہا ہمیشہ اسی کی بنیاد پر زندگی کے فیصلے کیے۔ میں اپنا حال اور مستقبل اپنے ماضی کے مقابلے میں محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی احساسِ تحفظ کے حصول کے لیے میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا لیکن ......" اس کے ادھورے جملے نے مطیب شاہ کو بے چین کر دیا۔ نینسی نے اس کی یہ بے چینی محسوس کی لیکن انجان بن کر اپنی بات جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اب نہ کہہ سکی تو کبھی نہ کہہ سکے گی اور اسے مطیب شاہ سے یہ سب ضرور کہنا تھا۔

"میں چند ماہ کی تھی تو میرے پیرنٹس میں ڈائیورس ہو گئی۔ میری مام نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا اور پتا نہیں کیوں پاپا راضی ہو گئے۔ انہوں نے مجھے کیسے پالا ہو گا۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے کر سکتے ہو کہ وہ مجھے ایک گورنس کے سپرد کر کے آفس

جاتے تو اکثر واپس آنا ہی بھول جاتے۔ وہ ایک عادی شرابی تھے۔ شراب کے اتنے رسیا کہ پوری پوری رات کسی بار میں بیٹھ کر پیتے رہتے۔ مام سے ان کی علیحدگی کی وجہ بھی ان کی بے تحاشا شراب نوشی تھی۔ شراب جب بھی ان کے دماغ کو چڑھ جاتی وہ مام کے ساتھ بدسلوکی پر اتر آتے۔ انہوں نے کئی بار مام کو زدوکوب کیا۔ مام ڈر گئیں کہ یہ شخص کسی روز نشے میں ان کی جان لے لے گا۔ سو انہوں نے اپنے راستے پاپا سے جدا کر لیے۔

"متبادل کے طور پر ان کے پاس مسٹر جارج تھے سو انہوں نے خود کو اس عذاب سے نجات دلانے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگائی۔ رہی میں تو میرے لیے مسٹر جارج کے گھر میں کوئی جگہ نہیں تھی یوں میں پاپا کے گھر گورنس کے ہاتھوں پلتی رہی۔ مجھے اپنی اس تنہا زندگی سے نفرت تھی جہاں میں مشینی انداز میں کام کرنے والی مختلف گورنسز کے رحم و کرم پر رہتی تھی تنہا در و دیوار سے سر ٹکراتی تھی اور گھنٹوں بیٹھ کر اس بات کا انتظار کرتی تھی کہ پاپا آئیں تو مجھے پیار کریں لیکن میرا یہ انتظار اکثر انتظار ہی رہتا تھا۔ پاپا پا تو گھر آتے ہی نہیں تھے یا اکثر اتنے نشے میں ہوتے تھے کہ ان سے اپنے قدم ہی نہیں سنبھالے جاتے۔ ایسے میں ان کی نظر گھنٹوں انتظار میں گزارنے والی اپنی چند سالہ بیٹی پر پڑتی بھی تو کیونکر...... بہر حال ایک دن پاپا کی شراب نوشی رنگ لے ہی آئی۔ وہ اندر سے تو نہ جانے کب سے کھوکھلے ہو گئے تھے لیکن یوں اچانک دنیا چھوڑ دیں گے کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ مرنے سے چند دن پہلے انہوں نے مام کو بلا کر میری ذمے داری سنبھالنے کی درخواست کی تھی۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ بھی مام کو آفر کیا تھا۔ سو مام جو اس وقت مسٹر جارج سے علیحدہ ہونے کے بعد اپنے تیسرے شوہر مسٹر ولیم کے ساتھ رہ رہی تھیں مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے راضی ہو گئیں"۔ نینسی ذرا سا رکی اور سامنے رکھے گلاس میں سے پانی کا ایک گھونٹ لیا۔

"مجھے پاپا کے گھر گزرنے والی دس سالہ زندگی عذاب لگتی تھی لیکن عذاب کسے کہتے ہیں یہ میں نے مام کے ساتھ رہ کر جانا۔ مسٹر ولیم اپنے گھر میں میری موجودگی سے

خوش نہیں تھے۔ وہ اکثر مجھ سے توہین آمیز لہجے میں بات کرتے۔ ان کا مجھ سے دو سال بڑا ایک بیٹا تھا۔ بے حد بدتمیز اور تشدد پسند۔ کئی دفعہ اس نے مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کی۔ بعض اوقات اس کی شرارتوں کا نشانہ بن کر میں زخمی بھی ہوئی لیکن مام سے کچھ کہنا بھی بیکار ہی تھا۔ وہ میری ہر شکایت ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالنے کی عادی تھیں۔ انہوں نے شاید مجھے اپنے گھر میں بھی صرف اس لیے رکھا ہوا تھا کہ وہ میری پرورش کے سلسلے میں پاپا کی طرف سے مقرر کردہ رقم سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ پندرہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے میں اس گھر کے ماحول سے اتنی بیزار ہو گئی تھی کہ میں نے اسکول کے بعد پارٹ ٹائم جاب شروع کر کے گھر سے دور رہنا شروع کر دیا۔ گھر سے دور رہنے کی ایک وجہ مسٹر ولیم کا بیٹا بھی تھا جس کی بدتمیزیوں کی نوعیت اس عرصے میں بدلنے لگی تھی۔ سو میں تحفظ کی تلاش میں گھر سے باہر رہنے لگی۔ پندرہ سال سے اٹھارہ سال تک ہونے کا عرصہ میں نے یونہی بھاگ بھاگ کر گزارا۔

''اٹھارہ سال کی عمر میں لیگلی پاپا کی چھوڑی ہوئی پراپرٹی کی مالک بن گئی۔ اس کے بعد میں نے سب سے پہلا کام مام اور مسٹر ولیم کا گھر چھوڑ کر اپنے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر سے آج تک میں بالکل تنہا ہوں۔ مام صرف اس وقت مجھ سے ملنے آتی ہیں جب انہیں مجھ سے رقم چاہیے ہو۔ تنہائی کی اس زندگی کو گزارتے میں نے ہمیشہ ایک بات سوچی اور وہ یہ کہ میں اپنے لیے لائف پارٹنر کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کروں گی۔ کوئی ایسا شخص جو نہ صرف اچھے کردار کا مالک ہو بلکہ فیملی بنا کر رکھنے والا ہو میں خود ایک بروکن فیملی کا حصہ رہی ہوں اس لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ آگے میرے بچوں کو بھی یہ عذاب سہنا پڑے۔ صرف اس ایک بات کو سامنے رکھ کر میں نے اپنی طرف بڑھنے والے کسی شخص کی حوصلہ افزائی نہیں کی پھر تم میری زندگی میں چلے آئے۔ مشرق کے فرد۔ اس جگہ کے رہنے والے جہاں گھر بنائے رکھنے کی روایت آج بھی زندہ ہے۔ مجھے لگا کہ میری تلاش ختم ہو گئی میں تمہارے ساتھ ایک گھر بنانے کے خواب دیکھنے لگی لیکن......'' مطیب شاہ کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس لیکن کے آگے اس

کے لیے کوئی اچھی خبر موجود نہیں۔

☆☆☆

''سنا ہے اسکول کے لیے ڈیسکوں کا بندوبست کرنے آئے ہو؟'' سید قائم شاہ نے اپنے سامنے موجود مطیب کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''جی بابا جان! پچھلی بار آیا تھا تو ہیڈ ماسٹر اکبر خان نے بتایا تھا کہ اسکول میں بچوں کے بیٹھنے کے لیے مناسب انتظام نہیں ہے۔ پچھلے سالوں کے مقابلے میں بچوں کی تعداد بڑھ گئی ہے لیکن تعداد کے حساب سے فرنیچر کم ہے۔ میں نے خود اسکول کا وزٹ کیا تو مجھے پتا چلا فرنیچر کے علاوہ اسکول کی عمارت کی حالت بھی بہت مخدوش ہے کئی جگہ سے پلاستر اکھڑا ہوا ہے۔ کئی کھڑکیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ایک دو کلاسوں کی چھتیں بھی صحیح نہیں ہیں' بارش ہوئی تو ٹپکنے لگیں گی۔ مرمت کا کام تو خیر فی الحال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لیے بچوں کو چھٹی دینی پڑتی اس لیے میں نے یہ کام چھٹیوں تک ٹال دیا۔ وقتی طور پر بس اتنا انتظام کروا دیا ہے کہ بارش ہو تو چھتیں نہ ٹپکیں۔ ساتھ ساتھ جو ڈیسکوں کی کمی تھی اسے بھی پورا کر دیا ہے۔ امید ہے یہ سیشن آرام سے نکل جائے گا۔ آگے کے لیے میں سوچ رہا ہوں' حکومت کے ساتھ بات کر کے اپنے خرچے پر اسکول کی عمارت میں توسیع کروا دوں۔ ارد گرد کے گاؤں میں رہنے والے وہ بچے جنہیں گنجائش نہ ہونے کے سبب اسکول میں داخلہ نہیں ملتا' انہیں آسانی ہو جائے گی۔ ٹیچرز کی کمی کا مسئلہ بھی اگر حکومت نے اپنے بندے بھیج کر پورا کر دیا تو ٹھیک ورنہ میں ذاتی طور پر کوشش کر کے پڑھے لکھے بے روزگار نوجوانوں کو ٹیچنگ کے لیے رکھوا دوں گا۔ ان کی تنخواہیں وغیرہ ہم اپنے پاس سے دے دیا کریں گے'' وہ پورے جوش سے قائم شاہ کو تفصیلات سنا رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ ان کے دل میں ناگواری کے جذبات بڑھتے جا رہے ہیں۔

''تمہیں اس بات کو بھولنا نہیں چاہیے مطیب شاہ کہ ابھی تمہارے بڑے موجود ہیں۔ اس گاؤں کے کسی بھی معاملے میں فیصلہ کرنے کے لیے تم ہماری اجازت لینے کے

پابند ہو"۔ بالآخر سید قائم شاہ نے اپنی ناگواری کا اظہار کر ہی دیا۔

"لیکن بابا جان! اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہاں کے بچے پڑھیں گے لکھیں گے تو ہمارا ہی گاؤں ترقی کرے گا"۔ وہ حیران ہوئے۔

"گاؤں نہیں' مزارعوں کی اولادیں ترقی کریں گے۔ پڑھ لکھ کر یہ لوگ شہروں کا رخ کریں گے۔ ہمارے کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والوں کی نفری کم ہو جائے گی۔ ابھی تو یہ ہے کہ چند بچے داخلہ لیتے ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر استادوں کی کمی' جگہ کی تنگی اور دوسرے مسائل کو دیکھ کر ساتویں' آٹھویں تک اسکول چھوڑ کر کھیتوں میں لگ جاتے ہیں۔ ہر سال مشکل سے پانچ چھ لڑکے ہی ہوتے ہیں جو میٹرک کر پاتے ہیں۔ لڑکیوں کے اسکول میں یہ تعداد ایک دو سے آگے نہیں بڑھتی۔ ان حالات سے لوگ بھی مطمئن ہیں اور ہم بھی۔ لوگوں کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ ہمارے وڈیروں کی طرح ہم نے اپنے گاؤں میں تعلیم پر پابندی لگا کر ان کا حق نہیں مارا اور ہمیں اطمینان ہے کہ اس تعلیم سے ہماری حکمرانی پر کوئی ضرب نہیں لگ رہی۔ پچھلے کئی سالوں سے اب تک صرف تین لڑکے ہیں جو میٹرک کے بعد شہر پڑھنے گئے۔ ان میں سے بھی ایک شہر کی رنگینیوں میں کھو کر برباد ہو گیا۔ اس لیے ابھی تک گاؤں میں اعلیٰ تعلیم کا رجحان پیدا نہیں ہوا لیکن تم جو کچھ کرنے جا رہے ہو اس سے ان لوگوں کے دماغ خراب ہونے کا ڈر ہے۔ آج تم انہیں ہڈی ڈال رہے ہو کل یہ ہمارے سر پر کھڑے ہو کر غرائیں گے۔ حق اور انصاف کی باتیں کریں گے پھر کیسے تم انہیں قابو کرو گے' کبھی سوچا ہے" سید قائم شاہ کی باتوں نے انہیں گنگ کر دیا تھا۔

"لیکن بابا جان! یہ تو ہر انسان کا حق ہے کہ اسے اچھی تعلیم اور بہتر زندگی مل سکے۔ ہم اپنے مفادات کی خاطر کسی دوسرے کا حق کیسے مار سکتے ہیں"۔ وہ کچھ دیر بعد بولنے کے قابل ہوئے تو ان کی آواز درد سے چور چور ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے ہم مان لیتے ہیں کہ تعلیم پر ان لوگوں کا حق ہے تو جائیں خود اپنے لیے کوشش کریں۔ ہماری زمینوں کی آمدنی ان کے حقوق پورے کرنے کے لیے برباد نہیں

کی جا سکتی"۔ سید قائم شاہ نے دوٹوک فیصلہ سنایا۔

"اس آمدنی پر بھی ان کا حق ہے بابا جان! ہم نے یہ سارا روپیہ اپنے مزارعوں کی خون پسینے کی محنت سے کمایا ہے"۔ مطیب شاہ نے اس کی بات پر احتجاج کیا۔

"زیادہ سوشلسٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔ ہمارا تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے۔ کہاں' کیا کرنا ہے ہم تم سے بہتر جانتے ہیں"۔ قائم شاہ کے الفاظ نے مطیب شاہ کو اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"بیٹھو! ابھی ہمیں تم سے ایک اور موضوع پر بات کرنی ہے"۔ قائم شاہ کے حکم پر نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھنا پڑا۔

"سجاد شاہ بہت ناراض واپس آیا ہے شہر سے۔ کہہ رہا تھا تم نے نور العین کو بہت آزادی دے رکھی ہے"۔

"اس کا دماغ فارغ رہ رہ کر بیکار ہو گیا ہے۔ نرمین نے بتایا تھا مجھے کہ اس سے بڑی بحث کر کے گیا ہے لیکن اتنا میں بھی بتا دوں بابا جان کہ نور میری بہن ہے اور اس وقت میرے گھر پر موجود ہونے کے حوالے سے میری سب سے بڑی ذمہ داری بھی۔ اپنی ذمہ داری اور غیرت کے تقاضوں کو نبھانا میں بھی بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ سجاد شاہ کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے اگر آپ اس سلسلے میں مجھ پر اعتماد کریں تو انشاء اللہ بہتری ہی پائیں گے"۔ اپنے غصے کو بہ مشکل دبائے مطیب نے رسان سے قائم شاہ کو جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لیکن خیال رکھنا ہمارے ہاں غیرت کے مسئلے بہت نازک ہوتے ہیں۔ غیرت کے لیے ہم جان دینے اور لینے سے بھی گریز نہیں کرتے" قائم شاہ کی تنبیہہ نے ان کی تکلیف دہ یادوں کو ایک بار پھر کھرچ ڈالا تھا۔

☆☆☆

"تم میرے ساتھ اس طرح کیسے کر سکتی ہو نینسی؟" آج پھر بڑی جدوجہد کے

بعد وہ نینسی کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

''میں تمہیں ہر بات بتا چکی ہوں شاہ! پھر بھی تم مجھ سے یہ سوال پوچھ رہے ہو''۔ نینسی اس سے بے نیازی برتنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں تمہاری لاجک ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تم صرف سنی سنائی باتوں کی وجہ سے مجھ رجیکٹ کر رہی ہو''۔ مطیب شاہ نے احتجاج کیا۔

''سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ میں نے بہت گہرائی میں جا کر ریسرچ کی ہے۔ اتنا سب کچھ جاننے کے بعد بھی میں تمہارے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھوں یہ ممکن نہیں'' نینسی کا لہجہ بے لچک تھا۔

''کیوں ممکن نہیں؟ صرف اس لیے کہ میں فیوڈل بیک گراؤنڈ رکھنے والا بندہ ہوں اور تم سارے فیوڈلز کو ایک نظر سے دیکھتی ہو۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنا پڑھنے لکھنے کے بعد بھی ان ہی لوگوں جیسا ہوں گا''۔ وہ چیخ پڑا تھا۔

''تعلیم تم لوگوں کا صرف ظاہر سنوارتی ہے۔ اوپر اوپر سے چمکتے دکھائی دیتے ہو لیکن اندر سے وہی رہتے ہو دقیانوسی' تنگ نظر اور یہ مت سمجھنا کہ میں یہ سب بغیر کسی بنیاد کے کہہ رہی ہوں تمہارے بڑے بڑے قبیلوں کے سرداروں کے بیان ریکارڈ ہیں میرے پاس اور یہ کوئی ان پڑھ جاہل سردار نہیں ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ تمہارے ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار کہتا ہے۔ کاروکاری کوئی انوکھی چیز نہیں ہے یہ ہمارے لیے اچھے رسم و رواج ہیں ہم اس سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور یقیناً تم جانتے ہو گے کہ یہ سردار کتنا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین و فطین شخص ہے لیکن عورتوں پر ظلم کرنے کے لیے اپنی فرسودہ رسموں سے جڑا بیٹھا ہے۔ اس شخص کا تعلیم نے کیا بگاڑا ہے جو میں امید کروں کہ تمہیں تعلیم نے بدل دیا ہوگا''۔ نینسی کی بات پر مطیب شاہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''آخر تمہارے سر پر یہ رسم کاروکاری کیوں سوار ہو کر رہ گئی ہے۔ تم اس مسئلے کو ایسے لیتی ہو جیسے ہمارے ہاں کی ہر عورت کاری کر دی جاتی ہو۔ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ

ہمارے ہاں یہ رسم رائج ہے لیکن ہر عورت کا تو مقدر نہیں اور تمہیں آخر کیا لینا دینا ہے اس رسم سے۔ تم کون سی بری عورت ہو جو اس رسم سے گھبرا رہی ہو''۔ مطیب شاہ نے کہا۔

''وہ جو اس رسم کی وجہ سے ماری گئیں ان میں سے بھی اکثر بری نہیں تھیں۔ انہیں بھی تمہارے ہاں کے مردوں نے اپنی اغراض کے حصول کے لیے استعمال کیا تھا۔ میں صرف کاروکاری کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ تمہارے ہاں ''سوارہ'' کی بھی رسم ہے۔ وٹے سٹے کا بھی رواج ہے اگر میں خود شکار ہونے سے بچ گئی تو میری بیٹی کسی رسم کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور شاہ! میں ایسا نہیں چاہتی۔ اگر عدم تحفظ کے احساس کے ساتھ ہی جینا ہے تو یہ معاشرہ بھی کچھ برا نہیں۔ یہاں رہ کر کم از کم عورت اپنے حقوق کے لیے ہاتھ پیر تو چلا سکتی ہے۔ تمہارے ہاں تو اس کا بھی اختیار نہیں''۔ مطیب شاہ کی ہر بات کے جواب میں نینسی کے پاس دلیل موجود تھی۔ مطیب بے بس سا ہو چلا۔ بدگمانیوں اور وہموں میں گھری نینسی کو آخر کس طرح یقین دلاتا وہ۔

''میں تمہاری خاطر ہمیشہ یہیں رہ جاؤں گا''۔ اس کا دل چاہا ایسا کوئی دعویٰ کرے لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی اپنے آپ اور اپنے وطن سے کچھ کمٹمنٹس تھیں جو اسے ہر صورت نبھانی تھیں۔

☆☆☆

''یس کم ان'' دروازے پر ہونے والی دستک کے جواب میں مطیب شاہ نے بہ آواز بلند جواب دیا۔

''السلام علیکم شاہ جی!'' شرماتی جھجکتی صغریٰ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

''وعلیکم السلام' آؤ بھئی صغریٰ! کیا حال چال ہے تمہارا''۔ مطیب نے پوچھا۔

''جی اللہ سائیں کا کرم ہے''۔ صغریٰ نے جواب دیا۔

''نور بہت یاد کرتی ہے تمہیں۔ کہتی ہے صغریٰ جیسی بات کسی اور میں نہیں''۔ مطیب شاہ نے کہا تو صغریٰ کی آنکھوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر پھر ذرا سا منہ بنا کر بولی۔

"یاد کرتی ہے تو ملنے کیوں نہیں آئی۔ اتنے دن ہو گئے اسے حویلی آئے۔"

"تمہیں تو پتا ہی ہے کہ اس کی پڑھائی کتنی سخت ہے لیکن پھر بھی میں اس تک تمہارا پیغام پہنچا دوں گا"۔ مطیب شاہ کے لب صغریٰ کے انداز پر مسکرا اٹھے۔

"آنا تو خیر اب اسے پڑے گا ہی ورنہ پکی والی لڑائی ہو جائے گی میری اس سے" صغریٰ دھونس سے بولی۔

"اچھا' ایسی کیا بات ہے؟" صغریٰ کے تیقن بھرے لہجے پر مطیب شاہ نے پوچھا۔

"بس ہے' آپ بس میرا اتنا کام کر دیں۔ نور تک میرا یہ خط پہنچا دیں"۔ صغریٰ نے جھکی پلکوں کے ساتھ ایک بند لفافہ مطیب کی طرف بڑھایا۔

"یقیناً تم نے اس خط میں نور کو خوب زوردار دھمکیاں دی ہوں گی"۔ مطیب نے لفافہ تھامتے اندازہ لگایا۔

"نہیں' دھمکی تو نہیں دی۔ مجھے پتا ہے یہ خط پڑھ کر وہ خود ہی فوراً آ جائے گی"۔ صغریٰ نے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ مطیب کے اندازے کی تردید کی اور باہر کی طرف دوڑ گئی۔ مطیب اس کے اس انداز کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہے تھے کہ کھلے دروازے سے مہر ناک پکڑے داخل ہوئی۔

"صغریٰ کی بچی بھی آج کل اپنے حواسوں میں نہیں۔ اندھوں کی طرح مجھے ٹکر مار گئی"۔ ناک سہلاتے ہوئے اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔ تم بتاؤ سب خیریت تو ہے"۔ مطیب شاہ نے قدرے تشویش سے پوچھا تو مہر ہنس پڑی۔

"بالکل خیریت ہے۔ اگلے ماہ شادی ہے اس لیے ایسی باؤلی ہو رہی ہے۔ ابھی بھی مجھے ٹکر مار کر پریشان کھڑی معافی مانگ رہی تھی۔ میں نے بھی کہا جانے دو یہی کچھ دن ہوتے ہیں لڑکیوں کے پاس خواب بننے اور خوش رہنے کے۔ آگے تو پھر بے چاریاں مسائل میں گھر کر رہ جاتی ہیں"۔ مہر کا مسکراتا لہجہ یاسیت میں ڈھل گیا تھا۔ مطیب شاہ بے ساختہ نظر چرا گئے۔ غیاث کی دوسری شادی نے مہر کو جو دکھ پہنچایا تھا۔ اس کے لیے وہ مجرم

نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ تھے۔ انہیں دکھ تھا کہ وہ باوجود کوشش کے بھی اپنے سسٹم میں کوئی واضح تبدیلی لانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے اور اس سسٹم میں جکڑے بے بس اور مجبور افراد مسلسل اس کا شکار بن رہے ہیں۔

"آپ کیا سوچنے لگے لالہ؟" مہر اُن کی خاموشی کی وجہ سمجھ کر انہیں اس کیفیت سے باہر لانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کچھ نہیں...... بس بابا جان کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے اصولوں میں کوئی لچک لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے"۔ مطیب گہری سوچ سے نکل کر بولے۔

"کیا بات ہے؟ اماں بتا رہی تھی بابا جان آپ سے کسی بات پر خفا ہیں۔ چاچا سائیں نے ان سے کوئی شکایت کی تھی جس کی وجہ سے ان کا موڈ کافی خراب ہے"۔ مہر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"بس ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ سجاد نے میرے گھر سے لوٹنے کے بعد چاچا سائیں کے کان بھرے اور چاچا سائیں' بابا جان کے پاس شکوہ کرنے پہنچ گئے۔ دوسری طرف میری گاؤں کے اسکول میں دلچسپی بھی انہیں پسند نہیں آ رہی۔ میں تو خود بہت پریشان ہوں کہ اگر بابا جان کا رویہ یہی رہا تو میری اتنے عرصے کی بھاگ دوڑ اور منصوبہ بندی ضائع ہو جائے گی"۔ مطیب شاہ کو بھی جیسے اس وقت کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو ان کی بات سن سکے۔

"آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں لالہ؟" مہر نے ان کی باتوں سے اندازہ لگاتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"کوئی بہت بڑے بڑے کارنامے نہیں۔ بس کچھ چھوٹے چھوٹے منصوبے ہیں گاؤں والوں کی فلاح و بہبود کے لیے۔ جس میں سب سے پہلے تو اسکول کی حالت کو درست کرنا ہے۔ ادھر شہر میں اس بھاگ دوڑ میں لگا ہوں کہ گورنمنٹ ہمارے گاؤں یا اردگرد کے کسی قصبے میں کم از کم انٹرمیڈیٹ کالج کے قیام کے لیے راضی ہو جائے اس

سلسلے میں کافی پیش رفت بھی ہوئی ہے لیکن بابا جان اور ان جیسے دوسرے زمینداروں
سے خطرہ ہے کہ وہ اس کام میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے''۔ مطیب شاہ نے اپنی پریشانی
کی وجوہات بتائیں۔

''آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں لالہ! آج نہیں تو کل آپ کامیاب ہو ہی
جائیں گے۔ آخر آپ بابا جان کی گدی کے وارث ہیں۔ ایک نہ ایک دن اختیار آپ
کے ہاتھ میں بھی آئے گا''۔ مہر نے انہیں تسلی دی۔

''وقت بڑی قیمتی شے ہے مہر! ان منصوبوں کے پورا ہونے میں جتنا زیادہ وقت
لگے گا لوگوں کے ساتھ اتنی ہی زیادتی ہوگی اور ہم چونکہ اس علاقے کے حکمران ہیں اس
لیے ہر شخص پر بیتنے والے اس ظلم کی ذمہ داری ہماری ہوگی۔ ہم ان نبیؐ کے امتی ہیں جن
کے عظیم المرتبت صحابی خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ دجلہ کے کنارے اگر ایک
بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کا حساب عمرؓ سے لیا جائے گا اور یہاں کیا ہو رہا ہے۔
سب جانتے ہیں۔ لوگوں میں بھوک اور افلاس بانٹ کر اپنی تجوریاں بھرنے کی سیاست
اعمال نامے کو کس قدر سیاہ کر رہی ہے۔ کاش بابا جان اور چاچا سائیں اس بات کو سمجھ
سکیں۔ میں یہ سب اپنے آپ سے زیادہ ان دونوں کے لیے کر رہا ہوں کہ شاید اتنے
سالوں میں انہوں نے جو ظلم اپنے لیے کمایا ہے اس کی تلافی ہو سکے''۔ مطیب شاہ کے
لہجے میں دل کی سچائی بول رہی تھی۔

''آپ بہت اچھے ہیں لالہ!'' مہر نے متاثر ہو جانے والے لہجے میں انہیں سراہا۔

''اچھا کہاں ہوں؟ بس کوشش کر رہا ہوں اچھا بننے کی''۔ مطیب شاہ کے ہونٹوں
پر ایک اداس سی مسکراہٹ بکھری۔

''ایک بات میں بھی کہوں لالہ!'' مہر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اجازت
طلب کی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ اپنے علاقے میں ایک اچھا سا اسپتال بھی ضرور بنائیے گا۔ یہ جو حکیم اور
ڈسپنسری کا کمپاؤنڈر ہیں ان کی دوا سے لوگوں کی چھوٹی موٹی بیماریوں کا ہی علاج ہو پاتا

ہے۔ کبھی کوئی بڑا مسئلہ ہو جائے تو شہر کی طرف دوڑنا پڑتا ہے۔ جہاں کا مہنگا علاج
غریبوں کی گردن قرضے کے بوجھ سے جکڑ ڈالتا ہے اور کبھی تو اس دوڑ دھوپ کا بھی فائدہ
نہیں ہو پاتا۔ ساری عمر کے نقصان نصیب میں لکھ دیئے جاتے ہیں'' مہر نے جو گنوایا تھا۔
اس کا دکھ آج بھی اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔ مطیب شاہ کے سینے میں اپنی بہن کی
تکلیف کا سوچ کر ایک ہوک سی اٹھی۔

''تم فکر نہ کرو مہر! میں کچھ بھی بھولا نہیں ہوں۔ اسپتال کا نقشہ تیار ہے کچھ ہی
عرصے میں تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔ تم دیکھنا جب تک اپنی نور ڈاکٹر بنے گی۔ یہاں
ایک ٹھیک ٹھاک اسپتال تیار ہو چکا ہوگا''۔ وہ بے ساختہ ہی اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے
ہوئے بولے۔

''مگر بابا جان......؟'' مہر کو ایک وسوسے نے ستایا۔

''ان کی تم فکر نہ کرو۔ اب میں انہیں اس طرح سے سمجھاؤں گا کہ وہ راضی ہوئے
بغیر رہ نہیں سکیں گے''۔ مطیب شاہ نے بہن کو تسلی دی۔

''اللہ آپ کو کامیاب کرے''۔ مہر نے دعا دی جواباً مطیب شاہ نے کچھ کہنے کے
لیے لب کھولے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دوسری
طرف زمین شاہ انہیں جو اطلاع دے رہی تھی وہ ان کے لیے بے حد شاکنگ تھی۔ اب وہ
ایک پل کے لیے بھی مزید حویلی میں نہیں رک سکتے تھے۔

☆☆☆

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو صباحت!'' معیز احمد جھنجھلا کر بولے۔

''بات کو آپ نہیں سمجھ رہے معیز! آخر میں کیسے آپ کو سمجھاؤں کہ میرے لیے یہ
سب قبول کرنا بہت مشکل ہے اور چلیں میں مان بھی لوں تو عالیہ کو کیسے سمجھاؤں۔ ایک
عرصے سے میں اس سے حبہ کے لیے کہہ رہی ہوں۔ حبہ کے کتنے ہی اچھے اچھے رشتے وہ
صرف احمر کی خاطر لوٹا چکی ہے۔ اب اگر میں عین وقت پر مکر جاؤں تو کیا وہ مجھے معاف

کر دے گی۔ آپ کے بیٹے کی فرمائش پوری کرنے میں میری اکلوتی بہن میرے ہاتھ سے چلی جائے گی''۔ صباحت کسی صورت راضی نہیں تھیں۔

''ایک تو مجھے تم عورتوں کی لاجک سمجھ نہیں آتی۔ جہاں کوئی لڑکی پسند آئی فٹ سے اسے اپنی بہو منتخب کر لیا۔ یہ تک سوچنے کی زحمت نہیں کرتیں کہ اس لڑکی کو صرف تمہاری بہو نہیں بنا بیٹے کی بیوی بھی بننا ہے۔ بہو ناپسندیدہ آ جائے تو بھی گزارہ ہو سکتا ہے لیکن بیوی کے معاملے میں انسان کیسے کمپرومائز کرے۔ ساری زندگی کا ساتھ اور دل کی رضا کے بغیر...... کیا اس طرح زندگی عذاب نہیں بن جائے گی''۔ معیز احمد کچھ جھنجلائے کچھ انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''لیکن آپ یہ بھی تو بتائیں کہ آخر حبہ میں برائی کیا ہے جو احمر اس کے لیے راضی نہیں ہو رہا ہے۔ خوبصورت، ویل آف، ویل ایجوکیٹڈ کسی اینگل سے بھی دیکھیں تو وہ ایک پرفیکٹ لڑکی ہے اور سب سے بڑھ کر میری بھانجی ہے''۔ صباحت کے پاس بھی بڑے دلائل تھے حبہ کے حق میں۔

''اصل بات ہی یہ ہے کہ وہ تمہاری بھانجی ہے جو تم اسے اتنی اہمیت دے رہی ہو ورنہ دنیا کی کون سی ماں ایسی ہوگی جسے اپنی اولاد کی خوشی عزیز نہ ہو''۔ معیز احمد نے طعنہ دیا۔

''آپ جو بھی سمجھیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس گھر کے لیے حبہ سے بہتر کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی۔ وہ زمیندارنی جس کے پیچھے آپ کا بیٹا دیوانہ ہو رہا ہے ہرگز بھی ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔ بے شک پیسہ اور خوبصورتی ہے اس کے پاس لیکن اس سوسائٹی میں موو کرنے کے مینرز نہیں آتے۔ اسے مدحت کی انگیجمنٹ والے دن دیکھا نہیں تھا کیسے چار گز کا دوپٹا سر پر لپیٹے ملانیوں کی طرح بیٹھی تھی۔ اگر احمر نے اس سے شادی کر لی تو کیسے اس پینڈو پروڈکشن کو اپنے سرکل میں انٹروڈیوس کروائے گا۔ وہ تو اس کا ساتھ ہی نہیں دے سکے گی پھر آپ کے بیٹے کو شکایت ہو گی کہ بیوی ہم مزاج نہیں ملی۔ ابھی جو صورت شکل دیکھ کر عشق کا بخار چڑھا ہے۔ حرکتیں دیکھ کر دو دن میں اتر جائے گا''۔ وہ کسی طرح ہار ماننے کو تیار نہیں تھیں۔

''اس کا انداز اس کے ماحول کی دین ہے۔ ہمارے ماحول میں آئے گی تو اس کے مطابق ایڈجسٹ کر لے گی۔ پڑھی لکھی شہر میں رہنے والی لڑکی ہے۔ یہاں کے سارے طور طریقے جانتی ہو گی ہو سکتا ہے اپنانا بھی چاہتی ہو لیکن اپنے بزرگوں کی سختی کی وجہ سے مجبور ہو''۔ معیز احمد ہر حال میں بیوی کو قائل کر لینا چاہتے تھے۔

''آپ ان زمینداروں کو نہیں جانتے معیز! ان کے ہزاروں مسئلے اور دشمنیاں ہوتی ہیں۔ میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ایسے سخت گیر لوگوں میں نہیں پھنسا سکتی''۔ صباحت کے ہاتھوں ایک اور پوائنٹ آ گیا۔

''اور میں احمر کی پسند کے علاوہ سب سے زیادہ زور دے ہی اس لیے رہا ہوں''۔ معیز احمد بیوی کے قریب بیٹھے سرگوشی میں بولے۔

''کیا مطلب؟'' صباحت ان کے انداز پر چونکیں۔

''نور العین کا بیک گراؤنڈ بہت مضبوط ہے۔ اس کے باپ اور چچا صرف زمیندار ہی نہیں بلکہ بڑے اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ ہیں۔ سوچو اگر احمر کی شادی نور العین سے ہو گئی تو کیا کیا آسانیاں نہیں ملیں گی ہمیں۔ بڑے بڑے کانٹریکٹس چٹکی بجاتے ہماری کمپنی کو مل جایا کریں گے۔ ساتھ وہ اپنے باپ کی جائیداد میں سے حصہ لائے گی وہ الگ''۔ معیز احمد انہیں تصویر کا جو رخ دکھا رہے تھے وہ قابلِ غور تھا۔

''لیکن معیز ان سیاست دانوں کی دشمنیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ خدانخواستہ ہمارا بیٹا ان کی کسی دشمنی کی زد میں آ گیا تو......؟''۔ ایک ڈر بہرحال اب بھی ان کے دل میں باقی تھا۔

''چھوڑو بھی، چند ایک کے سوا آج تک کون سا بڑا سیاستدان ان دشمنیوں میں مارا گیا۔ باڈی گارڈز کی پوری فوج لے کر چلتے ہیں یہ لوگ اپنے ساتھ...... کوئی ان پر حملہ کرے بھی تو ایک آدھ گارڈ کی موت سے بلا ٹل جاتی ہے۔ اسی نوے سال کی عمر تک آسانی سے جی جاتے ہیں یہ لوگ۔ ان سے برا حال تو ہمارا ہے۔ دن رات کی محنت اور بھاگ دوڑ سے روپیہ کماتے ہیں اور اس پر بھی انکم ٹیکس والے اور نہ جانے کون کون دانت

لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان سے بچاؤ تو آج کل ایک نئی وبا چل پڑی ہے مل اونرز یا ان کی اولادوں کو تاوان کے لیے اغوا کر لیتے ہیں۔ مطالبہ نہ مانو تو جان سے جاؤ اور مان لو تو اپنی ساری پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ کم از کم ان وڈیروں اور چودھریوں کا اثر و رسوخ اور دبدبہ تو ہوتا ہے۔ کوئی ڈاکو یا بلیک میلر ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر پاتا"۔

انہوں نے دیکھا کہ صباحت اب قدرے اطمینان سے ان کی بات سن رہی ہیں تو بات کو مزید آگے بڑھایا۔

"میں تو سوچ رہا ہوں' آگے احمر کو بھی سیاست میں لے آؤں گا پھر دیکھنا تم کہ آج جو ہم صرف بزنس کمیونٹی میں فٹس ہیں کیسے نیوز پیپرز کے فرنٹ پیج پر آتے ہیں"۔

معیز احمد صباحت کو اونچے اونچے خوابوں کے ساتھ بلندیوں پر اڑاتے لے جا رہے تھے۔ ان خوابوں کے سنگ اڑتی صباحت معیز اپنی پیاری بھانجی اور بہن کو فراموش کر چکی تھی۔ اگر وہ دونوں کہیں تھیں بھی تو اتنی پستی میں کہ جہاں تک صباحت کی نظریں پہنچ ہی نہیں پا رہی تھیں۔

☆☆☆

"عمر!......" مطیب شاہ نے گم سم سے بیٹھے' عمر احسان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا جواباً عمر نے پلکیں اٹھا کر خاموش نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ مطیب شاہ نے دیکھا اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی ہیں۔ انہیں اپنے دل میں ایک گہری تکلیف محسوس ہوئی۔

"کل سے تم سوئے نہیں ہو' اندر جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو"۔ مطیب نے اسے مشورہ دیا تو وہ ارد گرد بیٹھے تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں کو دیکھنے لگا۔

"آنے جانے والوں کو میں دیکھ لوں گا' تم لوگوں کی فکر کرنے کے بجائے میرے مشورے پر عمل کرو"۔ مطیب نے اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا تو وہاں موجود ایک بزرگ بھی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"تمہارے دوست ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا! تم کل سے یونہی بیٹھے ہو۔ اس طرح تو تمہاری اپنی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ جاؤ جا کر آرام کرو' آگے بھی تمہیں بہت دن تک مہلت نہیں ملے گی"۔

"بالکل عمر! انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں' تمہیں آرام کی ضرورت ہے"۔ عمر احسان کے ایک کزن نے بھی زور دیا اور پھر تو جیسے ہر ایک ہی اسے وہاں سے اٹھانے پر مصر ہو گیا۔ ناچار عمر احسان کو اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا۔ دھیمے قدموں سے چلتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو مطیب شاہ اس کے ساتھ تھے۔

"حوصلے سے کام لو عمر!" کمرے میں پہنچ کر وہ گر جانے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھا تو مطیب نے اسے سمجھایا۔

"موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو کہ اللہ نے جس کے نصیب میں جتنی زندگی لکھی ہے وہ اس سے بڑھ کر ایک سانس بھی اس دنیا میں نہیں لے سکتا۔ موت حکم ربی ہے اور رب کے فیصلوں پر سر جھکانا ہمارا اولین فرض۔ تمہارے ابا نے تمہاری تربیت جن خطوط پر کی ہے' اگر آج تم نے صبر سے کام نہ لیا تو اس تربیت پر حرف آئے گا"۔

"میں جانتا ہوں" عمر احسان نے سر جھکا کر آنکھوں میں آنے والی نمی کو چھپایا اور ایک لمحے کا توقف کرتے جیسے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میں جانتا ہوں کہ ابا کا وقت اس دنیا میں پورا ہو گیا تھا۔ انہیں مقررہ وقت پر اس دنیا سے جانا ہی تھا لیکن کیا ضروری تھا کہ وہ اپنی ناتمام خواہشات کے ساتھ ہی رخصت ہوتے۔ اللہ مجھے اتنی مہلت تو دے دیتا کہ میں ابا سے کیا وعدہ پورا کر پاتا۔ جب یہ سوچتا ہوں کہ وہ میری ذات سے کوئی خوشی حاصل کیے بغیر ہی چلے گئے تو خود سے عجیب سی نفرت محسوس ہوتی ہے"۔ اس بار وہ اپنی آواز کو بھرانے سے نہیں روک سکتا تھا۔

"تم غلط سوچتے ہو کہ تمہارے ابا کو تمہاری ذات سے کوئی خوشی نہیں ملی"۔ مطیب اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''گاؤں جانے سے پہلے میں ان سے مل کر گیا تھا۔ میری ان سے بہت دیر تک گفتگو ہوئی تھی۔ وہ سارا وقت تمہاری باتیں کرتے رہے تھے۔ تم نے کب پہلا قدم اٹھایا' پہلا لفظ کیا کہا۔ کس کس کلاس میں تمہاری کون سی پوزیشن آئی۔ تم نے کن کن غیر نصابی سرگرمیوں میں انعامات جیتے انہیں سب کچھ ازبر تھا اور یہ سب بتاتے ہوئے ان کی آنکھوں اور لہجے میں جو خوشی تھی وہ اس بات کی گواہ تھی کہ انہوں نے زندگی میں ہر لحہ تمہاری ذات سے خوشیاں ہی کشید کی ہیں۔ وہ تم ہی تھے جس کے سہارے وہ اپنی شریکِ حیات کے بچھڑ جانے کا غم بھی سہہ گئے۔ تمہارا اٹھنا' بیٹھنا' چلنا' پھرنا' پڑھنا' پڑھانا سب ان کے لیے باعثِ خوشی تھا۔ ایسے میں اگر ان کی تمہارے حوالے سے کوئی خواہش تشنہ کام رہ بھی گئی تو اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی۔ اللہ تمہاری ذات سے ان کی خواہش کی تکمیل سے بھی بڑا کوئی کام لینا چاہتا ہوگا۔ وہ کام کیا ہوگا اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرے گا لیکن اس بات کی میں تمہیں یقین دہانی کروا سکتا ہوں کہ تمہارے ابا' اپنے دل میں تمہاری طرف سے کوئی خفگی لے کر اس دنیا سے نہیں گئے۔ وہ تم سے بہت خوش تھے عمر! ان کے لبوں پر تمہارے لیے دعائیں ہی تھیں''۔ مطیب شاہ جو کچھ کہہ رہے تھے ان کا لفظ لفظ عمر احسان کے دل کو پگھلا رہا تھا۔ آنسو نہ چاہتے ہوئے بھی روانی سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''بس' اب کچھ بھی الٹا سیدھا سوچ کر خود کو ہلکان کرنے کی کوشش مت کرنا۔ اگر کوئی خیال پریشان بھی کرے تو اتنا سوچ لینا کہ ماں باپ کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جو دل میں شکوہ رکھتے ہیں۔ اولاد چاہے نافرمان اور گستاخ بھی ہو تو والدین کا دل اس کے لیے کشادہ ہی رہتا ہے پھر تم جیسے ہونہار بیٹے کے لیے تمہارے ابا کے دل میں کوئی ناراضی کیسے رہے گی''۔ مطیب شاہ نے سائیڈ میں رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

''تھینک یو سر!'' عمر احسان نے دو گھونٹ پانی پی کر ان کی طرف تشکرانہ انداز میں دیکھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے یہ سر وَر کہہ کر بلانا چھوڑ دو۔ تمہارے لیے میرے دل میں جو محبت ہے اس کے سامنے یہ لفظ بہت اجنبی لگتا ہے۔ میں تمہارے لیے اپنے اندر بالکل وہی محبت محسوس کرتا ہوں جو اگر میرا کوئی چھوٹا بھائی ہوتا تو میں اس کے لیے محسوس کرتا۔ اگر تمہارے دل میں میری اس محبت کی قدر ہے تو آج سے تم مجھے اپنے بڑے بھائی کا درجہ دے کر مجھے بھائی ہی پکارا کرو اور دوسری بات یہ کہ شکریہ غیروں کا ادا کیا جاتا ہے اگر اپنوں کا شکریہ ادا کیا جائے تو ان کے جذبات کی توہین ہوتی ہے''۔ مطیب بہت اپنائیت سے عمر احسان سے بات کر رہے تھے۔

''میں آئندہ کبھی آپ کے جذبات کی توہین کرنے کی غلطی نہیں کروں گا مطیب بھائی''۔ عمر احسان نے یقین دہانی کروائی تو مطیب نے بے ساختہ ہی اسے گلے لگا لیا۔

''اچھا' اب تم آرام کرو۔ میں باہر دیکھتا ہوں''۔ جذبات کا طوفان تھما تو مطیب اس کے شانے پر تھپکی دیتے باہر چلے گئے۔ عمر احسان ان کے جانے کے بعد کچھ دیر بیٹھا دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر حسبِ ہدایت تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ بند پلکوں کے پیچھے ابا کھڑے مسکرا رہے تھے۔

''ابا ڈر تو نہیں لگ رہا؟'' ابا کو آپریشن تھیٹر میں لے جانے سے پہلے اس نے ان سے پوچھا تھا۔

''بالکل نہیں۔ بس اچانک ہی میرے دل سے ہر خوف نکل گیا ہے''۔ جواباً بہت اطمینان سے بولے تھے۔

''وہ کیسے......؟'' عمر احسان حیران ہوا تھا۔

''بس میں نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے رب! میں تیری دی ہوئی ہر تکلیف کو تیری طرف سے آزمائش جان کر صبر سے کام لیتا رہوں گا اور اگر تو نے اس تکلیف سے میری موت لکھی ہے تو بھی تیری رضا میں راضی ہوں۔ تو نے مجھے اتنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے کہ میرے لیے جواب میں تیرا شکر ادا کرنا بھی ممکن نہیں۔ تیرے احسانات تلے دبا تیرا یہ گناہ گار بندہ تجھ سے آج بھی ایک احسان کا طالب ہے۔ میں رہوں نہ رہوں' میرے

بیٹے کو خوش رکھنا''۔ ابا کے آخری الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ بے اختیار ہی اس کی بند آنکھوں کے گوشوں سے چند گرم گرم قطرے پھسل کر اس کی کنپٹی پر بہنے لگے۔

''عمر!......اوں ہوں'' اچانک ابا کی تنبیہہ کرتی رعب دار آواز اس کے تصور کے پردے پر لہرائی تو اس نے کسی معصوم بچے کی طرح جلدی سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اپنے بہتے آنسو پونچھ ڈالے۔

☆☆☆

''دو دن سے کالج کیوں نہیں آرہی تھیں؟'' وہ جیسے ہی کالج پہنچی رفعت لپک کر اس کے پاس آئی۔

''بس یار!'' نورالعین بجھے بجھے لہجے میں کہہ کر اس کے ساتھ گھاس کے ایک قطعے کی طرف بڑھ گئی۔

''کوئی بات ہوئی ہے نورا!'' رفعت نے اس کا انداز نوٹ کرتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''تمہیں یاد ہے رفعت! اس دن میں کسی کو دیکھنے اسپتال گئی تھی''۔ نورالعین اپنا بیگ نیچے گھاس پر رکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

''ہاں' ہاں وہی نا جو تمہارے لالہ کے کولیگ کے فادر تھے'' رفعت نے فوراً ہی کہا۔

''ہاں' وہی۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے''۔ رفعت کو اطلاع دیتے ہوئے نورالعین کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''اوہ' ویری سیڈ۔ شاید تم اسی وجہ سے کالج نہیں آرہی تھیں''۔ رفعت نے افسوس سے کہتے ہوئے اندازہ لگایا۔

''ہاں' ان کے گھر میں کوئی خاتون نہیں تھیں' اس لیے لالہ صبح سے شام تک مجھے اور بھابی کو وہاں لے جاتے تھے تاکہ افسوس کے لیے آنے والی خواتین کو اٹینڈ کیا جا سکے''۔ نورالعین کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''شاید تمہاری ان صاحب سے اچھی خاصی اٹیچمنٹ تھی؟'' نورالعین کی حالت دیکھتے ہوئے رفعت نے پوچھا۔

''میں ان سے زندگی میں پہلی اور آخری بار اس دن اسپتال میں ہی ملی تھی''۔ نورالعین نے انکشاف کیا تو رفعت حیرت زدہ رہ گئی۔

''صرف ایک بار کے ملاقاتی کے لیے اتنا دکھ نورا!''

''ہاں بس' پتا نہیں کیا بات ہے۔ ان سے ہونے والی ایک ملاقات میرے ذہن سے نکل نہیں پا رہی۔ وہ اتنے پیار سے ملے تھے مجھ سے جیسے ہمیشہ سے مجھے جانتے ہوں۔ ان کے لہجے میں چھپی وہ محبت میں آج بھی اپنے دل میں محسوس کر سکتی ہوں۔ اس چند منٹ کی ملاقات نے میرے دل کو خوشی سے بھر دیا تھا۔ زندگی اور محبت سے بھرپور وہ لہجہ اب کبھی سنائی نہیں دے گا۔ جب بھی یہ بات سوچتی ہوں تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ ملنے آؤں گی لیکن جب میں دوبارہ گئی تو وہ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھ ہی نہیں سکے''۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔

''اصل میں بات یہ ہے کہ تم خود بہت حساس اور محبت سے بھرپور لڑکی ہو اس لیے محبت کو محسوس بھی اسی شدت کے ساتھ کرتی ہو''۔ رفعت نے اس کی ذات کا تجزیہ پیش کیا۔

''حساس ہونا کوئی جرم تو نہیں نا رفعت؟'' نورالعین ٹشو کی مدد سے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں یار! بلکہ مجھے تو تمہارے ہونے والے شوہر کی قسمت پر رشک آ رہا ہے۔ جب تم ایک اجنبی کی محبت کو اتنی شدت سے محسوس کرتی ہو تو اس کی محبت کی کتنی قدر کرو گی۔ اسے تو تمہارا یہ انداز تم سے باندھ کر رکھ دے گا''۔ رفعت اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ اس جملے نے نورالعین کی اذیت کو کس درجے بڑھا ڈالا ہے۔ اپنے دل کا وہ زخم جسے وہ فی الحال بھولے ہی رہنا چاہتی تھی۔ یکدم ہی بہت شدید ٹیسیں دینے لگا تھا۔

''چلو کلاس میں چلتے ہیں۔ سر اشفاق کا لیکچر شروع ہونے والا ہوگا''۔ اپنی ہی

کیفیت سے گھبرا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ زندگی اس کے ساتھ چاہے جو بھی سلوک کرتی وہ اپنے مقصدِ زندگی کو بھولنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

''گاؤں کب تک جانے کا ارادہ ہے تمہارا۔ صغریٰ کی شادی کی تقریبات شروع ہونے ہی والی ہوں گی''۔ نرمین شاہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''پرسوں میرا ایک ٹیسٹ ہے اس سے فارغ ہو جاؤں پھر کالج سے واپس آتے ہی گاؤں جانے کی تیاری کروں گی۔ آپ لالہ سے کہہ دیجیے گا کہ وہ مجھے بھجوانے کا بندوبست کر دیں۔ اگر میں صغریٰ کی مایوں میں شریک نہیں ہو سکی تو وہ بہت خفا ہو گی''۔

ہاتھ میں پکڑی کتاب سائیڈ پر رکھتے نورالعین نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔

''تھک گئی ہو؟'' نرمین شاہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ہاں تھوڑا سا''۔ وہ مسکرائی۔

''خیال بھی تو نہیں کرتی ہو اپنا' اتنی ٹف پڑھائی ہے لیکن تم نہ تو پراپر غذا لیتی ہو اور نہ ڈھنگ سے آرام کرتی ہو۔ اس طرح تو تم ڈاکٹر بننے سے پہلے خود بیمار لگنے لگو گی اور بڑی اماں مجھ سے شکوہ کریں گی کہ میں نے ان کی بیٹی کا اچھی طرح خیال نہیں رکھا''۔ نرمین شاہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''آپ بیکار میں پریشان ہو رہی ہیں بھابی! میں بالکل ٹھیک ٹھاک' ہٹی کٹی ہوں۔ بس تھکن سے ذرا سا سر میں درد ہو گیا ہے کوئی ٹیبلٹ لوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا''۔

''ٹیبلٹ لینے سے بہتر ہے تم صابرہ سے سر میں تیل کی مالش کروا لو۔ سچ اتنا زبردست مساج کرتی ہے کہ لگتا ہے سارا درد اپنی انگلیوں سے سمیٹ لیا ہو''۔ نرمین شاہ نے اکسایا تو وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔

''چلیں بلا لیں اسے' دیکھتے ہیں اس کی انگلیوں کا جادو''۔

''صرف دیکھو گی نہیں' دعائیں بھی دو گی''۔ نرمین شاہ وثوق سے کہہ کر صابرہ کو آواز دینے لگی۔

''جی بی بی!.....'' صابرہ فوراً ہی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔

''یہ نور بی بی کے سر میں درد ہے۔ ذرا ان کے سر میں تیل ڈال کر مالش تو کر دو''۔ نرمین شاہ نے کہا۔

''اچھا بی بی! میں ابھی تیل کی بوتل لے کر آتی ہوں''۔ صابرہ فوراً ہی باہر کی طرف لپکی۔

''ابھی دیکھنا تم اس کا فن۔ اپنی ڈاکٹری دواؤں کو نہ بھول جاؤ تو کہنا''۔ نرمین شاہ نے ایک بار پھر صابرہ کو سراہا تو نورالعین ہنس کر بولی۔

''بھابی! آپ تو کچھ زیادہ ہی صابرہ کی فین لگتی ہیں''۔

''بھئی آزمودہ نسخہ ہے۔ آج اگر ایم اے کر رہی ہوں تو اس میں جہاں آدھا ہاتھ تمہارے لالہ کا ہے وہیں آدھا ہاتھ صابرہ کا بھی ہے۔ لوگوں کی طرف سے ملنے والے طعنوں سے جو زخم دل پر لگتے ہیں ان کا علاج تمہارے لالہ کے ہاتھوں میں ہے اور ٹینشن سے جو سر درد ہوتا ہے اس کا علاج صابرہ کے ہاتھوں میں ہے''۔ نرمین شاہ نے کہا۔

''یعنی لالہ کی طرح صابرہ بھی آپ کے لیے لازم و ملزوم ہے''۔ نورالعین نے اسے چھیڑا۔

''ہش' پاگل تمہارے لالہ کی طرح تو زندگی میں کسی کی اہمیت ہونا ممکن ہی نہیں۔ وہ ہیں تو میں ہوں اگر وہ میری زندگی میں نہ ہوتے تو میں حویلی کے کسی کمرے میں گھٹ گھٹ کر ایسی زندگی گزار رہی ہوتی جس میں مجھے خود بھی اپنے زندہ ہونے کا یقین نہیں ہوتا اور اگر اس وحشت سے گھبرا کر کبھی چیختی چلاتی تو میری چیخوں کو بھی بی بی جان کی طرح ''دم کیا ہوا پانی'' پلا کر گھونٹ دیا جاتا۔ نشہ آور دوا ملا وہ پانی بی بی جان کی وحشتوں کو کس طرح سلاتا ہو گا جب سوچنے بیٹھتی ہوں تو دل اذیت سے بھر جاتا ہے۔ صرف روایات کی پاسداری کی خاطر بابا اور بڑے بابا جان نے اپنی اکلوتی بہن کو قربان کر ڈالا۔ کیا تھا جو

وہ لوگ انہیں بھی تھوڑا سا جینے کا حق دے دیتے''۔ نرمین شاہ کے چہرے پر گہرا دکھ پھیلا ہوا تھا۔ نورالعین بھی اس دکھ کے زیرِ اثر گم صم سی بیٹھی تھی۔ اندر داخل ہوتی صابرہ کو ماحول میں کسی بڑی تبدیلی کا احساس ہوا تو وہ ٹھٹک کر دروازے کے پاس ہی رک گئی۔

''آ جاؤ صابرہ! جلدی سے بی بی کے سر میں تیل لگا دو پھر انہیں پڑھنا بھی ہوگا''۔ نرمین شاہ نے خود کو سنبھال کر اس سے کہا۔

''نہیں' رہنے دو۔ اب میرا موڈ نہیں رہا۔ تھوڑی دیر آرام کروں گی تو درد ٹھیک ہو جائے گا''۔ نورالعین نے اسے روکا تو وہ پلٹ کر نرمین شاہ کو دیکھنے لگی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ''۔ نرمین شاہ نے اسے حکم دیا اور خود بھی کھڑی ہو گئی۔ نورالعین کے مزاج میں آنے والی اس یک بیک تبدیلی کی وجہ وہ اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔

''اے اللہ اس لڑکی کو حوصلہ دینا ورنہ شاید جو ''دم کیا پانی'' بی بی جان کو اوروں کے ہاتھوں پینا پڑتا تھا وہ خود ہی اپنا مقدر بنا بیٹھے گی''۔ نورالعین کے سپاٹ چہرے پر نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے چپکے سے اپنے دل میں دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

''تھیسس تمہارا مکمل ہو چکا ہے' چاہو تو پی ایچ ڈی کے لیے اپلائی کر دو۔ ساتھ ساتھ ہی یہ کام بھی ہو گیا تو تمہیں بڑی آسانی رہے گی''۔ مطیب نے اپنے سامنے بیٹھے عمر احسان سے کہا وہ آج ابا کے انتقال کے بعد پہلے دن کالج آیا تھا۔

''پی ایچ ڈی تو انشاء اللہ میں ضرور کروں گا لیکن اس کے لیے میرے ذہن میں کچھ اور ہی خیال ہے''۔ عمر نے انہیں جواب دیا۔

''اچھا' وہ کیا؟'' مطیب نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں چاہ رہا تھا کہ پی ایچ ڈی کے لیے......'' عمر احسان کی بات ارشد صاحب کی آمد کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔

''السلام علیکم سر! آیئے تشریف رکھیں''۔ مطیب نے خوش دلی سے انہیں ایک

کرسی پیش کی۔

''وعلیکم السلام۔ نذیر صاحب نے بتایا کہ عمر آیا ہوا ہے تو میں نے کہا چلو چل کر مل لیتا ہوں''۔ انہوں نے بیٹھتے ہوئے اپنی آمد کی وجہ بیان کی۔

''شکریہ سر! ویسے میں خود آنے والا تھا آپ لوگوں کی طرف۔ ابھی چیئرمین صاحب سے بھی سلام دعا کے سوا کوئی بات نہیں ہوئی ہے لیکن کیونکہ کل مطیب بھائی نے فون پر بتایا تھا کہ وہ آج دوپہر اپنے گاؤں جانے والے ہیں اور کالج سے قدرے جلدی چلے جائیں گے اس لیے میں نے سوچا پہلے ان سے ملاقات کر لوں''۔ عمر احسان نے مؤدبانہ وضاحت پیش کی لیکن ارشد صاحب جیسے اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھے۔

''سر! آپ کے لیے چائے منگواؤں؟'' مطیب نے ان سے پوچھا تو وہ چونک سے گئے۔

''نہیں' آج کل ذرا چائے سگریٹ کم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر نے سخت تنبیہہ کی ہے کہ اگر میں نے اپنی ان دونوں عادتوں پر قابو نہ پایا تو جلدی ہی مجھے خطرناک نتائج بھگتنے پڑیں گے''۔ ان کا لہجہ کچھ تھکا تھکا سا تھا۔

''یہ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا' نقصان دہ چیزوں کا عادی بنے رہنا کسی باشعور شخص کو زیب نہیں دیتا''۔ مطیب نے اس کو سراہا۔

''بس دعا کیجیے گا کہ اللہ مجھے استقامت دے۔ ان چیزوں کو چھوڑنا کتنا مشکل ہے۔ یہ تو ان کے عادی افراد ہی جانتے ہیں۔ میں بھی فی الحال مکمل طور پر ترک تو نہیں کر سکا ہوں لیکن کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر مجھے اب کوئی اٹیک ہوا تو ان کے لیے میری زندگی بچانا بہت مشکل ہوگا اور میں ابھی جینا چاہتا ہوں۔ میرے بچے ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ میرے بغیر اس دنیا میں سروائیو کر سکیں''۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہے تھے۔

''آپ فکر نہیں کریں سر! انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ اپنے ارادے کی مضبوطی کو قائم رکھیے گا۔ ویسے بھی جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ کوئی ایسا خاص

مشکل کام نہیں خصوصاً اس شخص کے لیے جو محبت کی خاطر ایسا کر رہا ہو۔ ابھی آپ نے کہا نا کہ آپ اپنے بچوں کی خاطر جینا چاہتے ہیں تو بس جب بھی کبھی سگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھنے لگے تو اپنے بچوں کے چہرے تصور میں لے آیئے گا۔ آپ کو خود احساس ہو جائے گا کہ آپ ان کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر رہے ہیں کیونکہ سگریٹ پی کر اوّل آپ اس روپے میں آگ لگاتے ہیں جو ان کا حق ہے، دوم وہ معصوم جنہوں نے ابھی اس دنیا میں کوئی عادت بد نہیں پالی آپ کی وجہ سے یہ زہر سانسوں کے ساتھ اپنے اندر لے جانے پر مجبور ہیں۔ سوم آپ نے ان کے معصوم دلوں کو مسلسل ایک خوف میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ان کا باپ نہ جانے کب انہیں چھوڑ جائے گا۔ یہ خوف کتنا بھیانک اور تکلیف دہ ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے بس آپ ایک لمحے خود اپنے کسی بچے کو بستر مرگ پر تصور کریں۔ میرا دعویٰ ہے آپ اتنی شدید تکلیف محسوس کریں گے کہ بالکل ویسی ہی تکلیف اپنی اولاد کے دل میں ہونے کا تصور آپ کے رونگٹے کھڑے کر دے گا''۔ عمر احسان کی باتوں میں ایسی کاٹ تھی کہ ارشد صاحب کو جھرجھری آ گئی۔

''چیئرمین صاحب نے کہا تھا کہ پارٹ ون والوں کی فزکس کا سلیبس آپ کے ساتھ ڈسکس کر کے ڈسٹری بیوشن کر لوں۔ آپ تو دو دن سے ایبسنٹ تھے۔ اس لیے میں نے خود ہی اکیلے یہ کام کر لیا ہے۔ آپ ایک نظر دیکھ کر بتا دیں کہ آپ کو کہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ ویسے میں نے آپ کی طبیعت کے پیشِ نظر لیب کی ذمہ داری مکمل طور پر خود لے لی ہے تا کہ آپ کو لیٹ آورز میں رکنا نہ پڑے۔ اس کے علاوہ تھیوری کی ڈسٹری بیوشن ہی رہ جاتی ہے ہمارے درمیان۔ اگر آپ کو میری کی ہوئی ڈسٹری بیوشن پسند آئی تو میں آج ہی چیئرمین صاحب کے پاس جمع کروا دوں گا ورنہ اگر آپ کوئی تبدیلی کرنا چاہ رہے ہیں تو بھی دیکھ لیں''۔ مطیب نے ان کی حالت کے پیشِ نظر یکدم ہی موضوعِ گفتگو بدل کر ایک فائل ان کے آگے رکھی تو وہ اس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئے۔

''اگر میں اس ڈسٹری بیوشن پر بھی اعتراض کروں تو مجھ سے بڑھ کر احسان فراموش کوئی نہیں ہو گا۔ آپ نے تو ایک طرح سے ساری ذمہ داری ہی اپنے شانوں پر

اٹھالی ہے''۔ ارشد صاحب نے پانچ منٹ بعد فائل سے سر اٹھا کر مطیب کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے دلسوزی سے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ارشد صاحب! آپ ہمارے سینئر ہیں۔ آپ کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اسٹوڈنٹس کا نقصان کیے بغیر میں آپ کو جتنی فیور دے سکتا ہوں وہ دینے کی کوشش ضرور کروں گا''۔ مطیب نے انہیں جواب دیا۔

''تھینک یو ویری مچ''۔ ارشد صاحب نے ممنونیت سے شکریہ ادا کیا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''سیکنڈ ایئر والوں کی کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ کی محفل سے رخصت چاہتا ہوں''۔ مطیب شاہ اور عمر احسان نے نوٹ کیا۔ یہاں آتے وقت ان کے وجود پر جو تھکن اور اداسی چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اس کی شدت قدرے کم ہو گئی تھی۔

''ڈھائی سال پہلے جب میں نے یہ کالج جوائن کیا تھا تو مجھے ارشد صاحب کی حرکتوں پہ شدید غصہ آتا تھا لیکن آج ان کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ بے چارے وقت سے پہلے بوڑھے لگنے لگے ہیں۔ سچ ہے موت سے زیادہ موت کا ڈر انسان کو مار دیتا ہے''۔ عمر نے ان کے جانے کے بعد تبصرہ کیا تو مطیب شاہ بولے۔

''ٹھیک کہتے ہو۔ میری رائے بھی ان کے بارے میں اچھی نہیں تھی لیکن اب ان میں تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ یہ تبدیلی ان کے اندر مستقل کیفیت میں ڈھل جائے اس لیے میں ان کے ساتھ خصوصی سلوک کر رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے قرآن بینی کی جو عادت پڑی ہے۔ اس سے میں نے کم از کم اتنا ضرور سیکھا ہے کہ اگر ہمیں کسی شخص کو راہِ راست پر لانا ہے تو اس کا موثر ترین ذریعہ صلۂ رحمی اور نرم دلی ہی ہے۔ یہ تو اللہ کا طے کردہ اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپؐ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے''۔ تو پھر مجھے تو نبیؐ کا امتی ہو کر اس اصول کی پیروی کرنی ہی ہو گی''۔ مطیب شاہ کا لہجہ بڑا اثر انگیز تھا۔ عمر احسان بڑی عقیدت سے اس شخص

کی طرف دیکھ رہا تھا۔قرآن جس کی زبان میں ہی نہیں عمل میں بھی اترنے لگا تھا۔

☆☆☆

''تم پورے پانچ دن کے لیے گاؤں جا رہی ہو وہ بھی ڈیورنگ واسیشن!''۔ رفعت' نورالعین کا پروگرام سن کر تعجب سے بولی۔

''جانا تو پڑے گا ورنہ میری خیریت نہیں ہوگی''۔نورالعین نے مجبوری ظاہر کی۔

''کیوں؟ ایسی کیا آفت آپڑی؟'' رفعت نے پوچھا۔

''آفت کوئی نہیں آئی۔ میں بڑی خوشی سے گاؤں جا رہی ہوں تمہیں شاید یاد ہو میں نے گاؤں میں اپنی ایک دوست صغریٰ کا ذکر کیا تھا''۔رفعت نے پوچھا۔

''ہاں' ہاں وہی نا جو تمہارے منشی کی بیٹی ہے''۔رفعت نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہی اصل میں اس کی شادی ہو رہی ہے اور میرا اس کی شادی میں شریک ہونا از حد ضروری ہے ورنہ ہماری دوستی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے''۔نورالعین نے رفعت کے انداز کی تصدیق کرتے ہوئے گاؤں جانے کی وجہ بیان کی۔

''گفٹ کیا دے رہی ہو صغریٰ کو''۔رفعت نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

''لالہ نے گولڈ کا سیٹ دلایا ہے مجھے صغریٰ کو دینے کے لیے وہی دوں گی۔خود لالہ کا اپنی طرف سے کیش دینے کا ارادہ ہے''۔نورالعین نے سادگی سے جواب دیا۔

''اور تم نے خود اپنے لیے شاپنگ کی شادی میں شرکت کے لیے؟''

''ارے میں نے کیا شاپنگ کرنی ہے' گاؤں میں اماں نے ڈھیروں کپڑے جمع کر رکھے ہیں میرے لیے ان میں سے کچھ بھی پہن لوں گی۔ ویسے بھی ہمارے ہاں کوئی تم لوگوں جیسے فنکشنز تھوڑی ہوتے ہیں جن میں ساری خواتین اپنی اپنی جیولری اور ڈریسز کا مقابلہ کرنے کے لیے شرکت کرتی ہیں''۔نورالعین نے بے نیازی سے اسے جواب دیا۔

''خیر' اب گاؤں کی گوریاں بھی اتنی سیدھی سادی نہیں ہوتیں کہ یونہی اٹھ کر کسی

تقریب میں شرکت کرنے پہنچ جائیں''۔رفعت نے قدرے برا مان کر کہا۔

''یہ میں نے کب کہا؟ لیکن پھر بھی یہاں اور وہاں بہت فرق ہے۔ سب سے بڑھ کر تو حالات کا ہی فرق ہے۔ان بیچاریوں کے پاس اتنے وسائل اور اختیارات ہی نہیں ہوتے کہ وہ اپنے دل کی ہر خواہش پوری کرسکیں۔ وہ تو ہمیشہ بس آدھی زندگی ہی جیتی ہیں''۔نورالعین کی آواز میں یاسیت در آئی تھی۔

''اچھا چھوڑو۔ہم بھی بیکار کی باتیں لے کر بیٹھ گئے''۔رفعت نے اس کے مزاج کی تبدیلی کو نوٹ کرتے ہوئے موضوع کو ٹالا اور پوچھنے لگی۔''آج یہاں سے آف کرنے کے بعد لنچ کے لیے کہیں باہر چلیں''۔

''سوری رفعت! میں تو آج یوں بھی جلدی گھر واپس جانے والی ہوں' صرف اناٹومی کے ٹیسٹ کی وجہ سے آگئی تھی۔ ڈرائیور ابھی تھوڑی دیر میں مجھے لینے پہنچنے والا ہوگا۔ دوسرے تمہیں اتنے عرصے میں میرے گھر کے ماحول کا اندازہ ہو جانا چاہیے۔ مجھے اپنی فیملی کی طرف سے یوں آزادانہ ہوٹلنگ کرنے یا کہیں آنے جانے کی پرمیشن نہیں ہے''۔نورالعین کے جواب نے رفعت کے چہرے پر مایوسی طاری کر دی۔

''میں نے تو یہ سب سوچا ہی نہیں۔اس لیے احمر بھائی سے بھی کہہ دیا تھا کہ آج وہ لنچ ہم لوگوں کے ساتھ کریں اب بیچارے لنچ ٹائم میں نہ جانے اپنے کتنے اہم کام چھوڑ کر یہاں آئیں گے''۔وہ متاسف تھے۔

''تمہیں پروگرام سیٹ کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔اب ایسا کرو اپنے بھائی کے ساتھ لنچ کرنے تم خود چلی جاؤ تاکہ ان کا آنا بیکار نہ جائے۔ میں اپنی طرف سے صرف معذرت ہی کرسکتی ہوں کیونکہ اگر مجھے آج جلدی نہ بھی جانا ہوتا تو تمہارے طے کردہ پروگرام میں شریک ہونا میرے لیے کسی طور ممکن نہیں تھا''۔نورالعین بے حد صاف گوئی کا مظاہرہ کر رہی تھی تاکہ مستقبل میں بھی رفعت اس کے سامنے ایسی کسی خواہش کا اظہار نہ کرے۔یوں بھی ابھی اسے سجاد شاہ کا وہ رویہ بھولا نہیں تھا جو اس نے اسے عمر احسان کے ساتھ دیکھ کر اختیار کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ آئندہ ایسا کوئی اور واقعہ

پیش آنے کی صورت میں صورتِ حال مزید گمبھیر ہوسکتی ہے۔ ابھی جو بابا جان اور چاچا سائیں مطیب شاہ کے سمجھانے بجھانے پر ٹھنڈے ہوگئے ہیں مستقبل میں سجاد شاہ کی مزید کسی شکایت پر بھڑک بھی سکتے ہیں اور ان کے غصے کی انتہا اس کا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے پر ہی ہوتی اور بہر حال نورالعین ایسا کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی۔

☆☆☆

''سوری بھائی!'' احمر معیز کی خود پر جمی سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے رفعت نے شرمندگی سے کہا۔

''کیوں نہیں آئی وہ؟'' احمر کے انداز میں دبا دبا غصہ تھا۔ جس کے لیے اتنے ڈھیروں کام چھوڑ کر آیا تھا اسے سامنے نہ پا کر غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہونا بڑا فطری ردِ عمل تھا۔

''اسے آج اپنے گاؤں جانا تھا اس لیے وہ جلدی گھر چلی گئی''۔ رفعت نے بتایا۔

''تو تم مجھے انفارم کر دیتیں۔ کم از کم میرا وقت تو ضائع نہیں ہوتا''۔ احمر جس لہجے میں بات کر رہا تھا وہ اس کے مزاج کا حصہ قطعی نہیں تھا لیکن نورالعین کو نہ پا کر جو مایوسی ہوئی تھی وہ کسی نہ کسی صورت تو سامنے آنی ہی تھی۔

''میں بہت دیر سے آپ کے موبائل پر ٹرائی کر رہی تھی لیکن آپ کا موبائل آف تھا''۔ رفعت نے صفائی پیش کی تو اسے یاد آیا کہ کسی نئے جھنجھٹ میں پھنسنے سے بچنے کے لیے اس نے اپنا موبائل آف کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طے شدہ کاموں کے سوا اسے لنچ ٹائم تک کسی اور مصروفیت کا شکار ہونا پڑے لیکن اب جیسے ساری بھاگ دوڑ اور جدوجہد بیکار چلی گئی تھی۔

''اچھا چلو تم تو بیٹھو گاڑی میں تاکہ میں تمہیں گھر پر ڈراپ کر دوں''۔ اپنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے رفعت سے نرم لہجے میں کہا وہ بیچاری کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے مجرم بنی کھڑی تھی۔

''شکر ہے آپ کو خیال آ گیا ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ مجھے رکشا یا ٹیکسی کر کے خود ہی گھر جانا ہوگا''۔ رفعت نے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بھائی کو بتایا۔

''سوری یار! بس غصے میں یاد ہی نہیں رہا کہ ساتھ لنچ کے لیے جانے کے چکر میں تم اپنی گاڑی تو لے کر ہی نہیں آئی ہو''۔ وہ قدرے شرمندہ ہو کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

''یہ تو بہت خطرناک سچویشن ہے بھائی! آپ کی طرف سے مستقبل کے لیے کچھ اچھے سگنلز نہیں مل رہے''۔ رفعت نے کہا۔

''اچھا' وہ کیسے؟'' احمر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ جس کے نہ ہونے پر آپ کا یہ حال ہوا ہے وہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ آپ تو اس کے سامنے ہمیں بالکل ہی بھلا دیں گے''۔ رفعت بولی۔

''یہ تو ٹھیک ہے''۔ رفعت کی بات پر وہ شرارت سے مسکرایا۔

''کیا...... ؟ اس کا مطلب ہے میں مما کے سامنے آپ کی فیور کرنا چھوڑ دوں۔ آپ کے تو ارادے ہی نیک نہیں ہیں''۔ رفعت نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

''اب تمہاری فیور کی ضرورت رہی بھی نہیں۔ ڈیڈی مما کے سامنے میرا مقدمہ جیت چکے ہیں''۔ احمر اسے چھیڑ رہا تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں' دوسری پارٹی تو میرے ساتھ میں ہے۔ آپ کے خلاف ایسے ایسے دلائل پیش کروں گی کہ وہ آپ کے لیے 'ہاں' کہہ ہی نہیں سکے گی''۔ رفعت کی دھمکی بڑی زوردار تھی۔ احمر نے فوراً بائیں ہاتھ سے اپنا کان پکڑتے ہوئے اس سے معافی مانگی پھر دونوں بہن بھائی ہنس پڑے۔

''ایک بات پوچھوں بھائی؟'' رفعت نے دیکھا کہ اس کا موڈ بحال ہو چکا ہے تو محتاط انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''پوچھو......'' راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی گھماتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''آپ نے نورالعین سے شادی کا فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ تو لیا ہے نا؟ میرا مطلب ہے کہ کہیں بعد میں ایسا نہ ہو کہ آپ کو اپنا فیصلہ غلط لگنے لگے''۔ رفعت

نے کہا۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟'' اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے احمر نے پوچھا۔

''بس...... مجھے لگتا ہے کہ نور اور ہماری فیملی کے ماحول میں بہت زیادہ ڈیفرینس ہے۔ وہ لوگ بہت زیادہ کنزرویٹو ہیں۔ اب آج کی مثال ہی دیکھ لیں۔ نورالعین نے لنچ پر ساتھ چلنے سے انکار کرنے کے بعد مجھ پر واضح کر دیا کہ اگر اسے گاؤں نہ بھی جانا ہوتا تو بھی ہمیں جوائن نہیں کرتی کیونکہ اس کا ماحول اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا تو میں سوچ رہی تھی کہ کہیں یہ ڈیفرینس وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتے ہی نہ جائیں''۔ رفعت نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''تم پریشان مت ہو میں نے یہ ساری باتیں سوچ لی ہیں اور میرا نہیں خیال کہ اس سے کوئی فرق پڑے گا۔ تھوڑا تھوڑا ہم دونوں کمپرومائز کریں گے تو ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ کر ہی لیں گے پھر مجھے اپنی محبت کی طاقت پر بھی یقین ہے۔ میری محبت ہر مسئلے کو حل کر دے گی''۔ وہ بے حد پریقین تھا۔

''اور اگر خدانخواستہ وہاں سے انکار ہو......'' احمر کے چہرے کا رنگ اتنی تیزی سے بدلا کہ رفعت اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی۔

''اس کو جب سے دیکھا ہے' اس کے سوا کچھ نہیں سوچا اور یہ تو ہرگز بھی نہیں سوچا کہ وہ میری نہیں ہو سکے گی''۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ رفعت کا دل سہم سا گیا۔ اس نے پہلی بار اپنے بھائی کے انداز میں کسی چیز کے لیے اتنی شدت دیکھی تھی۔

''اے اللہ! میرے بھائی کے دل کو آباد رکھنا''۔ اس نے چپکے سے دعا مانگی۔

☆☆☆

''ہم بلائیں تو پڑھائی کا بہانہ ہوتا ہے اور اپنی سہیلی کے لیے دیکھو کیسے کھنچی چلی آئی ہے''۔ وہ مطیب شاہ کے ساتھ حویلی پہنچی تو زینت اور مہر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''شکوے بعد میں کر لیجیے گا پہلے مل تو لیں''۔ وہ ہنستی ہوئی زینت آپا کے گلے لگ

گئی تو وہ اسے خود سے چمٹا کر پیار کرنے لگیں۔

''تھوڑا سا پیار ہمارے لیے بھی بچا دیں آپا!'' مہر نے ٹوکا تو زینت نے اسے خود سے الگ کیا۔

''یہ چھوٹی ہے' اس لیے بالکل بچوں جیسی لگتی ہے''۔ زینت نے آنکھوں میں پیار سموتے ہوئے نورالعین کے چہرے کو دیکھا۔

''میں بھی آپ لوگوں کو بہت مس کرتی ہوں''۔ مہر کے گلے لگتے ہی اس نے کہا۔

''بس رہنے دو یہ منہ دیکھے کی باتیں اگر یاد آتی ہوتی تو اتنے اتنے دن بعد اپنی شکل نہ دکھاتیں''۔ مہر نے اسے چھیڑا۔

''آپ جانتی ہیں چھوٹی آپا! میں آپ لوگوں سے اتنی دور کس لیے رہ رہی ہوں ورنہ مجھے بھی اچھا تو نہیں لگتا اپنے گھر اور اپنے لوگوں سے دور رہنا''۔ نورالعین نے سنجیدگی سے بہن کی بات کا جواب دیا۔

''پگلی! ہم تو بس یونہی تمہیں چھیڑ رہے ہیں ورنہ کیا ہم جانتے نہیں ہیں تمہیں''۔ زینت شاہ فوراً اس کی دلجوئی کو آگے بڑھیں۔

''اور کیا آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بلکہ سچ پوچھو تو ہمیں تمہارے شہر جا کر پڑھنے کی اتنی خوشی ہے کہ اپنی زندگی کی محرومیاں بھی کم ہوتی محسوس ہوتی ہیں''۔ مہر نے بھی زینت شاہ کا ساتھ دیا۔

''اماں اور بابا جان سے مل چکی ہو تم؟'' نورالعین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھاتے ہوئے زینت شاہ نے موضوع گفتگو تبدیل کیا۔

''جی بس سلام دعا ہی ہوئی ہے۔ لالہ کو ابا جان سے کوئی ضروری بات چیت کرنی تھی اس لیے میں نے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لالہ کو بابا جان سے ملاقات کے بعد آج ہی شہر واپس بھی جانا ہے''۔ اس نے ان کے سوال کا جواب دیا اور پھر پوچھنے لگی۔ ''آپ لوگوں کے بچے کہاں ہیں؟''

"ہمارے بیٹے صاحب تو اپنے باپ کے ساتھ شکار پر گئے ہوئے ہیں اس لیے تشریف نہیں لائے۔ مہر کی بچیوں کا یہ پڑھائی کا وقت ہے۔ استانی زبیدہ آئی ہوئی ہے انہیں پڑھانے۔" جواب زینت شاہ نے دیا۔

"آپ کے صاحبزادے سارا وقت ان ہی کاموں میں لگے رہتے ہیں یا کچھ پڑھائی وغیرہ کی طرف بھی دھیان ہے ان کا!" نور العین نے بہن سے دریافت کیا۔

"بس سمجھو اب پر کٹنے ہی جا رہے ہیں۔ ایڈمیشن ہو گیا ہے کانوینٹ میں کلاسز شروع ہوتے ہی روانہ کر دیے جائیں گے۔ گنتی کے چند ہی دن رہ گئے ہیں اس لیے باپ نے کہا کہ چلو بچہ تھوڑے دن عیاشی کر لے۔" زینت شاہ نے اسے تسلی دی۔

"شکر ہے معظم بھائی کو اپنے بیٹے کی پڑھائی کا تو خیال ہے ورنہ ادا غیاث نے بچیوں کے ساتھ بے حد زیادتی کر رکھی ہے۔ سرے سے انہیں اسکول ہی نہیں جانے دیتے۔" نور العین نے شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے بہنوئی کے رویے پر افسوس کا بھی اظہار کیا۔

"سارا فرق بیٹے اور بیٹی کا ہے اگر غفران کی جگہ معظم بھائی کی کوئی بیٹی ہوتی تو ان کا رویہ بھی غیاث جیسا ہی ہوتا یہ تو پھر لالہ کا احسان ہے کہ انہوں نے غیاث کو بچیوں کو گھر پر تعلیم دینے کے لیے ہی راضی کر لیا ورنہ وہ تو اس کے بھی قائل نہیں تھے۔ لالہ کے احترام میں انہوں نے اتنی بات بھی مان لی۔ میں تو اسی پر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔" مہر نے افسردگی سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں چھوٹی آپا! آپ کی بیٹیاں انشاء اللہ بہت اچھی تعلیم حاصل کریں گی۔ لالہ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ نے چاہا تو ایک دن کامیاب بھی ہو جائیں گے پھر دیکھیے گا اس گاؤں کے لوگوں خصوصاً عورتوں کی تقدیر کیسے بدلتی ہے۔" نور العین نے بہن کو دلاسا دیا۔

"ہاں بتایا تو تھا لالہ نے کچھ۔ اب دیکھو بابا جان ان کی بات مانتے ہیں یا نہیں۔" مہر کچھ بے یقین سی تھی۔

"انشاء اللہ مان جائیں گے آخر میری تعلیم کے لیے بھی لالہ نے انہیں راضی کر لیا تھا۔" نور العین پر عزم تھی۔

"یہ راضی نامہ کتنی کڑی شرط پر ہوا تھا۔ شاید تم بھول گئیں۔" مہر کے لہجے میں تلخی ابھری۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں بھلا؟" نور العین کا لہجہ دھیما ہو گیا۔

"آخر تم دونوں کس حوالے سے گفتگو کر رہی ہو؟ کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔" بڑے صبر سے ان کی باتیں سنتی زینت شاہ کوئی سرا ہاتھ نہ آنے پر بالآخر جھنجلا کر پوچھ بیٹھیں۔

"لالہ نے گاؤں میں تعلیم، صحت اور روزگار کے معاملات کو بہتر بنانے کے لیے کچھ منصوبہ بندی کی ہے۔ گورنمنٹ کے کئی افسران ان کے اس منصوبے سے متفق ہیں لیکن کیونکہ علاقہ بابا جان کا ہے اس لیے ان کی اجازت کے بغیر کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔ لالہ آج کل بابا جان کو اسی سلسلے میں قائل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔" نور العین نے مختصراً انہیں بتایا۔

"خیال تو اچھا ہے لیکن مشکل ہی ہے کہ بابا جان اس پر راضی ہوں بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے چاچا سائیں، معظم اور غیاث کو بھی اس پر اعتراض ہو گا۔" زینت شاہ نے تشویش کا اظہار کیا۔

"آپ فکر مت کریں معظم بھائی اور ادا غیاث سے تو لالہ نے بالا ہی بالا کچھ بات چیت اور معاہدے کر لیے ہیں۔ اصل معاملہ بابا جان اور چاچا سائیں کا ہے اس کے لیے لالہ بھی بہت پر امید ہیں کہ اللہ نے چاہا تو کامیابی انہی کی ہو گی۔" نور العین مطمئن تھی۔

"اگر یہ بات ہے تو ہمیں تو خوشی ہی ہو گی۔" زینت شاہ نے کہا۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں آپا! شاید اسی طرح خوشی ہمارا نصیب بن جائے ورنہ مجھے تو یہی لگتا ہے کہ ہمارے زیر دست رہنے والے تمام مظلوموں کی آہیں سیدھی ہم سید زادیوں کو ہی آ کر لگتی ہیں جو خوشی ہمارا نصیب ہی نہیں بن پاتی۔" مہر آج کل کرب کے

جس دور سے گزر رہی تھی اس کے لہجے کی آزردگی کو محسوس کر کے اپنی اپنی جگہ چپ سی بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

''تم یہ کن معاملات میں الجھے ہوئے ہو مطیب شاہ! ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر تم خود سے اتنے اہم فیصلے کیسے کر سکتے ہو؟'' کاغذات کا پلندا ایک طرف رکھتے ہوئے قائم شاہ نے غضب ناک لہجے میں پوچھا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں بابا جان! میں آپ کی مرضی کے بغیر کچھ کرنے کی گستاخی کر ہی نہیں سکتا...... آپ اگر میری بات ٹھنڈے دل سے سنیں تو آپ کو میرا ہر عمل درست محسوس ہوگا''۔ وہ نہایت نرمی سے ان کے ساتھ مخاطب تھا کیونکہ آج اس نے اپنا مقدمہ ہر حال میں ان سے جیت کر جانا تھا۔

''کیا سنوں میں تم سے......؟ یہی کہ تم میرے مزارعے اٹھا کر اسکولوں' کالجوں میں بھر دو گے۔ وہ لوگ جو آج جھک جھک کر ہمیں سلام کرتے ہیں کل نظریں ملا کر ہم سے بات کریں گے' عورتیں بے حجاب ہو جائیں گی''۔ وہ اپنی ناراضی کا بھرپور اظہار کر رہے تھے۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ میرا یقین کریں''۔ مطیب شاہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر اندر داخل ہوتے سید امیر شاہ کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔

''السلام علیکم چاچا سائیں''۔ وہ احتراماً اپنی جگہ سے اٹھا۔

''وعلیکم السلام! کیا حال چال ہیں پتر؟ تو تو بالکل شہر کا ہی ہو کر رہ گیا ہے کبھی آ کر گاؤں میں زمینوں کا حساب کتاب بھی دیکھا کر''۔ امیر شاہ نے بھتیجے سے گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کے چہرے کے بگڑے زاویوں کا بھی جائزہ لیا۔

''آپ کا پیغام ملتے ہی سیدھا آ رہا ہوں۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ مطیب شاہ بھی آیا ہوا ہے سب خیر تو ہے نا دا سائیں''۔ بالآخر انہوں نے بھائی سے پوچھ ہی لیا۔

''ہم کیا کہیں' تم اپنے بھتیجے سے ہی سنو بلکہ پہلے یہ سب دیکھ لو''۔ سید قائم شاہ نے کاغذات امیر شاہ کی طرف بڑھائے۔ امیر شاہ کے کاغذات کا جائزہ لینے تک کمرے میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ وہاں اگر کوئی آواز تھی تو صرف کاغذات کے الٹنے جانے کی ہلکی سی آواز۔

''یہ سب کیا ہے پتر؟'' بالآخر امیر شاہ نے کاغذات سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ بدلتے ہوئے وقت کا تقاضا ہے چاچا سائیں!'' وہ جواب کے لیے تیار تھا۔

''مطلب......؟'' امیر شاہ نے حیرت سے دریافت کیا۔

''مطلب یہ کہ اب حالات جس تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں آپ لوگوں کو بھی اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنی پڑے گی۔ آئندہ سالوں میں مریدوں اور مزارعوں کو طاقت اور عقیدت کے بل بوتے پر دبا کر رکھنے والی سیاست نہیں چلے گی۔ گھر گھر ٹی وی پہنچ رہا ہے۔ ڈھیروں چینلز کھل رہے ہیں جہاں سارا وقت عوام کو ان کے حقوق کے بارے میں خبردار کیا جاتا رہتا ہے۔ لوگ اب پہلے کی طرح معصوم اور سیدھے نہیں رہے کہ مرگی کے دورے کو جنون کا سایہ سمجھ کر تعویذ بندھوانے اور دم کروانے کے لیے حویلی کے چکر کاٹتے رہیں۔ نہ اتنے بے شعور رہے ہیں کہ تعلیم کو دماغ خراب کرنے والی چیز سمجھ کر اپنی اولادوں کو اسکول' کالج کا رخ نہ کرنے دیں۔ اب لوگ یہ سوچتے بھی ہیں اور اپنا حق بھی مانگتے ہیں''۔ مطیب شاہ نے کہا۔

''تو کیا ہم خود ساری سہولیات مہیا کر کے ان لوگوں کو اپنے سروں پر چڑھا لیں۔ وہ وقت جو آج سے بیس پچیس سال بعد آنا ہے۔ آئندہ دو تین سال میں لے آئیں؟'' وہ سانس لینے کو ذرا سا رکا تو سید امیر شاہ نے تندی سے پوچھا۔

''نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ آنے والے وقت کے لیے نئی حکمتِ عملی تیار کر لیں۔ آپ لوگوں کے مطالبہ کرنے اور بغاوت کرنے سے پہلے ہر سہولت ان کو مہیا کر دیں تاکہ وہ آپ کے احسان مند ہوں۔ ظلم اور جبر کے بوجھ تلے دبا بندہ احتجاج کر سکتا

ہے۔ احسان تلے دبا ہرگز نہیں جو احسان مند ہوگا وہ آپ کی کوشش کے بغیر خود بخود ہی آپ کے آگے جھکتا چلا جائے گا''۔ وہ ان کے کمزور پہلوؤں سے خوب اچھی طرح واقف تھا سو اسی سمت سے حملہ کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

''بات کچھ کچھ سمجھ تو آ رہی ہے لیکن اگر نتیجہ اس کے خلاف نکلا تو......؟'' امیر شاہ زیادہ ہی اس کی باتوں کے زیرِ اثر آ چکے تھے۔

''آپ مجھ سے لکھوا لیں' نتیجہ اچھا ہی نکلے گا پھر آپ حکومت کے طرزِ عمل کی طرف بھی تو دیکھیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو وہ لوگ خاطر میں نہیں لا رہے اپنے قبیلوں پر راج کرنے والے اور حکومتوں کو اپنی مرضی سے چلانے والے آج کل تنقید کا شکار ہیں اور آپ دیکھ لیں جب بھی ان کے خلاف فردِ جرم سنائی جاتی ہے اس میں سب سے اوپر یہی الزامات ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے زیرِ نگیں افراد کو تعلیم' صحت اور روزگار کے مواقع فراہم نہیں کرتے۔ آپ دیکھیے گا انہی الزامات کو بنیاد بنا کر ایک دن بڑے بڑے طوفان اٹھائے جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ طوفان آنے سے پہلے آپ اپنی تیاری کر لیں تاکہ اپنی جڑوں پر کھڑے رہ سکیں ورنہ قصۂ پارینہ بننے میں تو بادشاہوں کو بھی دیر نہیں لگتی''۔ وہ بہت پرجوش تھا۔

''تم ہمیں بے وقوف بنا کر اپنی بات بنانے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو مطیب شاہ؟'' قائم شاہ اب بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔

''میں ایسی جرأت کیسے کر سکتا ہوں بابا جان! میں تو صرف آپ کو حقائق بتا رہا ہوں بلکہ اگر آپ میری یہی بات پر عمل کرتے ہیں تو دیکھیے گا آپ کی حکومت سے قربت کیسے بڑھتی ہے بلکہ ہم تو اپنے گاؤں میں آنے والی تبدیلیوں کو مثال بنا کر ٹی وی چینلز پر دکھائیں گے پھر دیکھیے گا آپ کی شہرت اور مقبولیت میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ وہ جو وڈیرے سرمد حسین سے چاچا سائیں کی الیکشنز میں کھینچا تانی چلتی ہے اور کبھی وہ کبھی چاچا سائیں کامیاب ہوتے ہیں تو یہ مسئلہ بھی ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا''۔ وہ ہر طرف سے انہیں سبز باغات دکھا کر للچا رہا تھا۔

''دیکھو بھئی مطیب شاہ! میرا اور دادا سائیں کا وقت تو بس اب سمجھ کہ ختم پر ہی ہے آگے تو اور سجاد شاہ ہیں اس زمین جائیداد کے وارث' بڑا ہونے کی وجہ سے گدی نشین تو ہی ہوگا یعنی ایک طرح سے جو تو آج بو رہا ہے وہ کل تو نے ہی کاٹنا ہوگا۔ اس لیے جو بھی کر اپنا سوچ کر کر''۔ سید امیر شاہ نے ایک طرح سے اپنی رضامندی کا عندیہ دیا۔

''آپ فکر نہ کریں چاچا سائیں! میں نے سب کچھ بہت اچھی طرح سوچ لیا ہے''۔ وہ اتنی آسانی سے ان کے قائل ہو جانے پر دل ہی دل میں خوش ہوتا مودبانہ بولا اور پھر سید قائم شاہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ کا کیا فیصلہ ہے بابا جان؟''

''امیر شاہ کی بات ٹھیک ہے کہ تمہیں ہی ایک دن یہ سب کچھ دیکھنا ہے لیکن اصل بات تو یہی ہے کہ تم واپس گاؤں آؤ اور یہ سب سنبھالو''۔ نیم دلی سے رضامندی دیتے ہوئے انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

''اس کی آپ فکر ہی نہیں کریں۔ آئندہ ڈھائی تین سال میں جب تک یہ منصوبے مکمل ہوں گے میں بھی گاؤں لوٹ آؤں گا''۔ اس نے انہیں تسلی دی۔ ویسے اب تک کی گفتگو میں یہی بات سب سے زیادہ سچی تھی کہ وہ گاؤں واپس لوٹنے کا ارادہ پورے خلوصِ دل سے رکھتا تھا۔ باقی چاچا سائیں اور بابا جان کو راضی کرنے کے لیے اس نے جتنے بھی دلائل دیے تھے وہ چاہے حقیقت سے جتنے بھی قریب ہوں اس کی اپنی نیت میں ایسا کوئی کھوٹ نہیں تھا کہ وہ گاؤں والوں کو اپنے احسانات تلے دبا کر ان پر حکمرانی کی خواہش رکھتا ہو۔ یہ سب تو بابا جان اور چاچا سائیں جیسی ذہنی اپروچ رکھنے والوں کو ان کے طریقے سے راضی کرنے کی ایک ترکیب تھی جو قسمت سے کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''اگر تم نہیں آتیں تو میں سخت خفا ہو جاتی تم سے''۔ صغریٰ نے نور العین کے گلے لگتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیسے نہیں آتی میں؟ تمہاری شادی کی سب سے زیادہ خوشی تو مجھ ہی کو ہے"۔ نورالعین نے صغریٰ کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے اس کا مان رکھا۔ زرد گوٹا لگے دوپٹے میں سانولی سلونی صغریٰ کی چھب ہی آج نرالی لگ رہی تھی۔ خوشی کے رنگوں نے اس کے چہرے کو جگمگا ڈالا تھا۔

وہ آخر خوش کیوں نہ ہوتی عزیر احمد جو اس کا سگا ماموں زاد تھا جس کے ساتھ بچپن سے اس کی نسبت طے تھی' ہمیشہ کے لیے اسے ملنے والا تھا۔ نور کو بے ساختہ ہی اپنے نکاح کا دن یاد آیا۔ کیا تھا اس دن اس کے دل میں سوائے درد کے اور وہ جانتی تھی کہ دل کے اس درد نے اس کے چہرے پر کوئی روپ نہ آنے دیا ہوگا۔

"کیا سوچنے لگیں؟" صغریٰ نے اپنے چہرے پر ٹکی اس کی نظروں کا سکوت محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے یہ اتنی ڈھیر ساری خوبصورتی کہاں سے چرائی ہے"۔ صغریٰ کی تھوڑی کو اپنے دائیں ہاتھ سے تھامتے وہ مسکرا کر بولی۔ صغریٰ کے چہرے پر بھی ایک شرمگیں سی مسکراہٹ چھا گئی۔

"اے صغریٰ! بی بی کو بٹھاتی کیوں نہیں۔ تیری مت بالکل ہی ماری گئی ہے کیا؟" صغریٰ کی ماں اس کی دونوں بہنوں کے ساتھ ہاتھوں میں خاطر مدارت کے لوازمات اٹھائے اندر داخل ہوئی تو نور کو ابھی تک کھڑا دیکھ کر صغریٰ پر بگڑنے لگی۔

"ارے خالہ! جانے دیں۔ اب تو یہ بیچاری اس گھر سے رخصت ہونے والی ہے کیا جاتے جاتے بھی اسے ڈانٹتی رہیں گی"۔ صغریٰ کا ہاتھ تھام کر وہ اس کے ساتھ ہی اس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"لڑکی ذات ہے بی بی' رنگ ڈھنگ سدھار کر ہی سسرال روانہ کرو تو ٹھیک ہے ورنہ وہاں اس نے میری ناک کٹوا دینی ہے"۔ اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں کے ساتھ مل کر کھانے پینے کی اشیا لکڑی کی ایک میز پر رکھتے اس نے نورالعین کو جواب دیا۔

"آپ فکر نہیں کریں خالہ! ہماری صغریٰ بہت سمجھدار اور نیک دل لڑکی ہے' دیکھیے

گا دنوں میں سب کے دل اپنی مٹھی میں کرلے گی پھر ویسے بھی یہ کون سا کسی غیر کے گھر جانے والی ہے۔ آپ کے سگے بھائی کا گھر ہے۔ سمجھیں جیسے وہ آپ کا میکا ہے ویسے ہی صغریٰ کا بھی"۔ نورالعین نے صغریٰ کی ماں کو تسلی دی۔

"یہی تو نہیں ہوتا اس دنیا میں۔ سگے ماموں' چاچے کا گھر بھی بیٹی بیاہنے کے بعد غیر ہو جاتا ہے لیکن خیر لڑکیاں بالیاں کہاں سمجھتی ہیں ان باتوں کو۔ آپ یہ لڈو کھائیں"۔ صغریٰ کی ماں نے بات کا رخ ہی بدل دیا۔

"بہت مزے کا ہے خالہ' یقیناً آپ نے خود ہی بنائے ہیں"۔ تھوڑا سا لڈو توڑ کر منہ میں رکھتے ہی نورالعین نے انہیں سراہا۔

"مہربانی بی بی' آپ کو اچھا لگا ورنہ دیسی عام سے لڈو ہیں جو اتنے برس سے ہر خاص موقع پر بناتی ہوں۔ صغریٰ کا ابا تو کہتا ہے' انوری! تجھے کچھ اور بنانا ہی نہیں آتا اس لیے جب دیکھو یہ لڈو بنا کر ہمارے آگے رکھ دیتی ہے"۔ انوری نے سادگی سے کہا۔

"ہائے خالہ جی! یہ تو سچ مچ بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ میں تو صغریٰ سے ہمیشہ فرمائش کر کے آپ کے ہاتھ کے بنے یہ لڈو منگواتی تھی"۔ نورالعین کی پسندیدگی انوری کا خون بڑھا رہی تھی۔ ایسے میں اسے چھوٹی بیٹی کا بار بار شانہ ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنا بہت برا لگا سو جھڑک کر پوچھنے لگی۔

"کیا مصیبت ٹوٹ پڑی ہے تجھ پر جو میرا مونڈھا الگ کرنے پر تلی ہے"۔

"اماں! میری ساری سہیلیاں انتظار میں بیٹھی ہیں"۔ وہ بسوری۔

"ہاں تو بول دے ان سے تھوڑا انتظار کرلیں۔ ابھی تو بی بی آ کر بیٹھی ہیں۔ آتے ہی کیا تیری بے سُری سہیلیوں کے راگ سنا کر ان کے کانوں میں درد کروا دوں"۔ انوری نے بیٹی کو گھرکا۔

"خیریت' کیا مسئلہ ہے؟" نورالعین نے صورتِ حال کو کچھ کچھ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"بس بی بی! دماغ خراب کر رکھا ہے ان دونوں کی سہیلیوں نے روزانہ شام سے

آ کر ڈیرا ڈال لیتی ہیں گانے بجانے کے لیے''۔ انوری نے جواب دیا۔

''تو آپ آج منع کیوں کر رہی ہیں۔ گانے دیں انہیں میں بھی تھوڑی دیر سن لوں گی''۔ نورالعین نے فرمائش کی تو صغریٰ کی دونوں بہنوں کے چہرے پر رونق دوڑ گئی۔

''جا اب بلا لے اپنی سکھیوں کو۔ بغیر گائے تو ان کا کھانا ہضم نہ ہو گا''۔ انوری نے بیٹی سے کہا تو وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی ذرا ہی دیر میں کئی لڑکیاں شرماتی لجاتی اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

''سلام بی بی! ایک ایک کر کے نورالعین کو سلام کرتے ہوئے انہوں نے فرش پر بچھی دری پر بیٹھنا شروع کر دیا۔

''اب کچھ سنا بھی دو بی بی انتظار کر رہی ہیں''۔ لڑکیاں کھسر پھسر کرتی آپس میں صلاح مشورہ کرنے میں مصروف تھیں۔ انوری سے صبر نہ ہوا تو فوراً ہی انہیں ٹوک بیٹھی۔ لڑکیوں کے درمیان بھی شاید اس عرصے میں معاملہ طے ہو گیا تھا۔ درمیان میں بیٹھی لڑکی نے ڈھولک پر تھاپ لگائی اور فضا ''ہو لال میری پت رکھیو'' کی آواز سے گونجنے لگی۔ ڈھول کی تھاپ اور ایک ردھم سے بجتی تالیوں نے سماں سا باندھ دیا تھا۔ نورالعین ٹھوڑی کے نیچے بائیں ہاتھ کی مٹھی ٹکائے اشتیاق سے انہیں گاتا دیکھنے لگی۔ حویلی میں کسی تقریب کے موقع پر اس قسم کی رونق اور گہما گہمی کبھی نہیں لگتی تھی اور گاؤں کے عام گھروں میں ہونے والی تقریبات میں وہ لوگ شرکت نہیں کرتے تھے۔ کسی خاص ملازم کو عزت بخشی بھی ہوتی تو کھڑے کھڑے سرسری طور پر اس کے گھر کی تقریب میں چکر لگا لیا جاتا ایسے میں نورالعین کو زندگی کے یہ رنگ کہاں دکھائی دے سکتے تھے۔ صغریٰ کی شادی میں شرکت تو اس کی صغریٰ سے قربت اور منشی جی کی خدمات کے صلے میں ملنے والی خصوصی رعایت تھی۔ آج مایوں میں بھی اماں نے اسے پابند کر کے بھیجا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جائے گی۔ اماں کی خصوصی ملازمہ رحمت اس کے ساتھ یہاں آئی تھی اور باہر اس کی منتظر بیٹھی تھی۔

''بی بی! حویلی سے گاڑی آ گئی ہے''۔ نورالعین کو رحمت کے آ کر اطلاع دینے پر

وقت گزرنے کا احساس ہوا' دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ حویلی واپس جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''ابھی سے جا رہی ہو ابھی تو ماما کے گھر والے بھی نہیں آئے''۔ صغریٰ نے اسے اٹھتے دیکھ کر احتجاج کیا۔

''تمہیں میری مجبوری کا معلوم تو ہے صغریٰ''۔ نورالعین نے بے بسی سے کہا ورنہ خود اس کی بھی خواہش تھی کہ صغریٰ کی رسم میں شرکت کرتی۔

''پھر کب آؤ گی؟'' صغریٰ نے اس کا مسئلہ سمجھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔

''انشاء اللہ کل جیسے ہی موقع ملے گا چکر لگاؤں گی۔ تمہارا تحفہ بھی رکھا ہے۔ آج میں ساتھ لانا بھول گئی۔ کل آؤں گی تو وہ بھی ساتھ لیتی آؤں گی''۔ نورالعین نے تسلی دیتے ہوئے اسے پیار کیا اور رحمت کے ساتھ باہر نکل گئی۔ کمرے میں موجود تمام لڑکیاں دل ہی دل میں صغریٰ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں جس کو حویلی کے کسی فرد کی طرف سے اتنی عزت حاصل تھی۔

''چھوٹی بی بی اتنا پوچھتی ہیں صغریٰ آپا کو جبھی تو ان کی گاؤں کی کسی اور لڑکی سے دوستی نہیں''۔ دری پر بیٹھی لڑکیوں میں سے ایک نے رشک و حسد سے ملے جذبات کے ساتھ اپنے برابر بیٹھی لڑکی سے سرگوشی کی۔ صغریٰ ان کی سرگوشیوں سے بے خبر نور کے آنے کی خوشی اور مستقبل کے روپہلے خوابوں کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''سنا ہے جان اور نینسی شادی کرنے والے ہیں''۔ رابعہ کی زبان سے نکلے اس جملے نے اسے ایک جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھانے پر مجبور کیا۔ وہ پچھلے پانچ منٹ سے اس کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن مطیب شاہ اس کی موجودگی کو محسوس کر لینے کے باوجود بھی اس سے لاتعلق سا بیٹھا ہوا تھا مگر اب اس کی سماعتوں میں جو کچھ اترا تھا وہ اپنی لاتعلقی کو ہرگز بھی قائم نہیں رکھ سکتا تھا۔

''تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آیا؟'' اپنی بات کا ردِعمل مطیب شاہ کے چہرے پر دیکھ کر وہ طنز سے مسکرائی لیکن مطیب اسے کوئی بھی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''میں نے تو تمہیں بہت پہلے ہی خبردار کر دیا تھا لیکن اس وقت تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا''۔ رابعہ نے ہمدردی کی آڑ میں ایک اور طنز کا تیر برسایا لیکن وہ اب بھی اسے کوئی جواب نہیں دے سکا۔ وہ کیسے اسے بتاتا کہ وہ بات جس کا یقین وہ اسے دلانے کی کوشش کر رہی ہے وہ خود اپنے آپ کو باور نہیں کروا پا رہا حالانکہ نینسی نے کتنا صاف کہا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ایک گھر بنانے کا خواب دیکھنے لگی تھی شاہ! لیکن اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ میں تمہاری حقیقت سمجھ چکی ہوں۔ میں جان گئی ہوں کہ میرا انتخاب غلط تھا''۔

اور مطیب شاہ اس مقام تک لا کر چھوڑے جانے کا شکوہ بھی نہیں کر سکا تھا۔ ''غلط انتخاب'' اپنے لیے یہ الفاظ سننا کتنا تکلیف دہ تجربہ تھا۔ وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ نینسی نے تو بہت آرام سے اسے ''غلط انتخاب'' قرار دے کر اپنے خوابوں سے دامن جھٹک لیا تھا لیکن وہ اپنے خوابوں کی کرچیاں سمیٹتے سمیٹتے ہلکان ہو گیا تھا۔

''کیوں اس بے وفا کے لیے خود کو جلاتے ہو۔ میری طرف دیکھو میں کب سے تمہاری منتظر ہوں۔ میرے بن جاؤ شاہ! میں تمہارا ہر غم بھلا دوں گی''۔ رابعہ نے جذبات سے مخمور لہجے میں کہتے ہوئے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکایا لیکن مطیب شاہ کو جیسے کرنٹ نے چھو لیا۔ رابعہ نے پتا نہیں دانستہ یا نادانستہ آج نینسی کی مخصوص خوشبو لگائی ہوئی تھی لیکن مطیب شاہ جانتا تھا کہ وہ نینسی نہیں رابعہ ہے اس لیے بدک کر کھڑا ہوا اور تیز تیز قدموں سے چلتا پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ فی الحال نینسی کی ذات سے جڑی کسی بھی شے کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ نینسی جان سے شادی کرنے والی ہے اس خبر پر اس کا کیا ردِعمل ہونا چاہیے وہ نہیں جانتا تھا اس وقت اسے صرف ایک بات

سمجھ آ رہی تھی اور وہ یہ کہ وہ خود کو اس طرح سے آئسولیٹ کر لے کہ اس تک نینسی کی کوئی خبر نہ آ سکے۔ زبان سے خواہش ادا ہونے سے پہلے ہر شے پا لینے والا مطیب شاہ کو خود اپنی ذات کے ریجیکٹ ہونے کا احساس زخم زخم کر رہا تھا۔

☆☆☆

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلا جاؤں''۔ عمر احسان نے ٹیبل کی چکنی سطح پر نظریں ٹکائے مطیب شاہ کو بتایا۔

''ویری گڈ۔ یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے لیکن یہ سوچ کر جانا کہ تمہیں واپس یہیں آنا ہے۔ تم جیسے شخص کو کھونا نہ میں افورڈ کر سکتا ہوں اور نہ ہمارا ملک''۔ مطیب شاہ نے اسے سراہنے کے ساتھ آئندہ کے لیے پابند بھی کیا۔

''مجھ میں کیا ہے مطیب بھائی! میں تو بہت عام سا شخص ہوں۔ میرے جیسے پتا نہیں کتنے ہوں گے اس ملک میں''۔ وہ کچھ آزردہ سا لگ رہا تھا۔

''تم کیا ہو عمر! تمہیں نہیں معلوم۔ ہو سکتا ہے دنیا میں تم جیسے بہت لوگ ہوں لیکن میرے لیے ان میں سے کوئی بھی تم جیسا نہیں ہو سکتا۔ تم سے جو دل کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ لیکن تم نے میری زندگی کو انجانے میں ہی ایک بالکل نیا رخ دیا ہے میں جب تم سے ملا تھا تو اندر سے بہت ٹوٹا پھوٹا اور کمزور تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سکون کیسے ملتا ہے لیکن تمہارے ساتھ نے مجھے سکون کا راستہ دکھایا۔ میں نے جانا کہ مقصدِ زندگی کیا ہے۔ میرے اندر اچھائی تھی لیکن اس اچھائی کو صحیح رہنمائی کہاں سے ملتی ہے میں نے تم سے سیکھا۔ میں تمہیں دیکھ کر حیران ہوتا تھا کہ تم اتنی کم عمری میں اتنے منظم اور سمجھدار کیسے ہو لیکن پھر جب تمہیں فالو کرتے ہوئے میں خود قرآن کی طرف متوجہ ہوا تو میرے لیے زندگی کی راہیں روشن ہوتی چلی گئیں۔ میں نے اپنی اور اپنے بزرگوں کی کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کے لیے کچھ پلانز بنائے۔ میں نے سوچا کہ لوگوں کی زندگی کی مشکلات دور کر کے اپنی آخرت کو آسان بنانے کی راہ ڈھونڈوں لیکن اس سارے عمل میں تم میرے

ساتھ' میرے شانہ بشانہ نہیں ہو گے...... یہ تو میں نے کبھی نہیں سوچا''۔ مطیب شاہ نے کہا۔

''سوچا تو میں نے بھی کبھی نہیں تھا کہ ابا یوں مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے لیکن دیکھیں وہ چلے گئے۔ واپس لوٹنے کا کوئی وعدہ کیے بغیر''۔ عمر احسان کی آنکھوں میں پانی چمکنے لگا تھا۔ مطیب شاہ اس کی حالت پر کڑھ کر رہ گئے۔ عمر احسان جیسا شخص خود کو دنیا کی اتنی بڑی سچائی باور نہیں کروا پائے گا' وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

''تم جس کیفیت کا شکار ہو اس میں تمہیں میری کوئی بھی بات سمجھ نہیں آئے گی۔ اس لیے بس اتنا کہوں گا کہ باہر جا کر پڑھنے کا جو فیصلہ کیا ہے اسے حصولِ علم کے لیے خالص کر دو کیونکہ فرار مسائل کا حل نہیں اور دکھ تو بالکل ایسی چیز نہیں جس سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تو دل میں بس کر دل کو منور کرنے والا جذبہ ہے۔ وہ دل جس کو دکھ کا ایندھن جلانے کے لیے میسر آ جائے بڑا انمول ہوتا ہے کیونکہ وہ دل خود جل کر دوسروں کی راہیں روشن کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے تم بھی ایک دن اپنے فرار میں ناکام ہو کر واپس یہاں لوٹنے کا سوچو گے اور جب ایسا سوچنے لگو تو پلٹنے میں دیر نہیں کرنا کم از کم یہ سوچ کر ضرور کہ ایک شخص بہت شدت سے تمہارے لوٹنے کا منتظر ہے''۔ مطیب شاہ نے چند جملوں میں پوری حکایت دل سنا ڈالی تھی۔ عمر احسان نے محسوس کیا کہ مطیب شاہ نے اس کے دل کو کسی ان دیکھی ڈور سے باندھ کر اپنا پابند کر لیا ہے۔

☆☆☆

''ارے حبہ! آؤ بھئی بڑے دن بعد چکر لگایا''۔ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر گھر کے تمام ہی افراد موجود تھے کہ حبہ انگلی میں کی رنگ گھماتی وہاں چلی آئی۔ سب سے پہلے رفعت کی نگاہ اس پر پڑی تو اس نے خوشدلی سے اس کا استقبال کرتے اپنے برابر رکھی خالی کرسی کھسکا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آئی تو پھر بھی میں ہی ہوں۔ تم میں سے تو کسی کو زحمت نہیں ہوئی کہ پلٹ کر

میری خیریت ہی پوچھ لو''۔ حبہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے شکوہ کیا۔

''یہ تو واقعی زیادتی کی بات ہے۔ تم لوگوں کو بچی کا اتنا خیال تو کرنا چاہیے''۔ معیز احمد نے اس کی طرفداری کی۔

''سوری یار! آج کل مصروفیت ہی اتنی ہے۔ شاپنگ' ٹیلر کے چکر بس اسی میں سارا دن گزر جاتا ہے۔ یہ رفعت کی بچی تو اپنی میڈیکل کی پڑھائی کو بہانہ بنا کر ایک طرف ہو جاتی ہے اکیلے مجھے ہی سب کچھ فیس کرنا پڑتا ہے''۔ مدحت نے وجہ بیان کرتے ہوئے معذرت کی۔

''تم ان کی باتوں میں مت آؤ حبہ! مصروفیت کا تو بہانہ ہے ورنہ آج کل انہیں تم تو کیا ہم بھی یاد نہیں۔ دیکھ نہیں رہی ہو کیسی چمک رہی ہیں''۔ رفعت نے بہن کی توجیہہ کو رد کرتے حبہ کو چڑھایا۔

''خیر یہ تو اس کا حق ہے۔ تمہاری شادی ہونے لگے گی تو تمہیں بھی کسی اور کو یاد رکھنے کی فرصت نہیں ملے گی''۔ حبہ نے چڑھائی میں آنے کے بجائے مدحت کی سائیڈ لی اور رفعت کی بڑھائی ڈش میں سے ایک کباب اپنی پلیٹ میں نکالا۔

''اور مدحت! تم کیوں اتنی غیریت برتتی رہیں۔ اگر یہ پڑھا کو بی بی تمہارا ہاتھ بٹانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتیں تو تم مجھ سے کہتیں''۔ کھیرے کا ٹکڑا منہ میں رکھتے اس نے بے حد اپنائیت سے مدحت سے کہا۔

''تم سے ہی کہے گی بیٹا! ابھی تو بس تیاری شروع کی ہے۔ جب تک میری ہمت ہے میں اس کا ساتھ دے رہی ہوں آگے جب کام بڑھے گا تو تمہیں ہی ہاتھ بٹانا پڑے گا''۔ صباحت نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اس کی دلجوئی کی۔ بھلے سے بیٹے کی خواہش اور کچھ مادی فوائد کی چاہ نے انہیں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ تھی کہ انہیں اپنی اکلوتی بھانجی سے بے حد پیار تھا۔

''اور کام تو آگے بہت ہے۔ مدحت کے بعد احمر کی شادی کی تیاریاں بھی کرنی ہیں' اس کے لیے بھی تو تمہاری ہی مدد لیں گے یہ لوگ''۔ معیز احمد کے جملے نے حبہ کے

رخساروں پر شفق سی دوڑا دی۔ ٹیبل پر موجود تمام افراد شفق کے ان رنگوں سے نظریں چرا گئے۔ احمر نے ایک شکوہ کناں نظر معیز احمد پر ڈالی لیکن وہ بہت اطمینان سے اپنی پلیٹ پر جھکے ہوئے تھے۔ احمر جزبز سا ہو کر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اب اس کی کھانے پر پہلی جیسی توجہ نہیں تھی وہ کسی بہت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ سوچ کے یہ رنگ اس کے چہرے سے واضح طور پر جھلک رہے تھے لیکن وہاں موجود تمام ہی نفوس معیز احمد کی بات کے زیر اثر تھے اس لیے کسی نے احمر کی کیفیت پر توجہ نہیں دی۔ کھانا بے حد خاموشی سے ختم کیا گیا۔ کھانے کے اختتام پر رفعت نے ماحول کی سنجیدگی کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے بہ آواز بلند پوچھا۔

''چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''باقی لوگوں کا جو بھی خیال ہو لیکن میری اور حبہ کی چائے مت بنوانا ہم دونوں تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہے ہیں''۔ احمر کے جواب پر حبہ کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی۔ اتنا اچانک سامنے آنے والا یہ پروگرام اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ احمر سے باوجود بے تکلفی کے ایسی نوبت کبھی نہیں آئی تھی کہ وہ اسے کوئی خصوصی پروٹوکول دے۔ اس لیے بھی وہ قدرے تذبذب کا شکار تھی۔

''احمر کہہ رہا ہے تو چلی جاؤ بیٹی! کوئی حرج تو نہیں ہے اس میں''۔ معیز احمد نے اس کی جھجک کو بھانپتے ہوئے فوراً ہی اسے حوصلہ دیا تو وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

''سیف! میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اور میرا والٹ لے کر آؤ''۔ حبہ کو تیار دیکھ کر احمر نے ملازم لڑکے کو آواز لگا کر ہدایت دی۔ ذرا ہی دیر میں وہ مطلوبہ چیزیں لے کر چلا آیا۔

''آ جاؤ حبہ!'' سیف کے ہاتھ سے چابی اور والٹ لیتے ہوئے وہ حبہ سے مخاطب ہوا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈائننگ روم سے باہر نکل گیا۔

''کیا بات ہے' تم سب لوگ اتنے عجیب عجیب سے کیوں لگ رہے ہو؟'' حبہ جو اس کے پیچھے ہی اٹھ کر آئی تھی پورچ تک پہنچ کر پوچھنے لگی۔

''میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس بات کا تعلق صرف میرے اور تمہارے مستقبل سے ہے اس لیے میں کسی اور کے سامنے اسے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا''۔ احمر نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اس کے لیے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ حبہ خاموشی سے اس کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھی۔ احمر کے انداز بتا رہے تھے کہ بات کافی سنجیدہ نوعیت کی ہے۔ اس لیے وہ باوجود چاہنے کے اپنے دل میں کوئی خوش کن تصور قائم نہیں کر پا رہی تھی۔

☆☆☆

''مہر آپا آج کل مستقل یہیں رہ رہی ہیں کیا؟'' مہر کی بیٹیوں کو کتابیں اٹھائے ایک کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر نور العین نے زینت سے پوچھا۔

''ہاں' کیا کرے بے چاری''۔ زینت شاہ نے ایک سرد آہ بھری اور بولیں۔

''غیاث آج کل اپنی دوسری بیوی کے چاؤ چونچلے اٹھانے میں مگن ہے۔ بیٹے کی چاہت میں بیٹیاں بالکل بھولی ہوئی ہیں اسے۔ پہلے بھی کوئی خاص پیار محبت تو کرتا نہیں تھا بچیوں کے ساتھ لیکن آج کل تو مہر بتا رہی تھی بچیاں آنکھوں میں خار کی طرح کھٹک رہی تھیں۔ بیٹا ابھی آیا نہیں ہے دنیا میں صرف آس ہے تو اس پر یہ حال ہے۔ بعد میں پتا نہیں کیا کرے گا غیاث بہرحال بچیوں کو ماحول کے تناؤ سے بچانے کے لیے مہر کچھ عرصے کے لیے یہاں آ گئی ہے۔ بعد میں دیکھو کیا کرتی ہے''۔ زینت آپا نے تفصیل سے بتایا۔

''تو بابا جان اور اماں نے بات نہیں کی ادا غیاث سے اس سلسلے میں۔ ایک تو پہلے ہی انہوں نے دوسری شادی کر کے آپا کا دل دکھایا دوسرے اب ان کی اور بچیوں کی حق تلفی بھی کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے انہوں نے اپنی خواہش سے مجبور ہو کر دوسری شادی کر لی لیکن بیویوں کے درمیان انصاف سے کام تو لیں۔ جو لوگ دو بیویوں کے درمیان انصاف کرنا نہ جانتے ہوں ان کے لیے تو اللہ نے بھی صاف حکم دے رکھا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہ کریں اور یہاں تو بیوی کے ساتھ اولاد کا حق بھی مارا جا رہا ہے۔ کیا منہ

دکھائیں گے ادا غیاث اللہ کو روزِ حشر"۔ نورالعین کے لہجے میں غصہ تھا۔

"اللہ کو منہ دکھانے کی یہاں فکر ہی کس کو ہوتی ہے۔ بس اسی دھن میں لگے رہتے ہیں کہ برادری میں اپنا شملہ اونچا رہے۔ مہر نے تین تین بیٹیوں کا باپ بنا کر غیاث کی مونچھ نیچی کر دی ہے وہ اس کو نظر انداز کر کے اپنی دوسری بیوی کے ناز صرف اسی لیے اٹھا رہا ہے کہ اس سے اسے بیٹا ملنے کی امید ہے۔ رہی اماں اور بابا جان کے بات کرنے کی تو وہ لوگ تو خود الٹا مہر سے ناراض ہیں کہ وہ حالات کے ساتھ سمجھوتا کیوں نہیں کر رہی"۔

زینت شاہ کی بات سن کر نورالعین کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"یعنی ظلم بھی آپا پر ہو اور سمجھوتا بھی وہی کریں"۔

"دیکھو گڑیا! یہ تو ازل سے عورت کے نصیب میں لکھا ہے اور ہمارے ہاں عورت جس کی کہیں شنوائی نہ ہوتی ہو اس کا تو احتجاج کرنا بالکل بے معنی سی ہی بات ہے۔ جلد یا بدیر سمجھوتا مہر نے ہی کرنا ہوگا"۔ زینت شاہ کے لہجے میں تجربہ بول رہا تھا۔

"مگر بڑی آپا! کم از کم ادا غیاث کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس تو ہونا چاہیے اور آپا کو چھوڑیں لیکن کم از کم اپنی بچیوں کو تو پوچھیں"۔ نورالعین نے افسوس سے کہا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں سوائے دعا کرنے کے"۔ زینت شاہ نے بات ہی ختم کر دی۔

"میں لالہ سے کہوں گی کہ وہ ادا غیاث سے بات کریں۔ لالہ سے تھوڑا دبتے ہیں وہ۔ ان کی بات سن کر کم از کم بچیوں سے تو اپنا سلوک ٹھیک کریں گے"۔ نورالعین بہن کے لیے بے حد دکھی اور جذباتی ہو رہی تھی اور بات تھی بھی صحیح۔ مہر کی بچیاں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں رہنے سے کمہلا سی گئی تھیں ان کا حال ڈال سے الگ ہو جانے والی کلیوں کا سا تھا جن کی لاکھ نگہبانی کرو کھل کر ہی نہیں دیتیں۔ ان کو اس عالم میں پہنچانے کا ذمہ دار وہ باغباں تھا جو ان ننھی کلیوں کی نگہبانی چھوڑ کر کسی اور سمت میں اپنا دھیان لگا چکا تھا۔

☆☆☆

"تعلیم نے ان سب کا کیا بگاڑ لیا ہے جو میں تمہارے بدل جانے کی امید کروں۔ میں جان گئی ہوں کہ میرا انتخاب غلط تھا"۔ نینسی کی باتیں بازگشت بن کر اس کا پیچھا کرتی تھیں۔ کتنا چاہا تھا اس نے نینسی کو۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے اس کے حوالے سے۔

"جان اور نینسی شادی کرنے والے ہیں"۔ رابعہ کی دی ہوئی اطلاع..... کیا تھا جان میں ایسا جو نینسی نے اس کے مقابلے میں جان کا انتخاب کیا۔ عادی شرابی اور ہر روز ایک نئی تتلی کے پیچھے بھاگنے والا جان...... مذہبی اور نسلی تعصب کا شکار شخص...... جس نے نینسی کو ٹریپ کر کے مطیب شاہ سے جدا کر دیا۔

"کیا اتنے عرصے کے ساتھ میں نینسی نے میرے بارے میں کچھ نہیں جانا تھا۔ میرے کردار کی پختگی' میری محبت' کسی بھی شے کی اس کی نظر میں قدر نہیں...... اور اگر وہ مجھ کو نہیں جان سکی تھی تو کم از کم خود کو تو جانتی ہے۔ کیسے رہے گی وہ جان کے ساتھ۔ جان جیسا شخص جو عورت کی عزت ہی کرنا نہیں جانتا۔ اسے کون سا احساسِ تحفظ دے سکے گا"۔ ہزاروں شکوے اور فکریں تھیں جو نینسی کی ذات کے حوالے سے اسے دامن گیر تھیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے یونہی فلیٹ میں بند ہو کر پڑے۔ اس نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ فون پر مسلسل آنسرنگ مشین لگی تھی' اخبار آتا لیکن یونہی بنڈل کی صورت میں پڑا رہتا۔ ٹیلی ویژن کھولنے کا اسے خیال ہی نہیں آتا' وہ مکمل طور پر ہر انسانی رابطے سے کٹا ہوا تھا۔ خوراک کی صورت کافی اور بسکٹس کے سوا اس نے ان دنوں میں کوئی شے اپنے حلق سے نیچے نہیں اتاری تھی۔ وہ ایک زندگی گزار رہا تھا جس میں خود اس سے اپنے زندہ ہونے کا احساس چھن گیا تھا۔ اس حالت میں وہ نہ جانے اور کتنا عرصہ رہتا جو اس دن یونہی پاکستان سے آنے والی ٹیلی فون کال وصول نہ کر لیتا۔

"کب واپس آؤ گے بیٹا! کب تمہاری پڑھائی پوری ہوگی۔ یہ نہ ہو کہ تمہاری آس لیے یہ آنکھیں قبر کی مٹی میں جا سوئیں"۔ وہ اماں تھیں ہمیشہ کی طرح اس کے لیے بے قرار۔ اپنے معمول کے سوالوں کے ساتھ لیکن ان معمول کے سوالوں نے ہی اس کے

وجود کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ یہاں کسی کم عقل اور بے وفا کی خاطر اپنا آپ برباد کر رہا تھا اور وہاں دن رات اس کی خاطر دعاؤں میں مگن رہنے والی ہستی کے جذبے رائیگاں جا رہے تھے۔ وہ یہاں نینسی کی خاطر تو نہیں آیا تھا۔ بے شک' اس نے نینسی کی خاطر بہت سے خواب دیکھے تھے لیکن کچھ خواب وہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کی آنکھوں میں بھی بسا کر آیا تھا۔ اماں' بابا جان تینوں بہنیں کیا اس کی جدائی کا غم سہتی وہ ہستیاں اسی سلوک کی منتظر تھیں کہ وہ اپنی ذات کے غم میں ڈوب کر ان کے خواب اور ارمان داؤ پر لگا دیتا۔ وہ جیسے غفلت کی نیند سے جاگا تھا۔ یہ جگار ایسی تھی جس نے اسے ہر بیرونی مداخلت سے غافل کر دیا تھا۔

نینسی یونیورسٹی میں نظر کیوں نہیں آ رہی۔ رابعہ کے پاس اس کے لیے کیا اطلاعات ہیں۔ اسے کسی بات سے غرض نہیں رہی تھی۔ وہ پوری لگن سے اپنے نصب العین کے حصول کے لیے کوشاں تھا۔ یہ ایک انتھک محنت اور لگن ہی تھی جس کے سہارے اس نے بہت نمایاں کامیابی کے ساتھ اپنا پی ایچ ڈی مکمل کیا اور اس کے بعد وہ پھر ایک دن مزید وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ نینسی کی باتیں چیلنج بن کر اس کے اندر موجود تھیں۔ وہ واپس لوٹتے سمے اپنے ساتھ بہت سے عہد کر کے لوٹا تھا اپنے ہر عزم اور عہد کو پورا کرنے کے لیے اسے مسلسل جدوجہد کرنی تھی جس کے لیے وہ پوری طرح تیار تھا۔

☆☆☆

''تم حیران ہو گی کہ میں تمہیں یوں سب کے درمیان سے اٹھا کر یہاں کیوں لے آیا؟'' اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں حبہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

حبہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ جو کچھ کہنا ہے وہ احمر معیز کہہ ڈالے۔

''تمہیں معلوم ہے کہ مما اور عالیہ آنٹی میرے اور تمہارے بارے میں کیا خواہش رکھتی ہیں اگر مما کا بس چلتا وہ مدحت کے ساتھ ساتھ میری شادی بھی طے کر کے اپنی اس

خواہش کی تکمیل کر لیتیں لیکن میرے انکار نے انہیں مجبور کر دیا''۔ احمر کی بات نے حبہ کو چونکنے پر مجبور کیا۔

''آئی ایم سوری حبہ......! لیکن سچ یہی ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا''۔

احمر معیز کا انداز بے حد معذرت خواہانہ تھا۔

''کیا میں وجہ جان سکتی ہوں؟'' حبہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''بالکل اگر تم نہ بھی پوچھتیں تو میں تمہیں وجہ ضرور بتاتا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میرے انکار کے پیچھے تمہارے لیے ناپسندیدگی کا جذبہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم ایک آئیڈیل لڑکی ہو جس میں اتنی ڈھیر ساری خوبیاں ہیں کہ کوئی بھی شخص تمہیں اپنی شریکِ حیات بناتے ہوئے فخر محسوس کرے گا''۔

''لیکن تم یہ فخر حاصل نہیں کرنا چاہتے'' حبہ نے آزردگی سے اس کی بات کاٹی۔

''میں مجبور ہوں...... ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عام حالات میں میرا انتخاب تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا''۔ پتا نہیں یہ سچ تھا یا احمر معیز اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

''باقی یہ ہے حبہ...... کہ میں کسی کو پسند کرنے لگا ہوں بلکہ پسند کا لفظ تو معمولی ہے' سچ یہ ہے کہ میں کسی سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اتنی شدید محبت کہ اب اس کے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتا''۔ احمر معیز کی آنکھیں خواب رنگ ہو رہی تھیں۔

''کون ہے وہ؟'' حبہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

''رفعت کی کلاس فیلو' نور العین''۔ احمر معیز کے لبوں نے نور العین کا نام بہت نرمی اور چاہت سے ادا کیا تھا۔ حبہ ایک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس کا یہ سنجیدہ اور خوبرو سا کزن نرم خو تو ہمیشہ سے تھا لیکن چاہت کے رنگوں نے اس کی فطری نرمی کے ساتھ مل کر اسے اور بھی سنوار دیا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ دل کے قریب محسوس ہو رہا تھا۔ حبہ نے نظریں چرا لیں۔

''چلو' گھر واپس چلیں''۔ وہ یکدم ہی کھڑی ہو گئی۔

''تم نے مائنڈ تو نہیں کیا حبہ؟'' احمر معیز گھبرا کر پوچھنے لگا۔

''واٹ ربش' تم نے مجھے اتنا احمق سمجھ رکھا ہے کہ میں مہذب انداز میں کی جانے والی ایک بات کو سمجھ نہ سکوں''۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے حبہ نے قدرے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''سوری حبہ!'' گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرتے احمر معیز نے آہستہ سے حبہ سے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے احمر! میں نے تمہاری بات اچھی طرح سنی بھی ہے اور سمجھی بھی ہے۔ یہ صورت کسی کے بھی ساتھ پیش آسکتی ہے۔ تمہارے بجائے میں بھی ہو سکتی تھی تو کیا ایسی صورت میں تم مجھے انڈر اسٹینڈ کرنے کے بجائے بلیم کرتے' ایک ایسا معاملہ جو انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتا اس کے لیے اس پر الزام تراشی کرنا یا اسے مجرم ٹھہرانا کہاں کی عقل مندی ہے اور میرا خیال ہے میں کافی عقلمند لڑکی ہوں اس لیے مجھ سے تمہیں ایسی کسی بے وقوفی کی امید ہونی بھی نہیں چاہیے''۔ حبہ نے کہا۔

''تم بہت نائس لڑکی ہو حبہ!'' وہ اس کی باتوں پر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا سو بہت دل سے اسے سراہا۔

''تم تو کہو گے۔ میں نے اتنی آسانی سے تمہیں اس کیس سے باعزت بری جو کر دیا''۔ حبہ نے لہجے میں شوخی سموتے ہوئے کہا تو احمر ہنس دیا۔ حبہ کا بلند قہقہہ بھی اس کے ساتھ ہی گونجا۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ اس نمی کے پیچھے کیا احساس تھا شوخ سی دھن پر سیٹی بجاتا احمر معیز بے خبر ہی رہا۔

☆☆☆

''کب پوری ہو گی تیری پڑھائی۔ اس پڑھائی کے چکر میں حویلی کے لیے مہمان ہو کر رہ گئی ہے۔ مہینوں کے بعد آتی ہے اور ہوا کے جھونکے کی طرح پلٹ جاتی ہے۔ یہ بھی خیال نہیں آتا کہ اماں کا دل یہاں کتنا بے چین رہتا ہو گا۔ تو نے اپنی پڑھائی کی خاطر ماں

کو تنہا کر رکھا ہے اور تیرا لالہ دوسروں کو پڑھائیاں کروانے کے واسطے ہمیں بھولا ہوا ہے۔ ساری زندگی گزر گئی اس کی جدائی سہتے سہتے۔ پہلے بورڈنگ میں پھر ملک سے باہر اور اب دوسرے شہر میں۔ اولاد والی ہو کر بھی میں تو سونی ہی ہوں۔ میرے سارے بچے مہمانوں کی طرح یہاں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں''۔ نور العین واپسی کے لیے اپنا بیگ پیک کر رہی تھی کہ صالحہ شاہ اس کے کمرے میں چلی آئیں اور اسے سامان باندھتے دیکھ کر شکوہ کرنے لگیں۔

''بس اماں! اب تو تین سال کی ہی بات ہے جہاں اتنا عرصہ صبر کیا ہے یہ تھوڑا سا وقت اور نکال لیں پھر میں' لالہ اور بھابی سب مستقل یہیں آپ کے پاس آ جائیں گے''۔ نور العین نے ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''ہاں' مطیب بھی یہی کہہ رہا تھا۔ پتا نہیں عمل بھی کرتا ہے یا نہیں مجھے تو اس کے واپس آنے کا اعتبار ہی نہیں''۔ صالحہ شاہ بے یقین سی تھیں۔

''لالہ پر اعتبار نہیں تو مجھ پر کر لیں نہ صرف میں خود واپس آؤں گی بلکہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے کر آؤں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے''۔ نور العین نے کہا۔

''تمہارا آنا بھی خیر کیا...... آؤ گی تو سسرال روانہ ہو جاؤ گی۔ تمہاری چاچی تو ویسے ہی بڑی مشکل سے صبر کر رہی ہے۔ ہر تیسرے چوتھے روز پوچھتی ہے کہ نور کی پڑھائی کب ختم ہو گی''۔ اماں کی بات پر نور بجھے بجھے انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ زندگی کی یہ تلخ حقیقت ہر بار اس کی خوشی کے لمحوں کو کھا جاتی تھی۔ اب بھی وہ کتنی خوش تھی اماں کو یوں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر۔ اماں کبھی کبھی تو یوں محبت کا اظہار کرتی تھیں۔

''مجھ سے کہہ رہی تھی کہ بری کے سارے جوڑے اور زیور شہر سے بنواؤں گی۔ نور اتنے عرصے سے شہر میں رہ رہی ہے اسے گاؤں کی چیزیں پسند نہیں آئیں گی''۔ صالحہ شاہ اس کے بدلتے تاثرات سے بے خبر دیورانی کی باتیں سنائے جا رہی تھیں۔ نور العین کو اس اذیت سے دروازے پر ہونے والی دستک نے نکالا۔

''شاہ جی پوچھ رہے ہیں کہ آپ تیار ہیں؟'' حویلی کی ایک ملازمہ تھی جو مطیب

شاہ کا پیغام لے کر آئی تھی۔

"ہاں...... کہو کہ بس ابھی آتی ہوں"۔ نورالعین نے جواب دیا تو ملازمہ واپس چلی گئی۔

"اجازت اماں!" نورالعین نے صالحہ شاہ سے پوچھا۔

"ہاں بچے! جاؤ! اللہ سائیں خیر سے لے جائے اور خیر سے واپس لائے"۔

انہوں نے نورالعین کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئیں۔

"اچھا مہر آپا' چلتی ہوں"۔ نورالعین باہر آ کر بڑی بہن سے ملنے لگی جب کہ صالحہ شاہ بیٹے کو رخصت کر رہی تھیں۔

"اللہ نگہبان"۔ مہر نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے دعا دی۔

"اماں! کبھی آپ بھی تو میرے پاس شہر رکنے کے لیے آئیں۔ میں تو جب موقع ملتا ہے حویلی کا چکر لگا ہی لیتا ہوں لیکن آپ تو وہاں آتی ہی نہیں"۔ صالحہ شاہ نے یقیناً دوری کا شکوہ کیا تھا جس کے جواب میں مطیب شاہ بات کہہ رہا تھا۔

"لالہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اماں! آپ شہر آ کر بہت سارے دن ہمارے پاس رہیں اس طرح آپ ہمارے نزدیک بھی رہیں گی اور ہمارے کام بھی چلتے رہیں گے"۔ نورالعین نے فوراً بھائی کی تائید کی۔

"تمہارے بابا جان سے کہہ کر دیکھوں گی۔ اگر وہ ساتھ چلنے پر راضی ہوئے تو ٹھیک ورنہ تم لوگوں کو تو پتا ہی ہے کہ مجھے کیسے ہر دم ان کے ساتھ لگے رہنا پڑتا ہے میرے سوا کوئی اور ان کے کاموں کی نگرانی نہیں کر سکتا"۔ صالحہ شاہ نے جواب دیا تو وہ سب بہن بھائی مسکرانے لگے۔ یہ حقیقت تھی کہ قائم شاہ کے مزاج کا ہر رنگ بس صالحہ شاہ ہی سمجھتی تھی۔ کب انہیں کس چیز کی ضرورت ہے' انہیں ہی خبر ہوتی تھی۔

"بس تو آپ بابا جان کو راضی کر لیں آنے پر"۔ نورالعین نے شرارت سے کہا اور انہیں پیار کر کے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ مطیب شاہ بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

"لالہ! تھوڑی دیر منشی جی کی طرف لے چلیں۔ صبح صغریٰ نے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ

آئی ہوئی ہے"۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نورالعین نے بھائی سے فرمائش کی۔

"تمہارا دل نہیں بھرا صغریٰ سے ملاقاتیں کر کر کے"۔ مطیب شاہ نے اسے چھیڑا۔

"میری اس سے ڈھنگ سے ملاقات ہوئی ہی کہاں؟ کہنے کو میں اس کی شادی میں شرکت کے لیے یہاں آئی تھی لیکن اماں نے گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ مجھے وہاں جانے ہی نہیں دیا"۔ نورالعین نے اداسی سے بتایا۔

"اماں بھی اپنی روایات سے مجبور ہیں۔ تمہیں اور مجھے تو پھر بھی بہت زیادہ چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ مطیب نے گاڑی منشی جی کے گھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ذرا دیر میں وہ دونوں ان کے چھوٹے سے گھر میں تھے اور وہاں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ اہلِ خانہ کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان معزز مہمانوں کی خاطر کس طرح کریں۔

"کسی تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں منشی جی! ہمیں ابھی شہر جانا ہے بس نور کو ذرا دیر کے لیے صغریٰ سے ملاقات کروانے کے لیے لے آیا تھا"۔ مطیب شاہ کو بالآخر دخل اندازی کرنا پڑی۔ دوسری طرف نور صغریٰ سے پوچھ رہی تھی۔

"خوش تو ہو نا صغریٰ؟"

"بہت......" صغریٰ کی نگاہیں خوشی اور شرم سے جھکی جا رہی تھیں۔

"اپنے میاں جی کو لے کر ہمارے پاس شہر آنا۔ کچھ دن رہنا پھر ہم تمہیں خوب وہاں کی سیر کروائیں گے"۔ صغریٰ سے رخصت ہونے سے پہلے نورالعین نے اسے آفر کی تھی جس کے جواب میں وہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"نیوٹن کے پہلے قانونِ حرکت کے مطابق کسی بیرونی غیر متوازن قوت کی غیر موجودگی میں ساکن جسم ساکن رہے گا اور متحرک جسم یکساں ولاسٹی سے خطِ مستقیم میں حرکت کرتا رہے گا"۔ مطیب شاہ اس وقت فرسٹ ایئر کو نیوٹن کے قوانینِ حرکت پڑھا رہا

تھا۔ معمول کے مطابق طلباء پورے انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''قانون کے پہلے حصے کو سمجھنا تو آپ کے لیے مشکل نہیں کیونکہ یہ آپ کا عام مشاہدہ ہے کہ ساکن پڑی ہوئی چیزیں اس وقت تک حرکت نہیں کرتیں جب تک ان پر کوئی بیرونی عامل اثر انداز نہ ہو البتہ آپ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی گیند پھینکی جائے تو وہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد رک جاتی ہے۔ بظاہر گیند کو کوئی روکتا بھی نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس گیند پر بہت سے بیرونی عوامل اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں مثلاً ہوا کی رکاوٹ' کششِ ثقل اور رگڑ کا عمل اگر یہ عوامل نہ ہوں تو حرکت کرتی ہوئی گیند یا کوئی دوسرا جسم ہمیشہ خطِ مستقیم میں یکساں ولاسٹی سے حرکت کرتا رہے گا''۔ قانون کی وضاحت دیتے ہوئے گلاس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

''بات سمجھ رہے ہیں آپ لوگ؟''

''یس سر''۔ کچھ طلباء نے جواب دیا اور کچھ سر کو تفہیمی انداز میں ہلانے لگے۔

''اچھا تو بتایئے یہ لاء کس نے بنایا؟'' مطیب شاہ نے پوچھا۔

''نیوٹن نے''۔ بیک وقت کئی آوازیں ابھریں۔

''غلط...... نیوٹن نے تو صرف اسے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ قانون بنانے والی ہستی تو کسی اور کی ہے''۔ مطیب شاہ نے مسکراتے ہوئے ان کا جواب رد کیا۔

''وہ کون ہے سر؟'' طلباء حیران تھے۔ انہوں نے جب بھی قوانینِ حرکت پڑھے تھے۔ نیوٹن کا نام ان قوانین کے ساتھ جڑا پایا تھا لیکن اب سر اس بات کا انکار کر رہے تھے تو تعجب کا مقام تو تھا ہی۔ کسی نئے ہونے والے انکشاف کو سننے کے لیے مضطرب سے ہو اٹھے تھے۔

''اللہ تعالیٰ اور کون؟'' مطیب نے ان کے تجسس کو دیکھتے ہوئے ہنس کر سادگی سے جواب دیا۔

''ہاں' وہ تو سب کو ہی معلوم ہے''۔ بچوں کے تجسس کے غبارے میں سے یکدم ہی ہوا نکل گئی اور ایک طالب علم نے بہ آوازِ بلند اس بات کا اظہار بھی کر دیا۔

''صرف معلوم ہونا کافی نہیں' ہمیشہ ذہن میں رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ بات تبھی بنتی ہے جب اس بات کو یاد رکھا جائے کہ قانون اللہ کا بنایا ہوا ہے اور اسے توڑنے والا ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ چاہے اس قانون کا تعلق اخلاقی اقدار سے ہو چاہے طبعی عناصر سے۔ جہاں انسان نے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کو توڑا وہیں اسے سزا ملی۔ ابھی جو ہم نے قانون پڑھا ہے اسے توڑنے کا نتیجہ میں نے بہت بار اپنی سڑکوں پر دیکھا ہے۔

''یہ آپ لوگوں کا عام مشاہدہ ہوگا کہ کسی بس سے اترتے وقت مرد صرف رفتار کم کروا کر بھی اتر جاتے ہیں اور خواتین رک جانے والی بس اگر معمولی سا جھٹکا بھی لے لے تو فوراً گر جاتی ہیں اور لوگ ڈرائیور کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں اس حادثے میں ڈرائیور کے ساتھ ساتھ وہ خاتون خود بھی ذمے دار ہوتی ہیں''۔

''وہ کیسے سر؟'' ایک طالب علم نے پوچھا۔

''قانون کے دوسرے حصے کو غور سے دیکھو' اس کے مطابق متحرک جسم اپنی حرکت قائم رکھتا ہے۔ چلتی ہوئی بس میں ہونے کی وجہ سے انسان اس متحرک بس کا ایک حصہ ہوتا ہے اور بس کے ساتھ ساتھ خود بھی خطِ مستقیم میں سفر کر رہا ہوتا ہے لیکن ہماری خواتین یہ کرتی ہیں کہ جب بس سے اترتی ہیں تو اپنا رخ پیچھے کی جانب رکھتی ہیں۔ یعنی حرکت کی سمت سے مخالف سمت میں۔ اب قانون کے مطابق تو وہ اس وقت ایک ایسا جسم تھیں جو حرکت میں تھا اور اسے متحرک رہنا تھا لیکن مخالف سمت میں رخ کر کے اترنے سے قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور جسم کو زوردار جھٹکا لگنے کی وجہ سے حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مرد بس کی حرکت کے سمت پر ہی اپنا رخ رکھتے ہیں اور ایک دم سے خود کو روک لینے کی کوشش کرنے کے بجائے بس کی حرکت کے سمت میں ہی دو تین قدم کا فاصلہ طے کرتے ہوئے تکنیک سے خود کو روکتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش بیرونی عامل ہوتی ہے جو ان کے متحرک جسم کو روک کر بخیر و خوبی بس اسٹاپ پر اتار دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے ہٹ کر عمل کرے گا تو اسے قانونِ قدرت توڑنے کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی اور سزا بھی ایسی جو موقع پر ہی مل جاتی ہے کسی عدالت اور پیشی کی ضرورت نہیں

پڑتی‘‘۔

’’انٹرسٹنگ سر!‘‘ بچوں نے اس کی بات ختم ہونے پر بے ساختہ ہی تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

’’دلچسپ تو ہے لیکن کارآمد اس وقت ہی ہوگا جب اسے عمل کا حصہ بناؤ گے۔ اس بات کو اپنا اصول بنالو کہ جہاں بھی تمہیں کوئی ٹھوکر لگے‘ نقصان پہنچے‘ پلٹ کر دیکھو تم نے اللہ کا کوئی قانون تو نہیں توڑا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ وہ کبھی ظلم نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے تو کبھی کسی بستی پر اس وقت تک عذاب بھی نہیں بھیجا جب تک وہاں کوئی ڈرانے والا بھیج کر وہاں کے رہنے والوں پر اپنی حجت تمام نہ کردی۔ وہ اپنی مخلوق سے بے حد محبت کرتا ہے اس لیے اسے بے سبب تکلیفوں میں مبتلا نہیں کرتا۔ ہاں آزمائش کا معاملہ الگ ہے۔ اگر کوئی تکلیف آزمائش کے طور پر انسان کی زندگی میں آجائے تو اسے صبر سے اس تکلیف کو سہہ کر اللہ سے مدد کی درخواست کرنی چاہیے‘‘...... مطیب شاہ بہت روانی سے کہہ رہا تھا۔ عمر احسان کا وہ انداز جس پر کبھی وہ حیران ہوا کرتا تھا اب اس کی اپنی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا۔ اب وہ بھی دین کو سائنس سے ریلیف کرنے کا ہنر جانتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

’’آج شام اماں اور بابا جان آ رہے ہیں۔ بابا جان تو خیر پہلے بھی کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لیے آجایا کرتے تھے لیکن اماں پہلی بار آ رہی ہیں۔ تمہیں پتا ہے ان کی شادی کو پچیس برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصے میں وہ گنتی کی چند بار ہی حویلی سے باہر گئی ہیں۔ شہر تو کبھی آئیں ہی نہیں پہلی بار میرے اور لالہ کے اصرار پر آ رہی ہیں؟‘‘۔ نور العین بہت جوش و خروش کے ساتھ رفعت کو بتا رہی تھی۔

’’یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میں مما کو بتاؤں گی تمہارے والدین کی آمد کے بارے میں وہ اور ڈیڈی‘ مدحت آپی کی شادی کا کارڈ خود دینے آجائیں گے اس بہانے

ان کی تمہارے والدین سے ملاقات بھی ہو جائے گی‘‘۔ رفعت نے اس کی بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو جواباً وہ بھی خوش دلی سے بولی۔

’’ہاں ہاں بالکل اماں اور بابا تو بہت خوش ہوں گے انکل آنٹی سے مل کر‘‘۔ لیکن رفعت معیز کے والدین کی آمد کی اصل وجہ کیا تھی یہ تو اگلے دن ان کے گھر آنے پر ہی اسے معلوم ہوا۔ کاش رفعت نے اس کے سامنے اپنے والدین کی آمد کا مقصد بھی بیان کر دیا ہوتا تو وہ وہیں اسے روک دیتی۔

’’معاف کیجیے گا معیز صاحب! ہماری بیٹی کا نکاح میڈیکل میں داخلے سے پہلے ہی اس کے چچازاد سے ہو چکا ہے۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی ہم اسے رخصت کر دیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی ہم آپ کو انکار کے سوا کچھ نہیں دے سکتے تھے۔ ہماری بیٹیاں خاندان سے باہر ہرگز بھی نہیں بیاہی جاتیں۔ یہ روایت بھی ہے اور اصول بھی‘‘۔ سید قائم شاہ کے بظاہر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کیسا غضب بول رہا تھا یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو ان کے مزاج آشنا تھے۔ البتہ شاک صباحت اور معیز احمد کو بھی خوب لگا تھا۔ نور العین کو اپنی بہو بنانے کے حوالے سے وہ جانے کتنے خواب دیکھ چکے تھے۔ اب اس ناکامی نے ہواؤں کے سنگ اڑتے ان میاں بیوی کو جیسے یکایک زمین پر لا پٹخا تھا‘ وہ بہت مایوسی کے عالم میں واپس لوٹے تھے۔

’’ایسا کیوں ہوا نور! ان لوگوں کی جرات کیسے ہوئی یہ سوال لے کر ہمارے در پر آنے کی؟‘‘۔ صباحت اور معیز احمد کی واپسی کے بعد نور العین کی بابا جان کے سامنے طلبی ہوئی تھی۔

’’میں نہیں جانتی بابا جان!‘‘۔ نور العین نے جھکے سر کے ساتھ جواب دیا۔

’’تم جانتی ہو اس لڑکے کو جس کے لیے تمہاری سہیلی کے ماں باپ ہمارے پاس آئے تھے‘‘۔ ان کا یہ سوال بہت نازک تھا لیکن جواب تو نور العین کو بہرحال دینا ہی تھا۔

’’وہ کبھی کبھار رفعت کو لینے کالج آتا ہے۔ میں نے صرف دور سے دیکھا ہے کبھی بات نہیں کی‘‘۔ جو سچ تھا اس نے بتا دیا۔

"اس کی ماں کہہ رہی تھی ہمارے بیٹے کو نورالعین بہت پسند ہے۔ ہم اس کی خواہش پر ہی آپ سے آپ کی بیٹی مانگ رہے ہیں۔ اس کی بات سن کر ہمیں لگا کہ کسی نے ہمارے منہ پر طمانچہ مار دیا ہو۔ لگتا تھا کسی بھی لمحے کوئی اور گستاخ جملہ کہہ دے گی۔ شہر والوں کی یہی بے شرمی ہے جسے ہم سخت ناپسند کرتے ہیں اور اسی لیے اپنی اولاد کا بھی ان کے درمیان رہنا پسند نہیں کرتے اور اب ہم نے سوچ لیا ہے کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ واپس گاؤں لے جائیں گے۔ بس ہو چکا تمہارا شوق پورا۔ بہت پڑھائیاں کر لیں تم نے۔" سید قائم شاہ کے فیصلے نے نورالعین کو ساکت کر دیا۔ وہ اپنے دفاع میں کچھ کہنے کے لائق بھی نہیں رہی۔

"یہ زیادتی ہے بابا جان! آپ نور کو ایک ایسی بات کی سزا دے رہے ہیں جس میں اس کا کوئی قصور نہیں اور پھر ہوا ہی کیا ہے؟ صرف ایک رشتہ ہی تو آیا تھا نا۔ آپ نے اپنی مجبوری بتا کر معذرت کر لی۔ اس بات میں کسی انتہائی فیصلے کی گنجائش کہاں نکلتی ہے؟" مطیب شاہ جواب تک احتراماً خاموش تھا۔ بہن پر ہونے والی زیادتی پر چپ نہیں رہ سکا۔

"ہم تم سے کچھ نہیں کہہ رہے مطیب شاہ! نورالعین ہماری بیٹی ہے۔ اس کے بارے میں ہم کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے مشورے کے محتاج نہیں"۔ قائم شاہ نے غیض کے عالم میں کہا۔

"لیکن نور نے سجاد شاہ سے نکاح صرف اسی شرط پر کیا تھا کہ آپ اسے میڈیکل میں داخلے کی اجازت دیں گے"۔ مطیب شاہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔

"ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا نور نے نہ صرف میڈیکل میں داخلہ لیا بلکہ دو سال بھی مکمل کر لیے۔ یہ ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرے گی۔ ہم نے یہ وعدہ تو نہیں کیا تھا"۔ وہ قائم شاہ تھے مطیب شاہ کے باپ۔ ان کے پاس اس کی ہر دلیل کا جواب تھا۔

"پلیز بابا جان! آپ ذرا ٹھنڈے دل سے کام لیں۔ نور کا تیسرا سال چل رہا ہے چند سال کی اور بات ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی۔ ماں باپ تو بیٹیوں کا مان ہوتے ہیں۔ کیا آپ اپنی بیٹی کی یہ معمولی خواہش بھی

پوری نہیں کر سکتے"۔ اس بار زمین شاہ نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو بیٹی! ہمارے ہاں بیٹیوں کی خاطر عزت کبھی داؤ پر نہیں لگائی جاتی۔ ہمارے ہاں کی بیٹیاں ہمیشہ عزت کی خاطر قربان ہوتی چلی آئی ہیں"۔ بہو سے بات کرتے ہوئے قائم علی شاہ کا لہجہ ذرا دھیما پڑا تھا لیکن فیصلے کی سختی اپنی جگہ محسوس ہو رہی تھی۔

"میں آپ کو گارنٹی دیتی ہوں بابا جان! نور کبھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گی جس سے ہمارے خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اگر اس کے کردار میں کوئی جھول ہوتا تو سب سے پہلے مجھے اعتراض ہوتا۔ آخر میں اس کی ہونے والی نند ہوں۔ یہ میرے بھائی کی عزت ہے' میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں کہ میرے بھائی کی عزت پر حرف آئے"۔ زمین شاہ کی دلیل نے سید قائم شاہ کو تذبذب میں ڈال دیا۔

"بابا جان! پلیز مجھے میری پڑھائی پوری کرنے دیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس کے بعد آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ آپ جو کہیں گے سر جھکا کر مان لوں گی لیکن بس میری یہ خواہش پوری کر دیں"۔ اتنی دیر سے ساکت بیٹھی نورالعین نے روتے ہوئے باپ کے پیروں کو تھام کر استدعا کی۔ صالحہ شاہ جو اس ساری گفتگو کے درمیان خاموش تماشائی بنی رہی تھیں بیٹی کو بلک بلک کر روتا دیکھ کر سہہ نہ سکیں۔

"سائیں" ان کی اس یک لفظی پکار میں کئی خاموش التجائیں تھیں۔

"ٹھیک ہے لیکن اپنا وعدہ یاد رکھنا"۔ قائم شاہ نے آخر اپنا فیصلہ واپس لے ہی لیا۔

☆☆☆

"کل کہاں غائب تھیں تم؟" رفعت معیز نے نورالعین کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"اماں اور بابا جان گاؤں واپس جا رہے تھے اس لیے میں نے چھٹی کر لی تھی"۔

نورالعین کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"ابھی دو دن پہلے ہی تو آئے تھے وہ لوگ' اتنی جلدی واپس بھی چلے گئے"۔ رفعت کو حیرت ہوئی۔

"ہاں' ارادہ تو زیادہ دن رکنے کا ہی تھا لیکن بابا جان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس لیے وہ لوگ واپس چلے گئے"۔

"کیوں......؟ ان کا موڈ کیوں خراب ہو گیا؟"۔ رفعت نے پوچھا لیکن اگلے لمحے وہ خود ہی وجہ سمجھ گئی۔ یکدم اس کے اور نورالعین کے درمیان خاموشی در آئی۔

"تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی نور! سچ کہوں میری اپنے گھر والوں کے سامنے بڑی بے عزتی ہوئی ہے۔ ہماری اتنے عرصے سے دوستی ہے اور مجھے اتنی اہم بات معلوم نہیں کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ کم از کم مجھے بتانا تو چاہیے تھا"۔ رفعت کے دل میں موجود شکوہ بالآخر لبوں پر مچل ہی گیا۔

"بتانا تو تمہیں بھی چاہیے تھا کہ تم کسی خاص مقصد سے میرے گھر آ رہی ہو۔ اگر تم مجھے بتا دیتیں تو ہم دونوں کو ہی اپنے اپنے گھر والوں کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھانی پڑتی۔ رہی زیادتی کی بات تو تم کیا جانو زیادتی کیا ہوتی ہے؟ میں نے تم سے اپنے نکاح کی بات چھپائی نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ بتانے کا دل بھی کبھی نہیں چاہا"۔ نورالعین کے لہجے میں دکھ کروٹیں لے رہا تھا۔

"کیوں' کیا تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتیں؟"۔ رفعت نے شکوہ کیا۔

"کیا بدگمان ہونا ضروری ہے؟"۔ نورالعین نے بھی شکوہ کناں لہجے میں پوچھا۔

"بدگمان نہیں ہوں لیکن یہ بھی سوچو کہ مجھے ایک ساتھ دو دو شاک لگے ہیں۔ ایک طرف یہ دکھ ہے کہ دوست نے اپنی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں رازداری برت کر مجھے پرایا کر دیا ہے تو دوسری طرف اپنے اکلوتے بھائی تمہیں کتنا چاہنے لگے ہیں۔ تمہارے نکاح کا سن کر ان کے دل پر کیا گزری ہے وہ لاکھ چھپانے کی کوشش کریں لیکن میں پھر بھی سمجھ سکتی ہوں۔ وہ خود کو بے پروا ظاہر کرنے کے لیے ہنسنے کی کوشش کرتے

ہیں اور مسکرا بھی نہیں پاتے۔ ایسے میں میرا دل چاہتا ہے پھوٹ پھوٹ کر رو دوں اور سچ کہوں تو مجھے تم پر غصہ بھی بہت تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ زندگی بھر تم سے بات نہیں کروں گی لیکن جب میری تم پر نظر پڑی تو مجھے تم خود اتنی ٹوٹی ہوئی لگیں کہ میں خود کو تمہارے پاس آنے سے روک نہیں سکی"۔ رفعت معیز نے نہایت صاف گوئی سے اس کے سامنے اپنے احساسات کا اظہار کیا۔

"میں بہت بڑے طوفان سے گزر کر واپس یہاں پہنچی ہوں رفعت! تمہارے پیرنٹس کا پروپوزل لے کر میرے گھر آنا کسی قیامت سے کم نہیں تھا اگر لالہ اور بھابی میرا ساتھ نہیں دیتے تو شاید میں کبھی دوبارہ یہاں نہ آ پاتی اور میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ادھورا رہ جاتا۔ وہ خواب جس کی تکمیل کے لیے میں نے سجاد شاہ سے نکاح جیسا کڑوا گھونٹ اپنے حلق سے اتارا تھا"۔ نورالعین بکھرنے لگی تھی۔

"جو بھی دکھ ہے کہہ ڈالو نور! دوست سے اگر دل کا حال نہیں کہا تو کس سے کہو گی؟"۔ رفعت کی بات نے اس کے ہونٹوں کے قفل توڑ دیے۔ آہستہ آہستہ وہ اسے دل پر لگے زخم سے آشنا کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

مہرالنساء آنے والی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اماں نے جب ملازمہ سے کسی مہمان کی آمد کا کہلوایا تھا تو اس کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ وہ جمیلہ شاہ ہو گی' غیاث شاہ کی دوسری بیوی...... ابھی پانچ دن پہلے ہی تو اطلاع ملی تھی کہ جمیلہ شاہ نے غیاث شاہ کو وہ در نایاب دے دیا ہے جسے دینے سے مہرالنساء قاصر رہی تھی۔ اس خبر نے مہرالنساء کے پہلے سے سہمے ہوئے دل کو مزید سہما دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ غیاث شاہ اپنی خواہش پوری ہونے پر بہت شاداں ہوگا اور اسی خوشی میں اسے مہرالنساء اور اس کی بچیوں کا یاد آ جانا بہت مشکل تھا لیکن اب مہرالنساء کی آنکھیں حیرت انگیز منظر دیکھ رہی تھیں۔ اس کی سوت جمیلہ شاہ خود چل کر اس تک آئی تھی۔

"سلام ادی!" جمیلہ شاہ نے کھڑے ہو کر مہرالنساء کو تعظیم دی۔

"وعلیکم السلام!" مہرالنساء نے جواب تو دیا لیکن اپنی حیرت کو چھپا نہیں سکی۔

"اسے مجھے دے شادو اور تو باہر جا۔" جمیلہ نے اپنے ساتھ آئی ملازمہ کو حکم دیا تو وہ کمبل میں لپٹا بچہ اسے تھما کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ جمیلہ شاہ نے بچے پر ایک پیار بھری نگاہ ڈالی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر مہرالنساء کے قریب چلی آئی۔

"آپ کا بیٹا آپ سے ملنے آیا ہے ادی؟" جمیلہ نے بچہ مہرالنساء کی گود میں ڈالا اور خود اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ چند قدم کا فاصلہ طے کرنے میں ہی وہ بری طرح ہانپ گئی تھی اور چہرے پر چھائی زردی بھی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"میرا اور آپ کا رشتہ بہت عجیب ہے۔ دونوں ایک ہی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے قریب آنے کو تیار نہیں۔ ایمانداری سے دیکھیں تو اس دوری میں تھوڑا تھوڑا قصور دونوں کا ہے۔ میں کم عمر اور خوبصورت ہوتے ہوئے اپنے سے تقریباً دگنی عمر کے مرد سے بیاہی گئی تو دل میں بڑا غصہ تھا۔ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا احساس کسی اور کے بارے میں سوچنے ہی نہیں دیتا تھا۔ سائیں غیاث شاہ آپ کو اور بچیوں کو نظرانداز کر کے میرے آگے پیچھے گھومتے تو میں سوچتی یہ میرا حق ہے۔ دوسری طرف آپ کو غصہ تھا۔ آپ اپنے گھر میں حصہ لگانے آ جانے والی عورت کو اپنانے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ایسے میں دوری بڑھتی نہیں تو کیا ہوتا لیکن جب یہ میری گود میں آیا تو میرے دل کی دنیا بدل گئی۔" جمیلہ شاہ نے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

"یقین کریں ادی! اس کے آنے سے میرے دل میں محبت کا ایسا چشمہ پھوٹا کہ مجھے ہر ایک سے محبت محسوس ہونے لگی۔ آپ اور بچیاں مجھے شدت سے یاد آئیں۔ مجھے دکھ ہوا کہ میری وجہ سے آپ لوگ اپنا گھر چھوڑ کر یہاں رہ رہے ہیں۔" جمیلہ شاہ کہے جا رہی تھی اور مہرالنساء ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اس پوری گفتگو میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"جس طرح آپ مجبور تھیں اور سائیں غیاث شاہ کو دوسری شادی سے نہیں روک

سکتی تھیں۔ ایسے ہی میں بھی مجبور تھی ان کی دوسری بیوی بننے پر۔ خاندانی رواجوں نے مجھے بھی باندھ رکھا تھا اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں انکار کر دیتی بھلا کون سی عورت خوشی سے دوسری بیوی بن کر جانا پسند کرتی ہے۔ یہ تو ہمیشہ مجبوری کا ہی سودا ہوتا ہے چاہے مجبوری رسم و رواج کی ہو' اپنی کم مائیگی کی ہو یا محبت کی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں ادی! وہ عورت جو کسی شادی شدہ مرد کی محبت میں مبتلا ہو کر اس کی دوسری بیوی بنتی ہے وہ بھی مجبور ہوتی ہے۔ بیچاری اپنے دل سے جو ہار جاتی ہے۔" جمیلہ شاہ ہولے سے ہنسی اور پھر بولی۔

"میں بھی بات کو کہاں سے کہاں لے گئی۔ میں تو آپ سے بس یہ کہنے آئی تھی کہ اپنے گھر واپس آ جائیں۔ جب اللہ سائیں نے ہم دونوں کا گھر سانجھا بنا ہی دیا ہے تو تقدیر سے جھگڑا کیسا۔ ہم دونوں مل کر اپنے گھر اور اپنے بچوں کو سنبھال لیں گے۔" بالآخر اس نے اپنی آمد کا اصل مقصد بیان کر ہی دیا۔

"میں کیسے آؤں جمیلہ......؟ جس شخص کو مجھے لینے آنا چاہیے تھا اس نے تو پلٹ کر مجھے اور بچیوں کو پوچھا تک نہیں۔" مہرالنساء کی زبان سے شکوہ پھسلا۔

"وہ کہتے ہیں' انہوں نے آپ کو نکالا نہیں' آپ اپنی مرضی سے گئی تھیں اور اپنی مرضی سے واپس آ سکتی ہیں۔" جمیلہ نے غیاث شاہ کا موقف بیان کیا۔

"مرضی سے آئی تھی پر خوشی سے تو نہیں۔ ان کے رویے نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔" مہرالنساء کے لہجے میں غم و غصے کی آمیزش تھی۔

"اس بات کو آن کا مسئلہ مت بنائیں ادی! ضد بحث میں گھر بنتے نہیں ٹوٹ جاتے ہیں۔" جمیلہ شاہ نے اسے سمجھایا۔

"میں سوچوں گی۔" مہرالنساء تذبذب کا شکار تھی۔

"میں بہت مان سے آئی ہوں ادی! میں نے سائیں کے سامنے دعویٰ کیا ہے کہ جب وہ اپنے بچے کا عقیقہ کریں گے تو اس کی بڑی ماں اور بہنیں بھی اس میں شریک ہوں گی۔ میرا مان مت توڑیے گا ادی!" جمیلہ نے بے حد لجاجت سے کہا۔

"پرسوں ہوگا نا یہ سات دن کا۔ بس تم مجھے کل کا ایک دن اور دے دو سوچنے کے لیے"۔ مہرالنساء نے جمیلہ سے کہا اور صالحہ شاہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ اپنی نگرانی میں ملازماؤں سے کھانے پینے کے لوازمات اور جمیلہ اور بچے کے لیے تحائف اٹھوائے اندر آ رہی تھیں۔

☆☆☆

"آج رفعت کی بہن کی شادی ہے نا؟"۔ نرمین شاہ نے نورالعین سے پوچھا۔

"ہاں"۔ نورالعین نے مختصر جواب دیا اور کتاب کی طرف متوجہ رہی۔

"تم شرکت نہیں کرو گی شادی میں؟ مایوں' مہندی ہر فنکشن میں وہ بیچاری فون کر کر کے اصرار سے تمہیں بلاتی رہی ہے۔ تم نے ہر بار انکار کر دیا لیکن اب کم از کم شادی میں تو شرکت کرلو"۔ نرمین شاہ نے اسے احساس دلایا۔

"آپ سارے حالات جانتی تو ہیں پھر بھی......"۔ نورالعین نے نرمین شاہ کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے حالات کو؟ ایک رشتہ ہی تو دیا تھا ان لوگوں نے۔ ہم نے انکار کر دیا بات ختم۔ اب کیا اس ذرا سی بات کی خاطر تم اپنی اتنی اچھی دوستی ختم کر دو گی"۔ نرمین شاہ نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔

"گاؤں میں کسی کو بھنک بھی مل گئی نا میرے وہاں جانے کی تو آفت آجائے گی"۔

"کون دے گا اطلاع۔ یوں بھی تم ہمارے پاس رہ رہی ہو' ہماری ذمہ داری ہو کہیں بھی کوئی تمہارے کسی فعل پر اعتراض کرے گا تو اس کا جواب میں اور تمہارے لالہ دیں گے"۔ یہ اعتماد جو نرمین شاہ کے لہجے میں تھا' مطیب شاہ کی رفاقت کی دین تھا۔

"لالہ بھی تو گاؤں گئے ہوئے ہیں اگر وہ یہاں ہوتے تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا رفعت کے ہاں جانے کا"۔ نورالعین بہت محتاط طبیعت کی مالک تھی۔

"تمہارے لالہ سے میری اس موضوع پر بات ہو چکی ہے۔ میں نے انہیں رفعت

کی بار بار آنے والی کالز کے بارے میں بتا دیا تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ لازماً تمہارے ساتھ شادی میں شرکت کریں گے اگر مہرالنساء آپا نے ایمرجنسی میں نہ بلایا ہوتا تو وہ اس وقت ہرگز بھی گاؤں نہیں جاتے۔ اب بھی وہ جانے سے پہلے کہہ کر گئے ہیں کہ میں اور تم ڈرائیور کے ساتھ وہاں چلے جائیں"۔ نرمین شاہ نے اسے مطیب شاہ کی رضامندی کے بارے میں بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ رفعت اس کی کالج میں واحد دوست تھی جو ہر لمحہ اس کی مدد کے لیے تیار رہتی تھی۔ اس کی خوشی میں شریک ہونا نورالعین کا ایک طرح سے فرض ہی بنتا تھا۔

"زیادہ سوچ بچار مت کرو اور تیاری شروع کر دو"۔ نرمین شاہ نے اسے سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر ٹوکا۔

"لیکن صرف ایک گھنٹے کے لیے جائیں گے"۔ نورالعین نے شرط پیش کی۔ نرمین شاہ نے مسکراتے ہوئے گویا اس شرط کو منظور کر لیا۔

پھر جب وہ دونوں سادگی سے تیار ہو کر ڈرائیور کے ساتھ شہر کے اس مشہور ہوٹل میں پہنچیں جس میں مدحت معیز کی شادی کا انتظام کیا گیا تھا تو محفل اپنے عروج پر تھی۔ بارات آچکی تھی اور محفل میں خوشی اور مسرت کے نغمے بکھر رہے تھے۔

"تھینک گاڈ! تم نے اپنی قسم تو توڑی ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ تم آج بھی نہیں آؤ گی"۔ رفعت نے اسے دیکھا تو لپک کر آئی۔

"تھینک یو بھابی! مجھے معلوم ہے یہ آپ کا کارنامہ ہے ورنہ اپنی دوست سے تو مجھے ایسی کوئی امید نہیں"۔ اس نے نرمین شاہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بہت ممنون لہجے میں کہا تو وہ فقط مسکرا کر رہ گئی پھر رفعت ان دونوں کو لیے ایک ٹیبل پر آ گئی یہاں پہلے سے ایک درمیانی عمر کی خاتون اور اسمارٹ سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ میری آنٹی ہیں۔ مما کی اکلوتی بہن اور یہ ان کی اکلوتی بیٹی حبہ ہے۔ نورالعین کو تو تم جانتی ہو حبہ! اس کے ساتھ اس کی بھابی نرمین شاہ ہیں"۔ رفعت نے تعارف کا فریضہ انجام دیا اور پھر یہ کہتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''مدحت آپی اسٹیج پر بیٹھے بیٹھے مجھے اشارے کر رہی ہیں۔ پتا نہیں کیا کام ہے۔ میں ابھی دیکھ کر آتی ہوں''۔

''دیکھا تو میں نے تمہیں مدحت کی انگیجمنٹ والے دن بھی تھا لیکن باقاعدہ ملاقات کی خواہش آج پوری ہو رہی ہے'' حبہ نے نورالعین سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''رفعت اکثر ذکر کرتی رہتی ہے آپ کا۔ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی''۔ نورالعین نے بھی سادگی سے جواباً کہا۔

''حالانکہ قابلِ ذکر بات تو صرف تم میں ہے'' حبہ کا انداز سادہ تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر چھائی شریری مسکراہٹ نے نورالعین کو الجھا دیا۔ وہ اسی الجھن میں تھی کہ زرمین شاہ نے اس کو ٹہوکا دیا۔

''رفعت اسٹیج پر تمہیں بلا رہی ہے''۔ نورالعین نے دیکھا واقعی وہ مسلسل اسے اشارے کر رہی تھی۔

''آپ بھی چلیں ساتھ''۔ نورالعین نے زرمین شاہ سے کہا۔

''پلیز نور! تم کوئی بچی تھوڑی ہو کہ رش میں کھو جاؤ گی''۔ زرمین شاہ نے اسے ہلکی سی سرزنش کرتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

''جاؤ' جا کر سنو رفعت کیا کہہ رہی ہے۔ میں جب تک یہاں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوں''۔ ناچار نورالعین کو رفعت کے پاس جانا پڑا۔

''آپی سے مل لو''۔ وہ اسٹیج پر پہنچی تو رفعت نے کہا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ''۔ نورالعین نے آگے بڑھ کر مدحت سے ہاتھ ملایا اور ساتھ ہی اس کی تعریف بھی کی۔

''تھینکس' آؤ بیٹھو نا۔ میرے ساتھ ایک تصویر بنوا لو''۔ مدحت نے اسے آفر کی۔

''بالکل...... میں اور تم آپی کے ساتھ تصویر بنواتے ہیں یادگار رہے گی''۔ رفعت نے فوراً بڑی بہن کی تائید کی۔

''نہیں' پلیز''۔ نورالعین نے انکار کیا اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی اسے

پہلے ہی اسٹیپ پر اپنے قدم روکنے پڑے۔ سامنے احمر معیز کھڑا تھا۔ یقیناً وہ اسٹیج کے اوپر آنا چاہ رہا تھا۔

''السلام علیکم!''۔ اس نے نورالعین کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام''۔ نورالعین گھبرا گئی تھی لیکن جواب دینا اس کی مجبوری تھی۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ کیا آپ مجھے کچھ وقت دے سکیں گی''۔ احمر معیز نے ایک اسٹیپ چڑھ کر درمیانی فاصلہ قدرے کم کر دیا تھا۔

''سوری''۔ نورالعین نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''بات تو میں آپ سے ضرور کروں گا۔ آج نہ سہی پھر کبھی سہی''۔ وہ اپنی بات کہہ کر واپس پلٹ گیا۔ نورالعین نے لرزتے قدموں سے باقی کے تین اسٹیپ طے کیے اور زرمین شاہ کی طرف لپکی۔ اب وہ مزید چند منٹ بھی اس محفل میں نہیں رکنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''جمیلہ بہت مان سے مجھے بلا کر گئی ہے لیکن مجھے یوں اس طرح خود سے واپس جانا اچھا نہیں لگ رہا۔ اس طرح تو ''انہیں'' اور بھی اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہوگا اور جب احساس نہیں ہوا تو وہ اپنا رویہ کیسے ٹھیک کریں گے۔ ''ان'' کے جس رویے کی وجہ سے میں اتنے دن سے اپنا گھر چھوڑ کر یہاں بیٹھی ہوئی ہوں اگر واپس جا کر بھی وہی سلوک سہوں تو پھر مجھے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی''۔ مہرالنساء' مطیب شاہ کے ساتھ اپنا مسئلہ ڈسکس کر رہی تھی۔ ماں باپ یا بڑی بہن سے اس نے اس سلسلے میں کوئی رائے اس لیے نہیں لی تھی کہ ان کی رائے وہ پہلے سے ہی جانتی تھی۔ وہ سب یہی کہتے کہ وہ غیاث شاہ کے گھر واپس لوٹ جائے۔ لوٹنا وہ بھی چاہتی تھی لیکن کچھ اس طرح کہ اس کی انا مجروح نہ ہو۔

''بات تمہاری ٹھیک ہے اور اس بات کو ذہن میں رکھو کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی میں بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ غیاث سے ان

معاملات پر کوئی بات ہو بکہ باتیں تمہیں بھی سمجھادوں۔ ہو سکتا ہے میری یہ باتیں تمہیں کچھ خاص پسند نہ آئیں لیکن کہنا بہر حال مجھے وہی ہے جو حق ہے اور ان حالات میں مناسب ترین بھی"۔ مطیب شاہ نے مہر سے ساری بات سننے کے بعد تمہید باندھی۔

آپ پر بھروسا ہے جبھی تو سب کو چھوڑ کر آپ کو مشورے کے لیے بلایا ہے۔ آپ جو کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں میں ہر گز بھی برا نہیں مانوں گی"۔ مہر نے جواب دیا۔

"سچ تو یہ ہے مہر کہ جب غیاث شاہ نے دوسری شادی کی تو مجھے بہت غصہ آیا' میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کروں لیکن اس وقت تم بڑے صبر کے ساتھ اپنے گھر میں وقت گزارتی رہیں یا شاید اصل مسئلہ ہی تمہیں جب پیش آیا جب تمہاری سوکن کی طرف سے غیاث شاہ کو خوشخبری ملی۔ اس نے جس مقصد کے حصول کا راستہ کھلا تو وہ روایتی مردوں کی طرح پوری طرح ایک بیوی کی طرف جھک گیا اور یہ صورت حال تمہارے لیے تکلیف کا باعث بنی۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتا رہتا تو تمہیں گھر چھوڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"۔ مطیب شاہ نے اپنی بات کی تائید چاہی۔

"جی ـــــ"۔ مہر نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ غیاث شاہ کو اپنی دوسری بیوی کی طرف سے خواہش کے مطابق بیٹا مل چکا ہے اور امکان یہی نظر آتا ہے کہ اس کا جھکاؤ اپنے بیٹے کی ماں کی طرف قیمتاً زیادہ رہے گا۔ اگر تم واپس جاتی ہو تو اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا"۔

"مجھے خود بھی یہی ڈر ہے اسی لیے واپس جاتے ہوئے جھجک رہی ہوں"۔

"اب معاملے کو دوسرے رخ سے دیکھو۔ فرض کرو تم واپس اپنے گھر نہیں جاتیں اور ساری زندگی یہیں حویلی میں رہتی ہو تو اس صورت میں یہاں اپنی اور اپنی بچیوں کی حیثیت کا تعین کرو۔ وہ بھی اس اعتبار سے کہ اماں اور بابا جان تمہارے یہاں آنے سے خوش نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ ان حالات میں تم تجزیہ کر سکتی ہو کہ تمہاری بیٹیوں کا کہاں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس حویلی میں جہاں ان کا کوئی حق

ہی نہیں سمجھا جاتا یا اس گھر میں جو ان کے باپ کا ہے اور جس پر ان کے حق سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا"۔ مطیب شاہ کی باتیں مہر کی آنکھوں میں آنسو لے آئیں۔

"مجھے ساری فکر اپنی بچیوں کی ہے۔ یہاں وہ خود کو اجنبی محسوس کرتی ہیں۔ چند ماہ کے عرصے میں ہی بالکل گھٹ کر رہ گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں ان معصوموں کو نہ باپ کا پیار حاصل ہے نہ نانا نانی کی شفقت"۔ مہر النساء نے کہا۔

"ان حالات میں مصالحت ہی سب سے بہترین راستہ ہے۔ تمہارا گھر ٹوٹے یا بچیاں بے گھر ہوں اس سے کہیں بہتر ہے تم تھوڑا سا اپنا ظرف بڑا کرلو۔ اللہ بھی ان حالات میں یہی حکم دیتا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر 128 میں لکھا ہے کہ "اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پروائی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کرلیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر چیز ہے"۔ تم دیکھو یہ آیت خاص تمہارے معاملے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ تمہارے حالات ایسے ہیں کہ مصالحت اور حقوق کی تھوڑی بہت کمی بیشی پر سمجھوتے کے سوا کوئی دوسرا اچھا راستہ نکل ہی نہیں سکتا۔ اب اگر تم اس راستے کو اپنانے کے لیے تیار ہو تو ہم درمیان میں چاچا سائیں کو ڈال کر غیاث شاہ سے بات کرتے ہیں۔ تھوڑا تم جھک جانا تھوڑا ہم اسے سمجھائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہتری کی صورت نکل ہی آئے گی پھر تمہاری سوکن کا رویہ بھی بڑا حوصلہ افزا ہے۔ اس نے جس طرح یہاں آکر تمہیں واپس گھر آنے کی دعوت دی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ فطرتاً ایک اچھی عورت ہے۔ ماضی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو بھلا کر پیار محبت سے رہو گی تو تم دونوں کی اچھی نبھ جائے گی"۔ مطیب شاہ بہت ٹھہرے ہوئے اور نپے تلے انداز میں مہر کو سمجھا رہے تھے۔ مہر کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قائل ہو رہی ہے۔

"مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے لالا! آپ میرے لیے جو مناسب سمجھیں کریں"۔ بالآخر اس نے مطیب شاہ کو اپنی رضامندی دے دی۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی نورالعین نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو......''

''السلام علیکم' آپ نورالعین بات کر رہی ہیں نا؟'' دوسری طرف سے آتی آواز کو وہ شناخت نہیں کر سکی اس لیے الجھ کر بولی۔

''جی ہاں' میں نورالعین ہی بات کر رہی ہوں لیکن آپ کون ہیں؟''

''احمر معیز''۔ اس جواب نے نورالعین کو سر تا پا لرزا دیا۔ ''بغیر اجازت فون کرنے پر معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی''۔ وہ بہت مہذب لہجے میں بول رہا تھا لیکن پھر بھی نورالعین کو اپنے وجود میں غصے کی لہر سی اٹھتی محسوس ہوئی۔ ابھی چند دن پہلے وہ اس شخص کی وجہ سے کیسی مشکل میں گرفتار ہوئی تھی۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی''۔ تلخی سے کہہ کر اس نے ریسیور واپس پٹخ دیا لیکن فوراً ہی بیل دوبارہ بجنے لگی۔

''اگر آپ نے میری بات نہیں سنی تو بار بار فون کرتا رہوں گا اور شاید یہ آپ کو اچھا نہ لگے''۔ دوسری طرف وہی تھا اپنے لہجے میں ضد سموئے۔ نورالعین نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''فرمائیے''

''بات وہی ہے جو میں اپنے والدین کے ذریعے پہلے بھی آپ تک پہنچا چکا ہوں''۔ وہ بھی براہ راست مطلب پر اتر آیا۔

''اس بات کا جواب آپ کے والدین کو دے دیا گیا تھا۔ کسی نکاح شدہ لڑکی کو اس سلسلے میں تنگ کرنا اخلاقی پستی کی نشانی ہے''۔ نورالعین اسے ذرا بھی ڈھیل نہیں دینا چاہتی تھی سو بنا کسی لحاظ کے جواب دیا۔

''جس بلیک میلنگ کے ذریعے آپ کا نکاح کیا گیا ہے اصل اخلاقی پستی تو وہ تھی اور آپ چاہیں تو تھوڑی جرأت سے کام لے کر خود کو اس نکاح کے بوجھ سے آزاد کرا سکتی ہیں''۔

''وہ کیسے؟'' احمر معیز کے پرجوش انداز کے مقابلے میں اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

''آپ کورٹ کا سہارا لے سکتی ہیں۔ آپ عاقل و بالغ ہیں' آپ کا نکاح آپ کی مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ آپ اس نکاح کو چیلنج کر سکتی ہیں اگر آپ ہمت کریں تو میں آپ کا ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار ہوں''۔ احمر معیز کی بات پر نورالعین طنز سے ہنس دی۔

''مسٹر احمر! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں خود غرض نہیں' میں نے اگر اپنے لوگوں کی بھلائی کے لیے قربانی دی ہے تو اسے آخری لمحے تک نبھاؤں گی۔ اگر میں آج اپنے وعدے سے پھر جاؤں تو کل میرے خاندان کا کوئی بھی باپ اپنی بیٹی پر اعتبار نہیں کرے گا اور جو راستہ میں نے اپنے پیچھے والوں کے لیے کھولا ہے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ آپ نے میرے بابا سائیں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ اول تو آپ کسی عدالت سے ان کے خلاف جیت نہیں سکتے۔ دوم معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے ہی وہ ایک گولی میرے سینے میں اتار کر فیصلہ خود سنا دیں گے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ میں چاہے سجاد شاہ کے نکاح میں ہوتی یا نہیں لیکن یہ طے ہے کہ میرا انتخاب آپ کسی صورت نہیں ہو سکتے تھے۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے اور آئندہ یہاں فون کرنے کی حماقت نہیں کریں گے''۔ نورالعین نے بہت اطمینان سے اپنی بات مکمل کی اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اسے یقین تھا کہ احمر معیز دوبارہ یہاں فون نہیں کرے گا۔

''میں چاہے سجاد شاہ کے نکاح میں ہوتی یا نہیں لیکن یہ طے ہے کہ میرا انتخاب آپ کسی صورت نہیں ہو سکتے تھے''۔ اس کے ذہن میں اپنے ہی کہے جملے کی بازگشت گونجی تو وہ چونک گئی اور پھر ایک سوال ذہن میں ابھرا۔

''اگر مجھے انتخاب کا حق دیا جاتا تو وہ کون ہوتا جسے میں منتخب کرتی''۔ جواباً ایک

چہرہ آنکھوں کے سامنے عکس بن کر ابھرا۔ یہ چہرہ بہت دن ہوئے کسی اجنبی دیس کی اجنبی فضاؤں میں گم ہو چکا تھا لیکن نورالعین کے تصور میں اس کا ہر نقش زندہ تھا۔

اس نے سر جھٹک کر اس عکس کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن یوں ہوتا نہیں ہے کچھ عکس انمٹ ہوتے ہیں جن کا مٹنا تو دور کی بات دھندلانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

☆☆☆

"میں نے مہرالنساء کو گھر سے نہیں نکالا۔ وہ اپنی مرضی سے گئی تھی۔ اسے میری دوسری بیوی پر اعتراض تھا۔ اس نے کہا وہ گزارہ نہیں کر سکتی اور چلی گئی' اس میں میرا کیا قصور؟" غیاث شاہ' امیر شاہ اور مطیب شاہ کے ساتھ بیٹھا اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ امیر شاہ نے خصوصی پیغام بھیج کر اسے اپنی رہائش گاہ پر بلوایا تھا۔

"عورتیں تھوڑی جذباتی ہوتی ہیں پتر! اگر تو تھوڑا پیار محبت سے سمجھاتا تو وہ سمجھ جاتی مگر تو نے بجائے سمجھانے کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ آگے بھی تو ہمارے ہاں لوگوں نے دو دو شادیاں کر رکھی ہیں اور دونوں ہی بیویوں کو خوش رکھتے ہیں۔ تو کیا مرد ہے جو اپنا گھر نہیں سنبھال سکا"۔ امیر شاہ جو غیاث شاہ کے رشتے میں خالو لگتے تھے اسے گھرکنے لگے۔

"میں کیا کرتا خالو جان! وہ سمجھوتے پر راضی نہیں تھی۔ میں نے دوسری شادی کوئی شوق میں نہیں کی تھی۔ مجھے اپنا وارث چاہیے تھا۔ اگر مہرالنساء سے مجھے وارث ملنے کی امید ہوتی تو میں کبھی دوسری شادی نہیں کرتا لیکن وہ یہ بات سمجھتی ہی نہیں"۔

"یہ بات غلط ہے کہ مہر نے تمہاری دوسری شادی پر سمجھوتا نہیں کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اسی وقت تمہیں چھوڑ کر حویلی واپس آ جاتی جب تم جمیلہ کی ڈولی لائے تھے۔ اس نے تمہارا گھر تمہاری شادی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے رویے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ اس گھر میں جہاں اس کے اور اس کی بچیوں کے حقوق غصب کیے جا رہے تھے وہ آخر کس طرح رہتی"۔ مطیب شاہ سے غیاث شاہ کی دروغ گوئی برداشت نہیں ہوئی اور وہ بول اٹھے۔

"آرام سے پتر! آرام سے۔ ہم یہاں معاملہ سلجھانے بیٹھے ہیں"۔ امیر شاہ نے مطیب شاہ کے شانے پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے برداشت سے کام لینے کا اشارہ دیا اور پھر غیاث شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"جو ہوا سو ہوا لیکن معاملہ ساری زندگی تو اس طرح نہیں چل سکتا۔ ہمارے ہاں اپنی عورتوں کو چھوڑنے کا رواج نہیں۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم دونوں میاں بیوی آپس میں صلح صفائی کر لو اور تم مہرالنساء کو اپنے ساتھ گھر واپس لے جاؤ"۔

"میری طرف سے انکار نہیں لیکن اسے لینے میں نہیں جاؤں گا۔ وہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر گئی ہے اور اپنی مرضی سے جب چاہے واپس آ سکتی ہے"۔ غیاث شاہ کے لہجے میں اکڑ تھی۔

"اس نے بے سبب گھر نہیں چھوڑا تھا۔ تمہاری بے اعتنائی نے اسے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا"۔ مطیب شاہ ایک بار پھر بہن کی حمایت میں میدان میں اترے۔

"ہو سکتا ہے اسے ایسا لگا ہو۔ ان دنوں جمیلہ کی طبیعت خراب تھی' اسے توجہ کی ضرورت تھی۔ ایسے میں اگر میرا دھیان اس کی طرف زیادہ ہو گیا تو کوئی انوکھی بات نہیں"۔ غیاث شاہ یوں تو اب بھی اکڑ کر ہی بات کر رہا تھا لیکن اس نے اپنی کوتاہی کا بھی دبے دبے لفظوں میں اقرار کر لیا تھا۔

"دوسری شادی کرنا کوئی مسئلہ نہیں غیاث شاہ! مسئلہ بیویوں کے درمیان مساوات کو قائم رکھنا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہو گا۔ (ترمذی۔ کتاب النکاح) تم سوچو جس بات کو تم معمولی سمجھ رہے ہو وہ کتنی اہمیت کی حامل ہے۔ چند ماہ کے لیے سہی مگر تم نے مساوات کے اصول کو توڑا ضرور تھا اور اس طرح کر کے تم نے نہ صرف مہر کے ساتھ ناانصافی کی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کی بھی نافرمانی کی ہے"۔ مطیب شاہ نے اسے ایسے پہلو سے گھیرا تھا کہ وہ جواب میں کچھ کہہ نہیں سکا۔

"میری مانو تو پتر! یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جمیلہ نے جس طرح دل بڑا کیا ہے۔ اس سے مہر بیٹی کے دل میں اس کے لیے بڑی قدر پیدا ہوئی ہے۔ تیرے لیے یہ بہت اچھا شگن ہے۔ جب دونوں عورتیں ایک دوسرے کو دل سے قبول کر لیں گی تو تیرے لیے دونوں سے رشتہ نبھانا بہت آسان ہو جائے گا"۔ امیر شاہ نے اسے معاملے کا ایک اور روشن پہلو دکھایا۔

"لیکن خالو! میں....."

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ میں نے مہر النساء کو اور تمہاری بچیوں کو یہاں اپنے گھر بلا رکھا ہے۔ وہ لوگ یہیں سے تمہارے ساتھ گھر روانہ ہو جائیں گی۔ اس طرح تمہیں جھک کر اسے حویلی لینے جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اس کا مان بھی رہ جائے گا کہ تمہارے ساتھ واپس اپنے گھر لوٹ رہی ہے"۔ امیر شاہ نے غیاث شاہ کے کچھ بولنے کی کوشش کو ناکام بناتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا۔

"جیسا آپ کا حکم خالو جان!" غیاث شاہ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

"میں نے مہر کو بھی بہت کچھ سمجھایا ہے غیاث شاہ! اور تم تک بھی حکمِ خداوندی پہنچا دیا ہے جو میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کر دیا۔ اب آگے سارے معاملات تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ میں تو صرف اچھی امید ہی رکھ سکتا ہوں کہ تم یہ رشتہ انصاف سے نبھاؤ گے"۔ مہر النساء اور بچیوں کو غیاث شاہ کے ساتھ رخصت کرتے ہوئے مطیب شاہ نے اس سے کہا۔

"میں کوشش کروں گا لالہ"۔ غیاث شاہ کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ مطیب شاہ آسودگی سے مسکرا دیے۔ ان حالات میں وہ مہر کے لیے جو سب سے بہترین کر سکتے تھے وہ انہوں نے کیا تھا۔ آگے کے حالات کی بہتری کا دارومدار مہر کی صوابدید اور غیاث شاہ کی منصفی کے توازن پر تھا اور انہیں امید تھی کہ یہ گاڑی چل ہی پڑے گی۔ اگر کہیں کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ خود تو ہر وقت ان کے درمیان مصالحت کروانے کے لیے موجود ہی تھا۔

☆☆☆

"بہت دن ہو گئے عمر کا کوئی خط یا فون نہیں آیا"۔ ڈائننگ ٹیبل پر نور العین اور زرمین شاہ کے ساتھ بیٹھے مطیب شاہ کو اچانک ہی عمر احسان کی یاد ستائی۔ اس ذکر پر نور العین کے ہاتھ خود بخود ہی سست پڑ گئے اور اس کا پورا وجود ساعت بن گیا۔ یہ بات تو خود اس نے بھی محسوس کی تھی کہ بہت دنوں سے عمر احسان نے کوئی رابطہ نہیں کیا ورنہ اگر ایسا ہوتا تو اسے زرمین شاہ کے ذریعے خبر ضرور ملتی۔

"آپ خود اس سے کنٹیکٹ کر لیتے۔ ممکن ہے مصروف ہو اس لیے آپ سے رابطہ نہ کر سکا ہو"۔ زرمین شاہ نے مشورہ دیا۔

"میں نے فون کیا تھا لیکن وہ بریڈ فورڈ کے جس فلیٹ میں مقیم تھا وہاں اب کوئی اور رہ رہا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ عمر کہاں گیا"۔ مطیب شاہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"اس نے اپنے آخری خط میں ذکر تو کیا تھا کہ وہ بریڈ فورڈ چھوڑ کر ساؤتھ آل شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ممکن ہے شفٹ ہو گیا ہو"۔ زرمین شاہ نے یاد دلایا۔

"تو اسے مجھے اپنا ایڈریس بھیجنا چاہیے تھا"۔ مطیب شاہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"بھیج دے گا بھئی۔ آپ تو ضرورت سے زیادہ عمر احسان کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں"۔ زرمین شاہ نے تسلی دی اور اپنے ہاتھ سے ان کی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگی۔ مطیب شاہ نے اشارے سے اسے مزید چاول ڈالنے سے روکا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں نہیں جانتا زرمین کہ عمر احسان میں کیا ہے لیکن میرا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔ وہ مجھے بالکل کسی سگے بھائی جیسا پیارا ہے۔ وہ دور رہے تو مجھے ایک بڑے بھائی کی طرح ہر وقت اس کی فکر رہتی ہے اور پھر جن حالات میں وہ یہاں سے گیا ہے انہیں سوچ کر میں مزید تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ عمر احسان اتنی شکستگی اور دل گرفتگی کا شکار بھی ہو سکتا ہے' میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ بس مجھے یہ ضرور لگا کہ انکل کی ڈیتھ کے

ساتھ ساتھ کوئی اور غم بھی ہے جو اسے اندر ہی اندر کھا رہا ہے اور وہ اس غم کو کسی سے شیئر بھی نہیں کرنا چاہتا''۔ مطیب شاہ بہت سوچ سوچ کر کہہ رہے تھے۔ نورالعین کے حلق میں نوالے پھنسنے لگے اور وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ عمر احسان کے اندر چھپے غم سے وہ واقف تھی۔ ان دنوں جب اس کے والد کا انتقال ہوا تھا اور نورالعین' نرمین شاہ کے ساتھ روزانہ ہی اس کے گھر جاتی تھی' عمر احسان نے اس سے کہا تھا۔

''آپ میرے سامنے نہ آیا کریں نورالعین! آپ کو دیکھ کر یہ احساس کچھ اور بڑھ جاتا ہے کہ میں آپ سی لاحاصل تمنا کے پیچھے بھاگتا اتنی دور نکل گیا کہ ابا کو کھو بیٹھا''۔ عمر احسان کا یہ جملہ گو بہت واضح نہیں تھا لیکن نورالعین نے اسے پوری جزئیات کے ساتھ سمجھا تھا۔ وہ جو اپنے اندر بستے ہوں ان کی ادھوری باتیں بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔ عمر احسان اسے چاہنے کی غلطی کر بیٹھا تھا اور اب اس خلش کا شکار تھا کہ اپنی چاہت کی دیوانگی میں ابا کی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکا۔ خلش تو نورالعین کے دل میں بھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ عمر احسان کو دل میں بسائے بسائے وہ سجاد شاہ کا گھر کیونکر بسا سکے گی۔

☆☆☆

''آج تم بہت چپ چپ سی لگ رہی ہو؟'' کاریڈور میں نورالعین کے ساتھ رفعت معیز نے اسے ٹوکا۔

''میں زیادہ بولتی ہی کب ہوں؟'' نورالعین نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''یہ تو ہے لیکن آج تم پر ایک عجیب سی یاسیت چھائی ہوئی ہے''۔

''ہاں' پتا نہیں کیوں دل بہت بجھا بجھا سا محسوس ہو رہا ہے' عجیب بے چینی سی ہے''۔ نورالعین نے الجھے ہوئے انداز میں اعتراف کیا۔

''میرا خیال ہے تھک گئی ہو۔ پڑھائی بھی ٹف ہے اور وارڈز کا بوجھ الگ پھر بہت دنوں سے گاؤں بھی نہیں جا سکیں۔ شاید اپنے والدین کی کمی محسوس ہو رہی ہو''۔ رفعت خود ہی اس کا تجزیہ کرنے لگی۔ نورالعین ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب

نہیں دے سکی۔ اسی وقت کاریڈور کے آخری سرے پر لگے اسپیکر سے اناؤنسمنٹ کی آواز آنے لگی۔ حیرت کا مقام تھا کہ یہ اناؤنسمنٹ نورالعین کے لیے تھی۔ اسے ڈاکٹر زبیر کے کمرے میں کال کیا جا رہا تھا۔

''یا اللہ خیر! یہ انہیں تمہاری یاد کیوں ستائی؟'' رفعت نے ہول کر کہا اور اس کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی ڈاکٹر زبیر کے کمرے کی طرف لپکی۔

''مے آئی کم اِن سر؟'' رفعت باہر ہی رک گئی تھی۔ اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر ڈاکٹر زبیر سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

''یس ڈاکٹر نورالعین''۔ انہوں نے اسے اجازت دی اور اس کے قدم بڑھا کر اندر داخل ہونے پر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے''۔ آپ کے بھائی آپ کو لینے آئے ہیں' اسی لیے میں نے آپ کو کال کیا ہے''۔ ان کے کہنے پر نورالعین نے پہلی بار وہاں مطیب شاہ کی موجودگی کو نوٹس کیا اور مزید گھبرا گئی۔

''خیریت تو ہے لالہ؟'' مطیب شاہ کی یوں موجودگی اس کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔

''ہاں ہاں میں ڈاکٹر زبیر سے ملنے آیا تھا تو سوچا تمہیں بھی ساتھ لیتا چلوں''۔ مطیب شاہ نے مسکرا کر اسے تسلی دی لیکن نورالعین کو ان کی مسکراہٹ بھی پھیکی سی لگی۔ وہ باہر آ کر رفعت کو اپنی خالہ کے ساتھ روانگی کا بتا کر مطیب شاہ کی گاڑی میں آ بیٹھی۔

''سب ٹھیک تو ہے لالہ! نرمین بھابی تو خیریت سے ہیں''۔ آج کل نرمین کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ شادی کے اتنے عرصے بعد اس طرف سے خوشخبری سننے کو ملی تھی لیکن ساتھ ہی لیڈی ڈاکٹر نے کچھ کمپلیکیشنز کا بھی خدشہ ظاہر کیا تھا اس لیے قدرتی طور پر نورالعین کا دھیان سب سے پہلے اسی کی طرف گیا۔

''نرمین ٹھیک ہے۔ ابھی گھر ہی جا رہی ہو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا''۔ مطیب شاہ نے اسے تسلی دی تو وہ خاموش ہو گئی لیکن مطیب شاہ کے چہرے پر چھائے تاثرات اسے مسلسل خوفزدہ کر رہے تھے۔ گھر پہنچی تو نرمین کو صحیح سلامت دیکھ کر اسے تسلی ہوئی لیکن

چہرہ اس کا بھی ستا ہوا تھا۔

"تم فریش ہو کر آ جاؤ پھر کھانا کھاتے ہیں"۔ زرمین شاہ کی آواز میں ہمیشہ والی تازگی نہیں تھی۔

"مجھے بتائیں بھابی کیا ہوا ہے؟ آپ لوگ اتنے چپ اور اداس کیوں لگ رہے ہیں؟" اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ زرمین سے پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں ہوا' تمہارا وہم ہے"۔ زرمین شاہ نے اس سے نظریں چرائیں۔

"کچھ نہیں ہوا تو لالہ اس طرح مجھے لینے اسپتال کیوں پہنچے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟" وہ اس طرح بحث کرنے کی عادی نہیں تھی لیکن فضا میں چھائی اداسی اور خود اپنے دل میں ہونے والی گھبراہٹ اسے سوال در سوال کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"وہ تمہیں اس لیے لے کر آئے ہیں کہ تمہیں ان کے ساتھ گاؤں جانا ہے۔ جاؤ شاباش جلدی سے فریش ہو کر آ جاؤ تاکہ تم لوگ کھانا کھا کر روانہ ہو سکو"۔ زرمین شاہ نے اسے بہلایا۔

"گاؤں' لیکن کیوں' اماں' بابا جان سب لوگ ٹھیک تو ہیں نا؟" وہ مزید گھبرائی۔

"سب ٹھیک ہیں خدانخواستہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو کیا میں تم لوگوں کے ساتھ نہ چلتی۔ یہ تو بس تمہارے لالہ کا اچانک پروگرام بن گیا تو انہوں نے کہا کہ نور کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہوں اور تم پتا نہیں کیا کیا سوچ رہی ہو"۔ زرمین شاہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے تسلی دی البتہ نورالعین کو اس کی دلیل نے ضرور متاثر کیا اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دس منٹ بعد وہ فریش ہو کر واپس آئی تو زرمین کھانے کی میز پر اس کی منتظر تھی۔

"لالہ نہیں کھائیں گے کھانا؟" اس نے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے کالج میں چائے کے ساتھ کافی کچھ لے لیا تھا۔ اس لیے فی الحال گنجائش نہیں"۔ زرمین نے جواب دے کر اسے کھانا نکالنے کا اشارہ کیا لیکن نورالعین نے دیکھا کہ وہ اپنی پلیٹ میں موجود ذرا سا کھانا لیے بیٹھی ہے اور خود کچھ کھا نہیں رہی۔ نورالعین نے بھی بمشکل دو چار نوالے حلق سے اتارے اور کھڑی ہو گئی۔ اس بار زرمین

شاہ نے بھی اصرار نہیں کیا۔ کھانے کے فوراً بعد وہ لوگ گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔ نورالعین نے دیکھا کہ انہیں رخصت کرتے ہوئے زرمین شاہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ سارا راستہ مطیب شاہ خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے۔ نورالعین نے بھی کچھ نہیں پوچھا کہ اب تو وہ گاؤں جا ہی رہی تھی اور جو بھی بات تھی وہ عنقریب سامنے آنے والی تھی۔

"جو خبر میں تمہیں سنانے جا رہا ہوں وہ خود میرے لیے بھی بہت شاکنگ تھی۔ تمہیں اسی لیے گھر پر نہیں سنائی کہ اتنا طویل راستہ کاٹنا مشکل ہو جاتا"۔ گاؤں کی حدود میں داخل ہوتے ہی مطیب شاہ نے کہا تو نورالعین کا دل دھک سے رہ گیا یعنی اس کے خدشات غلط نہیں تھے۔

"صغریٰ کو اس کے شوہر نے کاری کر دیا ہے"۔ جیسے نورالعین کے کانوں کے قریب کوئی بم بلاسٹ ہوا۔ پہلے گوٹا لگے دوپٹے میں ڈھیروں ڈھیر خواب آنکھوں میں سجائے صغریٰ' عزیز احمد کا نام لے کر چھیڑنے پر جس کے سانولے چہرے پر ڈھیروں گلال بکھر جاتا تھا...... اسی عزیز نے صغریٰ کو کاری کر دیا تھا...... پر کیوں۔ نورالعین بے حد شاک کے عالم میں بیٹھی سوچ رہی تھی اور گاڑی گاؤں کے جانے پہچانے راستوں سے گزرتی حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

"آپ کے ہوتے ہوئے اتنا بڑا ظلم کیسے ہوا بابا جان؟" مطیب شاہ بیک وقت غم وغصہ کا شکار تھے اور ان کی کیفیت ان کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

"کس ظلم کی بات کر رہے ہو مطیب شاہ"۔ قائم شاہ کا لہجہ پرسکون تھا وہ جیسے بیٹے کی کیفیت کو سمجھ ہی نہیں رہے تھے۔

"صغریٰ کے ساتھ جو ہوا ہے کیا آپ نہیں جانتے یا جو ہوا ہے اسے ظلم نہیں مانتے؟" مطیب شاہ کی آواز میں تلخی ابھری۔

"ظلم کیسا بابا! اس لڑکی نے اپنا کیا بھگتا ہے۔ کون سا مرد بیوی کو غیر بندے کے ساتھ دیکھ کر برداشت کر سکتا ہے"۔ سید قائم شاہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

"صغریٰ ایسی لڑکی نہیں تھی' یہ ہم سب جانتے ہیں۔ بچپن سے اس کا اس حویلی میں آنا جانا ہے۔ نور کے ساتھ کھیل کود کر بڑی ہوئی ہے۔ اگر اس کے کردار میں کوئی کجی ہوتی تو کیا آپ اسے نور سے راہ و رسم رکھنے کی اجازت دیتے؟" مطیب شاہ کی دلیل میں وزن تھا۔ قائم شاہ اپنی جگہ جزبز سے ہو کر رہ گئے لیکن ہارنا تو بہر حال انہوں نے بھی نہیں سیکھا تھا سو بولے۔

"کون کب بدل جائے' کسے خبر ہوتی ہے؟ صغریٰ پہلے ایسی نہیں تھی لیکن شادی کے بعد ہو گئی۔ عزیز نے خود اسے شفقت کے ساتھ اس کے گھر میں دیکھا تھا۔ جوان خون غیرت سے جوش میں آ گیا۔ وہ تو شفقت جان بچا کر بھاگ نکلا ورنہ صغریٰ کے ساتھ وہ بھی عزیز کے ہاتھوں مارا جاتا اور بابا' تمہیں اس معاملے میں پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہمارے ہاں اسی طریقے سے ہوتا ہے"۔ قائم شاہ نے بیٹے کو تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔

"کیسے نہ پڑوں میں اس معاملے میں؟ ایک انسان کا قتل ہوا ہے اور قاتل سے کوئی حساب لینے والا نہیں۔ آپ جانتے ہیں بابا جان! ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کو قتل کر دینے کے مترادف ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ میں انسانیت کے قتل پر خاموش رہوں"۔ مطیب شاہ کی آواز جوش میں قدرے بلند ہو گئی۔

"قتل ناحق نہیں ہے یہ۔ بالکل جائز قتل ہے پھر بھی تمہاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ پولیس عزیز کو گرفتار کر کے لے گئی ہے"۔

"پولیس کے گرفتار کرنے سے کیا ہوتا ہے' غیرت کے نام پر کیے جانے والے قتل کی سزا ملتی ہی کہاں ہے؟ تھوڑے عرصے بعد ہی وہ شخص' وہ قاتل آزاد گھوم رہا ہو گا۔ اور یہ جائز قتل کیا ہوتا ہے بابا جان! کفر و الحاد کے مقابلے میں کیے جانے والے قتال کے سوا تو مجھے شریعت میں کسی "جائز قتل" کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ غیرت کے نام پر کیے جانے

والے قتل کو آپ کس شرع کے تحت "جائز" قرار دیتے ہیں۔ اللہ نے تو عورت کی عزت و عصمت کو اتنا اہم قرار دیا ہے کہ اس پر تہمت لگانے والا اگر چار گواہ نہ لا سکے تو تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دینے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقابلِ اعتبار ٹھہراتے ہوئے اس کی گواہی کو قبول کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے اور ہمارے ہاں عورت پر تہمت لگا کر قتل کرنے والا "غیرت مندی" کا میڈل سینے پر لگائے فخر سے گھومتا ہے"۔ قائم شاہ کا صغریٰ کے قتل کو جائز قرار دینا مطیب شاہ کو تڑپا گیا تھا۔

"عزیز کوئی باہر کا بندہ نہیں تھا جو گواہ جمع کرتا۔ وہ صغریٰ کا شوہر تھا اور شوہر ہونے کے ناتے اس کا حق تھا کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دیتا"۔ سید قائم شاہ نے ایک بار پھر عزیز کے فعل کا دفاع کیا۔

"حق...... کیسا حق؟ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اور وہ لوگ جو الزام لگائیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہو ان کے پاس گواہ سوائے اپنی ذات کے تو گواہی ان میں سے ہر ایک کی (یہ ہے) کہ چار مرتبہ شہادت دے اللہ کی قسم کھا کر کہ بے شک وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار کہے کہ لعنت اللہ کی اس پر اگر وہ ہو جھوٹا۔ اور ٹل جائے گی اس عورت سے سزا اس طرح شک وہ جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر اگر ہو وہ مرد سچا" (آیت ۶ تا ۹)۔ یہاں اس حکمِ خداوندی میں تو مجھے ایسی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی جس میں بیوی کو غیرت کے نام پر قتل کرنے کی گنجائش نکلتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو مرد و زن دونوں کو یکساں حقوق دیے ہیں۔ اگر مرد الزام لگاتا ہے تو عورت کو بھی صفائی کا حق حاصل ہے۔ عورت قسم کھا کر خود کو اس الزام سے بری کروا سکتی ہے اور ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کروا کر معاملہ اس روز پر چھوڑ دیا جاتا ہے جب اللہ اپنی عدالت لگا کر خود ہر مقدمے کا فیصلہ کرے گا۔ اس روز حق اور ناحق دونوں سامنے آ جائیں گے۔ پھر آپ کس قانون کے تحت عزیز کو "حق" پر قرار دے رہے ہیں"۔ مطیب شاہ وہاں سے دلیل لائے تھے کہ اصولاً قائم شاہ کو اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہیے تھی لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور رعونت سے بولے۔

''ہمیں زیادہ شریعت پڑھانے کی کوشش مت کرو مطیب شاہ! ہمارے اپنے رسم و رواج اور اصول ہیں جو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم تم جیسے کل کے چھوکرے کی باتوں میں آ کر اپنے بزرگوں کے بنائے اصولوں کو ہرگز نہیں توڑ سکتے''۔

''اس وقت سے ڈریں بابا جان! جب ہمیں اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کو توڑنے کے جرم میں اس کا عذاب سہنا پڑے گا''۔ مطیب شاہ نے انہیں سمجھانا چاہا لیکن مطیب شاہ کی یہ جرأت ان کی برداشت کی حد سے بہت زیادہ تھی۔

''نکل جاؤ ہمارے کمرے سے' ہم تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتے''۔ ان کی دھاڑ اتنی بلند تھی کہ صالحہ شاہ دوڑتی ہوئی ان کے کمرے میں آئیں۔ یوں بھی جب وہ دونوں باپ بیٹا گفتگو کر رہے ہوں تو وہ کسی ناخوشگوار بات کے واقع ہو جانے کے خوف سے دہلتی ہی رہتی تھیں۔

''آپ جانتے ہیں آپ کے پاس میری بات کا کوئی جواب نہیں اس لیے غصے سے کام لے کر مجھے خاموش کروا دینا چاہتے ہیں لیکن اس دن کا سوچیں جب اللہ تعالیٰ غضب میں ہوگا اور اس کے غضب کے سامنے کسی کو پر مارنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی'۔ مطیب شاہ بہت آہستہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ پیچھے سید قائم شاہ بے بسی کی آخری حد پر طاری ہو جانے والے غصے پر قابو پانے کے لیے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔

☆☆☆

''نور بی بی! بڑی بی بی جان نے آپ کے لیے یہ دودھ بھجوایا ہے۔ کہہ رہی تھیں آپ جب سے آئی ہیں کچھ نہیں کھایا۔ اب کم از کم یہ دودھ تو پی لیں''۔ حویلی کی ایک ملازمہ دودھ سے بھرا گلاس لیے نورالعین کے کمرے میں آ کر اس سے بولی۔

''نہیں پینا مجھے دودھ۔ واپس لے جاؤ''۔ نورالعین جس کروٹ لیٹی تھی اسی کروٹ لیٹی رہی' لیکن اس کی بھرائی ہوئی آواز سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ ایک تو صغریٰ کی موت کا غم' دوسرے اماں جان کا رویہ۔ انہوں نے

نورالعین کی صغریٰ کی موت کی اطلاع پر گاؤں آمد کو پسند نہیں کیا تھا اور نہ ہی اسے صغریٰ کے گھر جانے کی اجازت دی تھی۔

''کاری کے جنازے میں تو عام لوگ بھی نہیں جاتے۔ تم سید قائم شاہ کی بیٹی ہو کر وہاں کیسے جا سکتی ہو؟'' انہوں نے بہت غضب سے کہا تھا اور نورالعین جانتی تھی کہ یہ نہ اب ہاں میں نہیں بدل سکتی سو اصرار بے کار تھا۔ لیکن اس کے بعد سے وہ مسلسل اپنے کمرے میں بند آنسو بہا رہی تھی۔ صغریٰ' اس کی خدمتگار' غمگسار' ہمدم و ہمساز کیا کیا نہ تھی اور وہ اس کے آخری دیدار تک کے لیے نہیں جا سکی تھی۔ یہ غم رہ رہ کر اس کے دل کو مسل رہا تھا۔

''اس طرح رو رو کر خود کو ہلکان مت کریں بی بی! صغریٰ کی روح کو تکلیف پہنچے گی''۔ ملازمہ اس کے حکم پر واپس جانے کے بجائے ہمت کر کے اس کے قریب آ گئی تھی۔

''صغریٰ کی روح کے لیے تو یہ کرب ہی کافی ہے کہ وہ شخص جسے وہ روح کی گہرائیوں سے چاہتی تھی اس نے ناحق اس کی جان لے لی''۔ نورالعین نے چہرے پر رکھا بازو ہٹا کر ملازمہ کو جواب دیا۔ ملازمہ نے دیکھا شدتِ گریہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''کون جانے اس کے ساتھ کیا ہوا؟ جتنے منہ ہیں اتنی باتیں''۔ ملازمہ اس کے بیڈ کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

''عزیز نے بیان دیا ہے کہ اسے کئی دنوں سے صغریٰ پر شک تھا۔ اس لیے وہ اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ آج سویرے بھی جب صغریٰ گھر سے نکلی تو وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے شفقت کے گھر پہنچ گیا اور پھر اس نے صغریٰ کو شفقت کے ساتھ ایسی حالت میں دیکھا کہ برداشت نہیں کر سکا اور اسے قتل کر ڈالا''۔

''جھوٹ بولتا ہے وہ۔ صغریٰ ایسی لڑکی نہیں تھی۔ وہ بچپن سے عزیز کو چاہتی تھی۔ اس نے شادی سے پہلے بھی عزیز کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تو شادی کے بعد وہ کیسے بہک سکتی تھی''۔ نورالعین ملازمہ کی زبانی عزیز کا بیان سن کر غصے سے چیخ پڑی۔

"دل تو ہم میں سے کسی کا نہیں مانتا لیکن صغریٰ کی لاش شفقت کے گھر سے ملی ہے اور شفقت غائب ہے۔ اس لیے عزیز کی بات ہی سب کو سچ دکھائی دے رہی ہے"۔ ملازمہ نے تاسف سے کہا۔

"دکھائی کچھ بھی دے لیکن سچ وہی ہے جو دل کی گواہی ہے اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میری صغریٰ ایسی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی چال چلی گئی ہے"۔ نورالعین کے لہجے میں یقین تھا۔

"پتا نہیں جی' کیا معاملہ تھا۔ ویسے شادی کے دو تین مہینے بعد ہی صغریٰ مرجھا سی گئی تھی۔ پریشان پریشان سی دکھائی دیتی تھی پر پوچھو تو کچھ کہتی بھی نہیں تھی۔ اب اللہ ہی جانے کیا بات تھی"۔

اور اللہ واقعی جانتا تھا کہ کیا بات تھی۔ عزیز کا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ قرض اس نے شفقت سے سود پر لیا تھا۔ شادی کے بعد صغریٰ کے زیورات وغیرہ بیچ کر قرض اتارنے کی کوشش کی لیکن سودی قرضہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ عزیز نے صغریٰ سے اس سیٹ کو بیچنے کی فرمائش کی جو نورالعین نے اسے تحفتاً دیا تھا۔ صغریٰ کے پاس حقیقتاً اگر کوئی زیور تھا تو وہ یہی سیٹ تھا۔ باقی تو چھوٹی موٹی چیزیں تھیں جو اس کے ماں باپ نے دی تھیں اور جنہیں عزیز کی خوشی کے لیے وہ بہ آسانی قربان کر بیٹھی تھی لیکن نورالعین کا دیا ہوا تحفہ خود سے جدا کرنے پر اس کا من نہیں مانتا تھا۔ عزیز اصرار کرتا رہا لیکن صغریٰ راضی نہیں ہوئی۔ یہیں سے عزیز کی محبت نے غصے کا روپ اختیار کر لیا لیکن وہ بہت چالاک تھا اس نے غصے میں بھی ہوش نہ گنوائے اور ایسی منصوبہ بندی کی کہ صغریٰ کو اس کی نافرمانی کی سزا بھی دے سکے اور شفقت کے قرضے سے جان بھی چھوٹ جائے۔ صغریٰ! عزیز کے حکم پر ہی شفقت سے ملنے گئی تھی۔ عزیز نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اپنا زیور نہیں بیچنا چاہتی تو شفقت سے قرض کی واپسی کے لیے مہلت کی مدت ہی بڑھوا لے۔ عزیز کے مطابق صغریٰ عورت تھی وہ تھوڑا رو دھو کر لجاجت سے بات کرتی تو شفقت مان جاتا۔ صغریٰ! عزیز کے ذہن میں پلتے منصوبے سے بے خبر اس کی بات ماننے پر راضی ہو گئی اور

اس کے حکم کے مطابق کسی کے بھی علم میں لائے بغیر صبح فجر کے وقت شفقت کے گھر جا پہنچی۔ پیچھے سے عزیز بھی کلہاڑی لے کر پہنچ گیا۔ شفقت جو صغریٰ کے اس وقت اپنے گھر آنے پر حیران تھا' عزیز کے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھ کر معاملے کی نزاکت کو بھانپ گیا اور اس نے اپنی جان بچا کر بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ یوں عزیز کا منصوبہ کامیاب رہا اور صغریٰ کے ساتھ ہونے والے ظلم کی کہانی اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گئی لیکن ایسی کہانیاں جو مظلوموں کے ساتھ دفن ہو جائیں روزِ حشر ایک بار پھر جاگیں گی اور انہیں انجام تک وہ پہنچائے گا جس کی منصفی کے آگے ظالم کی کوئی چال نہیں چل سکے گی۔

☆☆☆

"نور جب سے گاؤں سے واپس آئی ہے' بجھی بجھی سی ہے۔ ڈھنگ سے کھانا پینا تک چھوڑ رکھا ہے۔ صغریٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے کا بہت زیادہ اثر لیا ہے اس نے"۔ نرمین شاہ نے دودھ کا گلاس مطیب شاہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

"محسوس تو میں بھی کر رہا ہوں اس کی کیفیت لیکن ہمارے پاس حل بھی کیا ہے۔ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انسان تدبیر سے سلجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن دکھوں کا کیا علاج۔ دکھوں کے زخم تو بس وقت کے مرہم سے ہی بھرتے ہیں۔ نور بھی آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی"۔ مطیب شاہ ایک اٹل حقیقت بیان کر رہے تھے۔

"اگر صغریٰ کے شوہر کو اس قتل کی سزا مل جاتی تو بھی دل کو چین آ جاتا لیکن وہ اتنے بڑے جرم کے بعد جس طرح لوگوں کے درمیان سرخرو ہوا ہے' یہ چیز مزید دکھ دیتی ہے۔ وہ جو مظلوم اور معصوم تھی اپنی جان سے گئی اور جو ظالم ہے وہ ہیرو بنا گھوم رہا ہے"۔ نرمین شاہ نے دکھ سے کہا۔

"میں نے تو کوشش کی تھی کہ اس معاملے کی عدالتی تحقیقات ہوں۔ کم از کم پولیس شفقت کو تلاش کر کے اصل حقائق کھوجنے کی کوشش کرے لیکن ایک طرف بابا جان کی مخالفت تھی تو دوسری طرف منشی جی میرا ساتھ دینے سے انکاری۔ اگر وہ ساتھ دیتے تو

میں بابا جان کی مخالفت کے باوجود اس معاملے کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا لیکن ان کا خیال ہے کہ جتنی بدنامی ہو چکی ہے وہ کافی ہے وہ پولیس اور کورٹ کے چکروں میں پڑ کر مزید اس معاملے کو نہیں اچھال سکتے''۔ مطیب شاہ نے بتایا۔

''صحیح کہتے ہیں کہ ظلم سہنے والا بھی ایک طرح سے ظالم ہوتا ہے کیونکہ اس کی کمزوری ظالم کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے''۔ زرمین شاہ نے تبصرہ کیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو' عزیز کے اس طرح بچ جانے میں منشی جی کی ڈھیل کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی بیٹی قتل ہوئی تھی اگر وہ اسٹینڈ لیتے تو کم از کم اتنی آسانی سے عزیز کی گردن نہیں بچتی یا پھر اس خبیث کی قسمت ہی زوروں پر ہے کہ ایک طرف منشی جی خاموش ہیں تو دوسری طرف شفقت کی طرف سے کوئی صفائی دینے والا نہیں۔ چھڑا چھانٹ بندہ تھا جس کا نہ کوئی آگا تھا نہ پیچھا۔ اگر اس کا کوئی اپنا ہوتا تو امید کی جا سکتی تھی کہ وہ پلٹ کر کبھی گاؤں آئے گا لیکن اب تو یہی خیال ہے کہ کبھی گاؤں میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ سنا ہے عزیز بڑا تکِ دمل کہتا پھر رہا ہے کہ اگر شفقت اسے نظر آ گیا تو اس بار وہ اس کی جان لیے بغیر نہیں رہے گا''۔ مطیب شاہ نے بتایا۔

''سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ عزیز' شفقت کا قرض دار تھا۔ قرض سے بچنے کے لیے ہی اس نے یہ ساری ترکیب لڑائی ہے''۔ زرمین شاہ نے کہا۔

''معاملہ جو بھی ہو لیکن اسے کاروکاری کا رخ دے کر عزیز نے کسی کو کچھ سوچنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ ہمارے محدود ذہن رکھنے والے لوگ اس قسم کی غیرت مندی کے کارناموں کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ ان کی یہ جہالت ایک طرف اللہ کی ناراضی کا سبب ہے تو دوسری طرف ہم غیر مسلموں کے سامنے ان کے اس رویے کی وجہ سے سر اٹھا کر بات کرنے کے لائق نہیں رہتے''۔ مطیب شاہ کے ذہن کے دریچوں پر آج پھر وہ لڑکی دستک دے رہی تھی جو پوچھا کرتی تھی کہ ''واٹ از کاروکاری......؟'' جو اس بہانہ قتل کی رسم سے اس قدر خوفزدہ ہوئی تھی کہ اس نے مطیب شاہ کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا۔

☆☆☆

''لوگوں کی خدمت ہمارے آباؤ اجداد کی روایت ہے۔ ہم نے اس روایت کو جاری رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ہم روشن خیال اور باضمیر لوگ ہیں۔ ظلم و جبر سے لوگوں پر حکمرانی کرنے والے وڈیروں میں ہمارا شمار نہیں ہوتا۔ ہم اپنے عوام کی بھلائی کے لیے سیاست کے میدان میں اترے ہیں۔ ہمارے علاقے میں تعمیر ہونے والے اسکول' کالج اور اسپتال ہماری سچائی کا ثبوت ہیں۔ ہم نے نہ صرف اپنے لوگوں پر تعلیم کے راستے کھولے ہیں بلکہ ان کی صحت اور زندگی بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ جلد ہی ہمارے سارے منصوبے اپنی تکمیل کو پہنچ جائیں گے اور ان کے مکمل ہونے سے نہ صرف ہمارے گاؤں کے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا بلکہ ارد گرد کے دیہاتوں میں رہنے والے دوسرے لوگ بھی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ہماری اپنے حریف زمینداروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو ہمارے قائم کردہ اسکول' کالج اور اسپتال سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیں۔ اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں بلکہ غریب عوام کو اجازت دیں کہ جو چیزیں وہ انہیں نہیں دے سکے' وہ ہمارے ذریعے سے حاصل کر سکیں''۔ سید قائم شاہ اور امیر شاہ کا یہ مشترکہ بیان اس اخباری رپورٹ میں موجود تھا جس میں ان کے گاؤں میں ہونے والے ترقیاتی کاموں کی کوریج کرتے ہوئے اس علاقے کے وڈیروں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے تھے۔ اب معلوم نہیں کہ رپورٹر واقعی ان کاموں سے بہت متاثر ہوا تھا یا کمال شاہوں کی طرف سے کی گئی بھرپور میزبانی کا تھا۔

ناشتے کی میز پر موجود نورالعین نے اس رپورٹ کو پڑھ کر ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اخبار سائیڈ پر رکھ دیا۔

''آج اخبار میں ہمارے علاقے کے بارے میں رپورٹ شائع ہوئی ہے نا' میں نے سرسری سی نظر ڈالی تھی۔ اس صوفیہ کی بچی کی وجہ سے پڑھنے کی مہلت نہیں مل سکی''۔ زرمین شاہ نے اپنی دو ڈھائی سالہ بیٹی کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے

نورالعین سے کہا لیکن وہ بنا جواب دیے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ نرمین اس کے اس خاموش رویے کی عادی تھی اس لیے جواب نہ ملنے کے باوجود اپنی بات جاری رکھی۔

''سچ جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ یہ سب مطیب کی کوششوں سے ممکن ہوا ہے میرا دل فخر سے بھر جاتا ہے۔ اتنی مخالفتوں کے باوجود وہ جس طرح اتنے برسوں سے اپنے مشن پر ڈٹے ہوئے ہیں یہ ان ہی کا حوصلہ ہے...... اور اب تو ان کے خواب اپنی تعبیر پانے کو ہی ہیں''۔

''لالہ کے پرخلوص خوابوں پر جس طرح بابا جان اور چاچا سائیں اپنی سیاست کی دکان چمکا رہے ہیں میرے لیے یہ بات بہت تکلیف دہ ہے۔ انہوں نے لالہ کی نیکی کو نیکی نہیں رہنے دیا بلکہ الیکشن میں کامیابی کی سیڑھی بنا لیا''۔ نورالعین کے انداز میں تلخی تھی۔

''یہ بھی زندگی کا ایک رخ ہے نور! ہر شخص اپنی ترجیحات کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ بڑے بابا جان اور بابا سائیں کے لیے سیاست اور اقتدار کا حصول ہی سب کچھ ہے اس لیے وہ ہر شے کو اس حوالے سے ہی دیکھتے ہیں لیکن اس سے مطیب شاہ کے خلوص اور نیک نیتی سے کی گئی کوششوں پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ بہر حال اسکول اور کالج سے لوگوں کو علم کی روشنی ملے گی اور اسپتال ان کی صحت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کام کرے گا''۔ نرمین شاہ نے رسان سے اسے سمجھایا تو وہ سر جھکا گئی۔ وہ خود بھی اس حقیقت سے واقف تھی کہ صغریٰ والے حادثے کے بعد اس کے مزاج میں اپنے بزرگوں کے حوالے سے تلخی در آئی ہے۔ اس حادثے کو تقریباً تین برس ہونے والے تھے۔ گزرتے وقت نے یقیناً دکھ کی شدت کو کم کیا تھا لیکن نورالعین کا اپنے گھر والوں سے ذہنی فاصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ کھل کر احتجاج کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا سو یہ درمیانی خلیج ہی اس کی ناراضی کا اظہار تھی۔

ان برسوں میں وہ گنتی کی چند بار ہی حویلی گئی تھی وہ بھی مختصر قیام کے لیے۔ اگر کبھی اماں یا بڑی بہنیں زیادہ عرصہ رکنے پر اصرار کرتیں تو اس کے پاس اپنی پڑھائی کا بہانہ موجود ہوتا لیکن اب یہ بہانہ بھی ختم ہونے کو تھا۔ اس کی ہاؤس جاب مکمل ہونے والی

تھی۔ پھر وہ لوگ واپس گاؤں منتقل ہو جاتے۔ مطیب شاہ نے تو اس حوالے سے مکمل تیاری کر لی تھی۔ گاؤں میں کالج کا آغاز ہو چکا تھا اور مطیب شاہ وہاں جانے کا بے چینی سے منتظر تھا۔ انتظار تھا تو فقط نور کے فارغ ہونے کا' اسپتال کا افتتاح اس کے انتظار میں رکا ہوا تھا۔ نورالعین خود بھی اس اسپتال کے حوالے سے خاصی پرجوش تھی لیکن واپس اس گھٹے ہوئے ماحول میں لوٹنے کے خیال سے دل گھبراتا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر اُس اَن چاہے رشتے کی رفاقت کا خوف تھا جسے سوچ کر ہی اسے اپنا وجود برف ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ جانتی تھی گاؤں واپس پہنچنے کے بعد اسے زیادہ مہلت نہیں ملے گی اور جلد از جلد اس کی رخصتی کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی۔ برسوں کی جانی پہچانی حقیقت جسے اس نے اپنے دماغ کی مکمل حکمرانی کے ساتھ تسلیم کیا تھا جانے کیوں دل کے احتجاج کا سبب بنی رہتی تھی اور وہ جس کا خیال ایوانِ دل کو جگمگا دیتا تھا' جانے کہاں کھو گیا تھا۔

☆☆☆

''تو یہ طے ہے کہ دل آج بھی اسی مقام پر کھڑا ہے''۔ لندن کی دھندلی شام میں ہائیڈ پارک کی مخصوص بنچ پر بیٹھے عمر احسان نے بالآخر خود سے اعتراف کر ہی لیا اور کیسے نہ کرتا کہ وہ پری پیکر جس سے بھاگ کر وہ یہاں آیا تھا۔ خیال بن کر آج بھی اس خنک شام میں اس کے ساتھ ہی بنچ پر براجمان تھی اور صرف اس بنچ کی ہی تو بات نہیں وہ تو ہر جگہ ہی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ یونیورسٹی میں' فلیٹ میں اور یہاں تک کہ اس ڈبل ڈیکر بس میں بھی جس میں بیٹھ کر وہ پکاڈلی سرکس سے یہاں تک آیا کرتا تھا۔ وہ ایک خیال جس سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ اپنا دیس تک چھوڑ آیا تھا پردیس میں بھی ہر قدم پر اس کے ساتھ تھا۔ اپنی اس بے اختیاری پر عمر احسان اکثر خود سے ناراض ہو جاتا تھا لیکن اس ناراضی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت بھی اس کے ذہن سے نہیں نکلی تھی جب وہ ابا کی ناتمام خواہش کا بوجھ دل پر اٹھائے خود کو ایک ایسی محبت میں مبتلا ہونے پر لعن طعن کر رہا تھا جس کا حصول کسی طور ممکن نہیں تھا۔ ابا کی خواہش پوری نہ کر سکنے پر جتنا وہ خود سے

ناراض تھا اس سے کہیں زیادہ یہ جھنجلاہٹ تھی کہ وہ جو اس کی نافرمانی کا سبب تھی' اس حادثے کے بعد بھی اپنے مقام پر موجود تھی اور اسی جھنجلاہٹ میں اس نے نہ صرف خود کو جلاوطنی کی سزا دی تھی بلکہ پیچھے والوں سے ہر تعلق بھی منقطع کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مطیب شاہ یوں اس کے غائب ہو جانے سے پریشان ہوں گے لیکن پھر بھی وہ خود پر بے حسی طاری کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن آج اسے یہ اعتراف کرنا ہی پڑ رہا تھا کہ نورالعین سے فرار ممکن نہیں۔ فرار باہر کی چیزوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن وہ جو دل میں بستے ہوں' خون کی طرح رگوں میں دوڑتے پھرتے ہوں' ان سے فرار آخر کس طور ممکن ہے۔

''جب فرار لاحاصل ہے تو پرائے دیس میں' اجنبی بن کر کیوں رہا جائے۔ ان کے پاس کیوں نہ لوٹ کر واپس جایا جائے جنہیں میری' میرے علم کی' میرے خلوص کی ضرورت ہے''۔ خود سے نورالعین کی کبھی نہ مٹنے والی محبت کا اعتراف کرنے کے بعد آج عمر احسان اس لائق تھا کہ کوئی فیصلہ کر سکے۔

''فرار مسائل کا حل نہیں اور دکھ تو بالکل بھی ایسی چیز نہیں جس سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تو دل میں بس کر دل کو منور کرنے والا جذبہ ہے۔ وہ دل جس کو دکھ کا ایندھن جلانے کے لیے میسر آ جائے بڑا انمول ہوتا ہے کیونکہ وہ دل خود جل کر دوسروں کی راہیں روشن کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے تم بھی ایک دن اپنے فرار میں ناکام ہو کر واپس یہاں لوٹنے کا سوچو گے اور جب ایسا سوچنے لگو تو پلٹنے میں دیر نہ کرنا۔ کم از کم یہ سوچ کر ضرور کہ ایک شخص بہت شدت سے تمہارے لوٹنے کا منتظر ہے''۔ مطیب شاہ کے الفاظ اسے حرف بہ حرف یاد تھے اور آج جب وہ واپسی کا فیصلہ کر چکا تو یہ لفظ مشعلِ راہ بن کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے بنچ پر سے اٹھتے ہوئے ہائیڈ پارک کے مناظر پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی۔ لندن میں اپنے قیام کے عرصے میں جب اس پر اداسی کا شدید دورہ پڑتا تھا تو وہ ہمیشہ یہاں کا رخ کرتا تھا۔ یہ پارک جہاں دل کو بہلانے کا بہت سامان ہے عمر احسان کی تنہائیوں کا گواہ تھا' عمر احسان

کے کتنے آنسو تھے جن کو یہاں کی یخ بستہ ہواؤں نے چھوا تھا' پر کوئی دلاسا دیے بغیر لوٹ گئی تھیں۔ اجنبی دیس کی ہوائیں بھی اس کے ساتھ غیریت برت رہی تھیں۔ پھر آخر وہ کیونکر یہاں رک کر دل کا زیاں کرتا رہتا اس نے دل ہی دل میں ہائیڈ پارک کو الوداع کہا۔ کچھ ہی عرصے میں وہ اپنے کاموں کو سمیٹ کر لندن کو بھی الوداع کہنے والا تھا۔

☆☆☆

''نورا! ایک بات کہوں مانو گی؟'' رفعت معیز نے قدرے جھجکتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھی نورالعین کو پکارا۔ آٹھ گھنٹے کی تھکا دینے والی ڈیوٹی دینے کے بعد وہ اسپتال کی کینٹین میں بیٹھی چائے کے گرم کپ سے خود کو تازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اگر ماننے والی بات ہوئی تو مان جاؤں گی''۔ نورالعین کا جواب ہمیشہ کی طرح دوٹوک تھا۔

''تمہارے حساب سے تو خیر مشکل ہی ہے لیکن اگر تم چاہو تو ناممکن بہرحال نہیں''۔

''جو بھی ہے تم کہہ دو۔ تمہاری بات سن کر ہی میں کوئی فیصلہ کن جواب دے سکتی ہوں''۔ رفعت کا انداز اس کے لیے باعثِ الجھن تھا۔

''تم جانتی ہو احمر بھائی ہمارے اکلوتے بھائی ہیں' ممی' ڈیڈی اور ہم بہنوں کے دلوں میں ان کی شادی کا بہت ارمان ہے لیکن وہ کسی طور راضی ہی نہیں ہوتے۔ دوسری طرف حبہ ہے جس کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک شادی نہیں کرے گی جب تک احمر بھائی کہیں شادی نہیں کر لیتے۔ خالہ جان اس کے بار بار انکار کی وجہ سے عاجز آ گئی ہیں لیکن وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔ ہم سب اس کے دل کا حال جانتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ احمر بھائی راضی ہو جائیں تو ہم حبہ کے ساتھ ان کی شادی کر دیں''۔ رفعت نے ذرا سا توقف کرتے ہوئے نورالعین کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کا تاثر تھا۔ یوں جیسے پوچھ رہی ہو کہ احمر معیز اور حبہ کی شادی کے معاملے میں اس کا کیا تعلق......؟

"میں یہ بات تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ اگر تم بھائی سے حبہ سے شادی کرنے کو کہو تو وہ کبھی انکار نہیں کر سکیں گے"۔ رفعت نے اس کی آنکھوں میں تیرتی الجھن کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو اچھل ہی پڑی۔

"میں...... میں...... کیسے اور کیوں تمہارے بھائی سے بات کروں۔ ان کی شادی ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میری اس معاملے میں دخل اندازی یقیناً انہیں بری لگے گی اور پھر میں خود بھی ان سے بات کرنا اپنے لیے نامناسب سمجھتی ہوں"۔ نورالعین نے انکار کیا۔

"پلیز نورا! یہ دو خاندانوں کی خوشیوں کا معاملہ ہے۔ تمہارا ذرا سا تعاون بہت کچھ بدل دے گا۔ بھائی تمہاری بات نہیں ٹال سکتے یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم ایک بار ان سے کہہ کر تو دیکھو"۔ رفعت کا انداز ملتجیانہ تھا۔

"میں نے اتنے سالوں کی دوستی میں تم سے کبھی کچھ نہیں مانگا' ہمیشہ تمہارے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن آج میری فیملی ایک مسئلے سے دوچار ہے اور مسئلہ بھی ایسا جس کا براہ راست تمہاری ذات سے تعلق ہے تو کیا تم میری یہ چھوٹی سی بات نہیں مان سکتیں؟" رفعت معیز کی باتوں نے اسے بے بس سا کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں تمہارے بھائی سے اس مسئلے پر بات کروں گی تم مجھے اس کا سیل نمبر دے دینا"۔ بالآخر نورالعین نے ہتھیار ڈال دیے۔ سچ تو یہ تھا کہ رفعت معیز اس کی بہت پیاری دوست تھی جس کا اس طرح دکھی ہونا اسے دکھ پہنچا رہا تھا۔

"تھینک یو نورا! تھینک یو ویری مچ"۔ رفعت نے جوش سے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چٹ پر احمر معیز کا نمبر لکھ کر اسے تھما دیا۔

☆☆☆

"The Status of Women in Muslim Society".

کتاب کا نام ہرگز اتنا چونکانے کا باعث نہ بنتا اگر اس کے ٹائٹل پر رائٹر کے طور پر

نینسی ولیم کا نام نہ لکھا ہوتا۔ یہ کتاب مطیب شاہ کو بھارت میں مقیم ان کے ایک دوست نے بھجوائی تھی۔ دہلی کے ایک معروف پبلشنگ ہاؤس سے شائع ہونے والی اس کتاب نے مسلم کمیونٹی میں کافی ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس کتاب میں مسلمان عورت کی جس طرح تصویر کشی کی گئی تھی اور اس کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے بالواسطہ اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی تھی اس نے مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر سی دوڑا دی تھی۔ کئی مسلمان صحافیوں اور دیگر اہل علم افراد نے کتاب میں لگائے گئے الزامات کی تردید کرتے ہوئے جواب دینے کی کوشش کی تھی لیکن بھارت کے نام نہاد سیکولرازم کی وجہ سے کتاب پر بین لگوانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ پھر رائٹر کا برطانوی شہری ہونا بھی ایک بڑا نکتہ تھا۔ جس کا ایڈوانٹیج کتاب کی روز بروز بڑھتی شہرت کی صورت میں مل رہا تھا۔ یہ شہرت سرحد پار کر کے پاکستان بھی پہنچ گئی تھی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر مطیب شاہ نے اپنے دوست کے ذریعے وہ کتاب منگوائی تھی اور ایک سرسری سے جائزہ کے بعد ہی وہ جان چکے تھے کہ نینسی نے اپنا سارا ڈپریشن اور سوچ کا ٹیڑھا پن اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

کتاب کے پیش لفظ میں نینسی نے اپنا مختصر سا تعارف دیتے ہوئے بتایا کہ جس این جی او کے ساتھ وہ وابستہ ہے اس نے' اس کے ساتھ کئی ایشیائی ممالک خصوصاً بھارت اور پاکستان کے دیہی علاقوں کا دورہ کیا تھا اور اس کے بعد مجبور ہو گئی تھی کہ اس علاقے کی عورتوں پر ہونے والے مظالم کو دنیا کے سامنے لائے۔ اس کتاب میں موجود بیشتر واقعات یقیناً سچے تھے اور مطیب کو اعتراف تھا کہ نینسی نے ان عورتوں کا بہت دردناک نقشہ کھینچا تھا لیکن وہ ساتھ ہی یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ نینسی کے قلم میں ہمدردی سے زیادہ طنز کی کاٹ تھی۔ اس نے ان عورتوں کی داد رسی سے زیادہ مسلمانوں اور اسلام کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

مطیب شاہ جس نینسی کو جانتے تھے اس کتاب کی مصنفہ اس نینسی سے بہت مختلف تھی۔ یقیناً مسلسل برین واشنگ کے عمل سے گزرنے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گئی تھی

جہاں کھڑے ہو کر تمام ترقی یافتہ ممالک کے افراد کو مسلمان قوم جاہل اور دقیانوسی دکھائی دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نینسی کا موضوع صرف عورت ہوتی، مسلمان معاشرے کی عورت نہیں۔ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنی کتاب لکھتی تو تیسری دنیا میں عورت پر ہونے والے مظالم کی اس سے کہیں بہتر منظر کشی کر سکتی تھی جس سے بہر حال یہ واضح ہو جاتا کہ ان مظالم کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ دیگر کئی مسائل سے ہے ورنہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ان مسائل کو جنم دینے والے افراد اس ترقی یافتہ معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جو تیسری دنیا کو مسائل کے انبار تلے دبا کر طاقت کا توازن ہمیشہ اپنے حق میں رکھنے کے خواہش مند ہیں۔

باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنانے والے سسٹم کو رائج کروانے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ غربت اور معاشی عدم توازن کیسی کیسی ذہنی الجھنوں اور بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان ذہنی بیماریوں میں مبتلا مرد اپنا ڈپریشن نکالنے کے لیے عورت جیسی کمزور مخلوق کو ہی نشانہ بناتے ہیں پھر کچھ قدیم روایات بھی تھیں جن کا تعلق دینِ اسلام سے نہیں بلکہ دینِ اسلام تو خود ان جاہلانہ روایات کو ختم کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن مسئلہ وہی ہے کہ بے شمار مسائل میں گھرے ہوئے لوگوں کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ دین کی تعلیمات کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان کے لیے قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے گھر میں رکھنے سے برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ رسول کی ان کے نزدیک بس یہ اہمیت ہے کہ ان کا نام سنیں تو انگلی اور انگوٹھے کو ہونٹوں کے قریب لے جا کر چوم لیں اور روزِ قیامت ان سے شفاعت کی امید رکھیں۔ قرآن کیا تعلیمات لے کر آیا ہے اور اسوۂ رسول کیا ہے؟ یہ جاننے کی تو کوئی کوشش ہی نہیں کرتا اور جب ہدایت کے یہ دونوں ذریعے نہ تھامے جائیں تو تاریکیوں میں بھٹکنے، جہالت کے کڑوے ثمرات سمیٹنے اور ہر فورم، ہر میدان میں غیر مسلموں کے جوتے کھانے کے سوا اور ان سے نتائج نکل سکتے ہیں۔

☆☆☆

''آپ......'' احمر معیز اس کی آواز سن کر حیرت سے فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

''جی ہاں، یہ میں ہی ہوں آپ بتائیں خیریت سے تو ہیں؟'' نور العین نے اس کی بے یقینی کو یقین دلانا چاہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ کہیں کیسے اس خاکسار کو یاد کرنے کی زحمت کی''۔ احمر معیز حیرت کے فوری جھٹکے سے سنبھلا تو آواز میں طنز در آیا۔ آخری بار نور العین نے اسے جس شدت سے رد کیا تھا وہ انداز اس کی یادداشت میں تازہ تھا۔

''آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارا ہاؤس جاب مکمل ہونے والا ہے۔ اگلے ہفتے میں اپنے گاؤں واپس چلی جاؤں گی۔ سوچا جانے سے پہلے ایک بار آپ کی دل آزاری کے لیے معذرت کر لوں۔ ساتھ ہی اس نقصان کی تلافی کی بھی فکر ہے جو انجانے میں ہی میری وجہ سے آپ کے گھر والوں کو اٹھانا پڑا''۔ وہ بہت ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔

''گاؤں واپس جا کر شادی کر لیں گی؟'' احمر معیز نے اس کی ہر بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بہت بے تابی سے پوچھا۔ نور العین نے جواباً ایک گہرا سانس لیا اور بولی۔

''جی ہاں''۔ ریسیور پر گہری خاموشی چھا گئی۔ نور العین نے ہی ہمت کر کے اس خاموشی کو توڑا۔

''اب آپ بھی شادی کر لیں احمر! آپ کا انکار آپ کے گھر والوں اور حبہ کے لیے تکلیف کا سبب بن رہا ہے''۔

''آپ مجھ سے ایسی فرمائش مت کریں نور! میں اپنی زندگی میں آپ کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا''۔ احمر معیز نے تیزی سے انکار کیا۔

''زندگی میں بہت سے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں احمر صاحب! اور جب معاملہ اپنوں کی خوشی کا ہو تو سمجھوتے کی راہ خود بخود ہی آسان ہو جاتی ہے۔ آپ ایک بار اس انداز سے سوچ کر تو دیکھیں آپ کا دل آمادہ ہو ہی جائے گا اور کچھ نہیں تو میرا ہی سوچ لیجیے آپ کے اس رویے نے مجھے بلاوجہ احساسِ جرم میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میری وجہ سے حبہ اور آپ کے گھر والوں کا دل ٹوٹا۔ اگر میں آپ سے نہ ملی

خوشی خوشی حبہ کو اپنی شریکِ سفر بنا لیتے''۔ نورالعین کے لہجے کی آزردگی کو احمر معیز نے پوری شدت سے محسوس کیا۔

''آپ خوش نہیں ہیں نا نور......؟''

''نہیں' میں خوش ہوں کیونکہ میری خوشی ایک شخص کو پا لینے میں نہیں ایک مقصد کو پانے میں ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے میں پہلا مرحلہ اللہ کی مہربانی سے طے کر چکی ہوں۔ آنے والے کل میں میرے لوگ میری ذات سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس خوشی کا خیال اتنا خوش کن ہے کہ میں نے اگر اس کے حصول کے لیے کچھ کھویا بھی ہے تو مجھے یہ سودا مہنگا نہیں لگتا''۔ احمر معیز کے سوال کا جواب اس نے بہت پرسکون لہجے میں دیا تھا اور سچ بھی یہی تھا کہ اگرچہ دل میں عمر احسان کے نام کی کسک ہمیشہ موجود رہتی تھی لیکن اس کی پہلی ترجیح آج بھی وہی مقصد تھا جسے لے کر وہ اپنے گاؤں سے یہاں تک آئی تھی۔ وہ بے نام محبت جو کبھی اظہار کے مرحلے سے نہیں گزری تھی اپنی پوری شدت کے باوجود بہت خاموشی سے اس کے سینے میں دفن تھی۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن میرے پاس تو کوئی ایسا مقصد بھی نہیں جو مجھے کی راہ کو آسان بنا دے''۔ احمر معیز کا لہجہ شکستہ تھا لیکن وہ نورالعین کو بات کا ایک سرا ہاتھ میں دے گیا تھا۔

''کہتے ہیں جسے چاہا جائے اس کی خوشی سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہوتا۔ آپ کو مجھ سے چاہت کا دعویٰ ہے تو کیا میں امید رکھوں کہ آپ میری خوشی کے لیے میری بات مانتے ہوئے حبہ سے شادی کے لیے ہاں کر دیں گے؟''۔ یہ سوال اتنا آسان نہیں تھا کہ احمر معیز فوری طور پر کوئی جواب دے پاتا۔ اس نے چپکے سے فون بند کر دیا۔ نورالعین نے رابطہ منقطع ہو جانے پر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے خود بھی فون رکھ دیا۔ وہ جو کر سکتی تھی کر چکی تھی آنے والے وقت میں احمر معیز کیا فیصلہ کرتا اسے معلوم نہیں تھا لیکن بہرحال اس نے اپنی اخلاقی ذمہ داری ادا کر دی تھی۔

☆☆☆

''ہم صرف باتیں بنانے اور زبانی دعوے کرنے والے لوگ نہیں۔ ہم جو کہتے ہیں اس پر عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ آج ثبوت بن کر اس اسپتال کی شکل میں موجود ہے۔ ہم نے صرف اسپتال نہیں بنایا بلکہ اس بات کو بھی ثابت کیا ہے کہ ہم ہی اپنے لوگوں کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ ہم ظلم و جبر کے ذریعے اپنے لوگوں پر حکمرانی کرانے والے روایتی وڈیروں سے ہٹ کر' ان کی خدمت کرنے والے روایت شکن سیاستدان ہیں۔ ہمارے عوامی خدمت کے اس مشن میں ہماری اولاد ہمارے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ ایک طرف سید مطیب شاہ اپنی بیوی کے ساتھ گاؤں میں قائم اسکول اور کالج میں انتظام سنبھال رہا ہے تو دوسری طرف سید زادی نورالعین اسپتال میں مسیحا کے فرائض نبھانے کو تیار ہے۔ ہم نے صدیوں کی روایتیں توڑی ہیں۔ صرف اس لیے کہ ہمارے دل میں آپ کا پیار ہے' ہمارا ذہن آپ کی بھلائی سوچتا ہے' ہمارے ہاتھ آپ کی ترقی و تعمیر کے لیے معروفِ عمل ہیں۔ کیا آپ ہمارے ان ہاتھوں کو تھامنا پسند کریں گے؟ کیا آپ ہمارا ساتھ دیں گے؟''۔ سید امیر شاہ اسٹیج پر کھڑے پوری گھن گرج کے ساتھ مائیک میں بول رہے تھے۔ اسٹیج کے سامنے موجود ہجوم کا جوش و خروش قابلِ دید تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً ان کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ اب جو انہوں نے سوال کیا تو ہر طرف غل سا مچ گیا۔

''ہم شاہوں کے غلام ہیں' اونچے ہمارے دام ہیں''۔

''شاہ جی سے ہاتھ ملائیں گے' گاؤں کی قسمت جگائیں گے''۔

لوگ بے تحاشا نعرے لگا کر اپنی وفاداری کا اعلان کر رہے تھے۔ سید امیر شاہ کے چہرے ان نعروں کو سن کر خوشی سے جگمگا رہے تھے اور اس جگمگاہٹ کو ٹی وی کیمرے اپنی قید میں لے رہے تھے۔ آج گاؤں میں قائم کیے جانے والے اسپتال کی افتتاحی تقریب تھی۔ تقریب میں کئی صوبائی اور وفاقی وزراء مدعو تھے۔ اس کے علاوہ بھی ملک کی کئی ممتاز شخصیات' ادیب' شعراء' صحافی اور دانشور وغیرہ موجود تھے۔ وہ لوگ ان روایت شکن وڈیروں کو جی بھر کر سراہ رہے تھے جنہوں نے صدیوں کی روایت کو صرف اپنے لوگوں کی

بھلائی اور خیر خواہی میں توڑ ڈالا تھا۔ ان کے گھروں کی عورتیں جو کبھی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتی تھیں اب عملی میدان میں آ کر لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے تیار تھیں۔ وہاں موجود دو نجی ٹی وی چینلز کے نمائندے خوب خوب اس تقریب کی کوریج کر رہے تھے۔ اخبار والے بھی سرگرمِ عمل تھے۔ سید قائم شاہ اور امیر شاہ کو آئندہ سیاست میں اپنا کردار اور مقام صاف دکھائی دے رہا تھا اور اس کے لیے وہ مطیب شاہ کی ذہانت کے معترف تھے۔ اس ہی کے دکھائے ہوئے راستے پر چل کر تو انہیں آج یہ مقام حاصل ہوا تھا۔ وہ اثر و رسوخ جو پہلے اس گاؤں اور ارد گرد کے دیہاتوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اب اس کی پہنچ بہت دور دور تک تھی۔ ان کے حریف وڈیرے ان کے سامنے چاروں شانے چت ہو چکے تھے۔ آئندہ الیکشن میں ان کا کوئی حریف ان کے سامنے نہیں ٹک سکتا تھا۔ فتح کا یہ نشہ انہیں سرشار کر رہا تھا۔

اس تقریب میں البتہ چار افراد ایسے بھی موجود تھے جنہیں اپنے بزرگوں کی ان سیاسی شعبدہ بازیوں اور کامیابیوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ان میں سے تین مطیب شاہ، نور العین اور ثمین شاہ تھے۔ جن کے پیشِ نظر صرف اپنے نیک مقاصد کا حصول تھا۔ یہ اور بات کو ان مقاصد کے حصول کے لیے انہیں ذرا اپنے دل کو مار کر اپنے بزرگوں کے مفادات کا بھی ساتھ دینا پڑا تھا۔ آج بھی وہ صرف اسی لیے یہاں موجود تھے۔ چوتھا شخص سید سجاد شاہ تھا۔ اسے اپنے بزرگوں کا یہ طرزِ عمل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ بہن اور بیوی کے حویلی سے قدم باہر نکالنے پر نالاں تھا۔ اسے اپنے دوستوں کی طرف سے تضحیک کا نشانہ بنائے جانے کا خدشہ تھا۔ خصوصاً نور العین کے حوالے سے۔ نور العین جو تعلیم میں اس سے کہیں آگے ہونے کے باعث پہلے ہی اس کے لیے ٹینشن کا سبب بنی رہتی تھی اب اتنے بڑے اسپتال کی کرتا دھرتا بن کر اسے مزید احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ جو بیوی کو پاؤں کی جوتی بنا کر رکھنے کا قائل تھا بیوی کو بلندیوں کی طرف گامزن دیکھ کر حسد اور جلن سے بری طرح کھول رہا تھا۔

☆☆☆

"چھوٹے شاہ جی! بڑی حویلی سے اختری آئی ہے"۔ سید سجاد شاہ ڈیرے پر اپنے خاص کمرے میں بیڈ پر اوندھا لیٹا ہوا بلند آواز سے چلتے سی ڈی پلیئر کے ساتھ ساتھ خود بھی بہ آواز بلند گنگنا رہا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی بوتل اور گلاس اس کے پچھلے شغل کا پتا دے رہے تھے۔

"بھیجو اسے"۔ سجاد شاہ نے رخ بدلے بغیر جواب دیا۔

"سلام شاہ جی!" اگلے ہی لمحے اختری اس کے سامنے حاضر تھی۔

"کیسے آئی ہو؟" سجاد شاہ نے بند آنکھیں کھولتے ہوئے اختری کی جانب دیکھا۔

پہلے سے مرعوب اختری اس کی انگارہ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر کچھ اور بھی خوفزدہ ہو گئی۔

"شاہ جی...... یہ......" اس نے جملہ مکمل کیے بغیر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ لفافہ دیکھ کر سجاد شاہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اختری کو اس نے نور العین کے مستقل حویلی واپس آنے کے بعد، اس کی نگرانی کی ذمہ داری دے رکھی تھی۔ اختری تھی حویلی کی ملازمہ لیکن سجاد شاہ نے بہت سی دھمکیوں اور کچھ رقم کے عوض اسے اپنے لیے کام کرنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ یہ الگ بات کہ اسے ابھی تک نور العین کے بارے میں ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ وہ اسے مشکوک قرار دے سکتا لیکن اب اختری ایک عدد لفافے کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی۔

"یہ لفافہ مجھے چوکیدار نے دیا تھا کہ یہ شہر سے نور بی بی کے لیے آیا ہے انہیں لے جا کر دے دو۔ میں نے سوچا پہلے آپ کو دکھا دوں۔ اس لیے نور بی بی کو دینے کے بجائے آپ کے پاس لے آئی"۔ اختری کانپتی ہوئی آواز میں بتا رہی تھی۔

سجاد شاہ اس کی بات سنتے ہوئے لفافے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے کوئی شادی کارڈ محسوس ہو رہا تھا۔ سجاد شاہ نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی لیکن لفافہ میں موجود کارڈ سے بڑھ کر اس کی توجہ کا مرکز تہہ کیا ہوا وہ سفید رنگ کا کاغذ تھا جو کارڈ کے ساتھ ہی لفافے سے برآمد ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم جاؤ"۔ سجاد شاہ نے کاغذ کی یہ تہہ کھولتے ہوئے اختری کو حکم دیا۔

"لیکن شاہ جی! اگر بی بی کو پتا چلا کہ شہر سے ان کے لیے کچھ آیا تھا اور میں نے انہیں نہیں دیا تو وہ مجھ سے خفا ہوں گی"۔ اختری نے لفافے کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کیا۔

"اوئے' بہانہ کر دینا کہ کہیں رکھ کر بھول گئی ہو۔ تیری بی بی بڑی رحم دل ہے کچھ نہیں کہے گی"۔ سجاد شاہ نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ ناچار اختری کو خالی ہاتھ ہی پلٹنا پڑا۔ سجاد شاہ جیسے منہ زور سے بحث کرنے کے مقابلے میں نور العین سے جھوٹ بولنا واقعی نسبتاً آسان تھا۔

"میری اولین چاہت!

سدا مسکراؤ

میرا شادی کارڈ تمہارے ہاتھ میں ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہارے حکم سے سرتابی کی جرأت مجھ میں نہیں۔ اور حکم بھی وہ جس کی تعمیل میں میری محبت کی آزمائش تھی۔ تم نے اپنی چاہت کا واسطہ دے کر میرے لیے انکار کی ہر راہ مسدود کر دی۔ جب سے شادی کے لیے ہاں کر کے میں نے اپنے محبت کے امتحان میں تمہارے سامنے سرخروئی تو حاصل کر لی ہے لیکن بار بار دل میں ایک خیال آتا ہے۔ ایک کسک سی جاگتی ہے کہ......

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا' وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تمہی کو ہم نے چاہا تھا' تمہی ملتے تو اچھا تھا

رفعت کے اصرار پر تمہیں اپنی شادی کا دعوت نامہ بھجوا رہا ہوں لیکن تم سے یہی استدعا ہے کہ تم اس شادی میں شرکت نہ کرنا ورنہ میرے لیے یہ امتحان کئی گنا کڑا ثابت ہوگا کیونکہ میرا تو وہی حال ہے کہ

تمہیں جتنا بھلایا ہے تمہاری یاد آئی ہے

تمہاری یاد اتنی طاقتور ہے کہ مجھے کسی اور کی طرف دیکھنے نہیں دیتی تو سوچو اگر تم خود سامنے موجود ہوئیں تو کیا غضب ہوگا۔ بس اسی لیے کہہ رہا ہوں تم مت آنا"۔

یہاں تک پہنچ کر لکھنے والے کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا شاید کہ اس نے اختتامی جملے لکھے بغیر ہی خط ختم کر دیا تھا لیکن سجاد شاہ کے وجود میں یہ سب پڑھ کر ایک آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ ام الخبائث نے بدن میں جو آگ دہکا رکھی تھی وہ حسد اور رشک کی آگ سے مل کر بھڑکتی جا رہی تھی اور اس آگ نے اپنے ساتھ کیا کچھ جلانا تھا اس کا اندازہ وہی لگا سکتا تھا جو زخمی درندے کی طرح کمرے میں چکراتے سجاد شاہ کی فطرت کو جانتا ہو۔

☆☆☆

دل پر لکھا نام ہتھیلی کا مقدر بھی بنے یہ واقعہ کم کم ہی پیش آتا ہے۔ ہتھیلی پر خوبصورت نقش سجا کر بابل کی دہلیز پار کرنے والی لڑکی کے دل پر کیا نقش ہے یہ تو بس وہ خود ہی جانتی ہے۔ ایسی ہی ایک لڑکی نور العین شاہ بھی تھی جو مقدر کا لکھا قبول کرنے کی خاطر دل پر لکھا نام آنسوؤں کے دریا بہا کر مٹانے کی جدوجہد کرتی سجاد شاہ کے ساتھ رخصت ہوئی تھی۔

"بڑا روئیں تم رخصت ہوتے ہوئے' کہیں اپنا بچھڑا یار تو یاد نہیں آ رہا تھا؟"

حجلۂ عروسی میں طعنے کی صورت سجاد شاہ کے منہ سے پہلی بات ہی یہ نکلی جسے سن کر نور العین ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے تو اپنے دل کے معاملے کی کبھی کسی کو خبر ہی نہیں ہونے دی تھی۔ نرمین شاہ سی دوستانہ مزاج رکھنے والی بھابی اور مخلص سی رفعت معیز تک کو راز دار نہیں بنایا تھا پھر سجاد شاہ کی زبان پر یہ بات طعنہ بن کر کس طرح آئی وہ حیران تھی۔

"یوں حیران' پریشان کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا تمہارے خیال میں' میں بالکل کاٹھ کا الو ہوں جسے تمہارے کارناموں کی خبر نہیں؟" اس کی آنکھوں کی حیرانی دیکھ کر سجاد شاہ نے طنز کا ایک اور وار کیا۔

"میں سمجھی نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟"۔ نور العین نے بے بسی سے کہا۔

"اگر میری زبان میں سمجھ نہیں آ رہا تو لو اپنے یار کی زبان میں سمجھ لو"۔ سجاد شاہ نے تنفر سے کہتے ہوئے اپنی جیب سے احمر معیز کا خط نکال کر اس کے منہ پر مارا۔ احساسِ

ذلت سے نورالعین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ نرمین شاہ اور اس کی بہنوں نے اس چہرے کو بڑی محنت اور خلوص سے سنوارا تھا لیکن جس کے لیے یہ سارا اہتمام کیا گیا تھا وہ دل میں اتنا غبار اور بدگمانی جمع کر کے بیٹھا تھا کہ اسے اس سنگھار پر نظر ڈالنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ نورالعین نے کانپتی انگلیوں سے کاغذ کی تہہ کھول کر اسے پڑھنا شروع کیا۔ احمر معیز کی تحریر پڑھ کر اس کے حواس گم ہونے لگے جو کچھ اس نے خط میں لکھا تھا اس کے پیچھے موجود حقیقت کو نہ جاننے والا کچھ بھی قیاس کر سکتا تھا اور پھر اگر قیاس کرنے والا سجاد شاہ جیسا شخص ہو تو برے سے برا نتیجہ ہی نکل سکتا تھا۔ نورالعین کے حلق میں خوف سے کانٹے سے پڑنے لگے۔

''اب کیوں بولتی بند ہو گئی تمہاری؟'' سجاد شاہ نے طنز سے پوچھا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ یہ وہ معاملہ نہیں جس کا اندازہ آپ نے اس خط کو پڑھ کو لگایا ہے''۔ بالآخر نورالعین نے ہمت کر کے بولنے کی کوشش کر ہی لی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سجاد شاہ کے دل میں پڑ جانے والی گرہ اگر آج نہ کھولی گئی تو ساری عمر اسے احمر معیز کے نام کا طعنہ سننا ہوگا۔

''چلو' اصل معاملہ تم بتا دو''۔ سجاد شاہ کا انداز استہزائیہ تھا جسے نظر انداز کرتے ہوئے نورالعین نے بتانا شروع کیا۔

''احمر معیز میری دوست رفعت معیز کا بھائی ہے۔ وہ کب مجھے پسند کرنے لگا مجھے علم نہیں ہوا۔ اس بات کی خبر جب ہوئی جب اس کے گھر والے رشتہ لے کر بابا جان کے پاس آئے۔ بابا جان نے آپ کے اور میرے نکاح کی اطلاع دیتے ہوئے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس واقعے کے بعد میرا اس شخص سے کبھی دانستہ سامنا نہیں ہوا۔ تعلیم مکمل کر کے میں جب گاؤں واپس آنے والی تھی تو میری دوست نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے بھائی کو سمجھاؤں کہ وہ اپنی کزن حبہ سے شادی کر لے کیونکہ اس کے انکار کی وجہ میں تھی۔ اس لیے میں نے اپنی دوست کے اصرار پر احمر معیز کو فون پر حبہ سے شادی کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس وقت اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر میں یہاں

گاؤں واپس آ گئی۔ پیچھے کیا ہوا' کیا نہیں' مجھے معلوم نہیں ...... میں گاؤں واپس آتے ہوئے شہر سے سارے ناتے توڑ کر آئی تھی یہاں تک کہ میں نے رفعت کو حویلی کا ٹیلی فون نمبر تک نہیں دیا تھا۔ حویلی کا پتا احمر معیز نے کس طرح معلوم کیا؟ یہ خط کب بھیجا؟ اور یہ آپ کے ہاتھوں تک کس طرح پہنچا مجھے کچھ خبر نہیں لیکن میں آپ کو یقین ضرور دلا سکتی ہوں کہ میرا احمر معیز سے ایسا کوئی تعلق نہیں جو میرے لیے باعثِ شرمندگی ہو اور آپ مجھے کوئی الزام دے سکیں''۔ نورالعین جب بولنے پر آئی تو سب کچھ کہہ ڈالا۔

''دنیا میں کون سا شخص ایسا ہے جو اپنے جرم کا اعتراف خود کرے۔ مجرم تو ہمیشہ ہی صفائیاں دے کر خود کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تم بھی یہی کر رہی ہو لیکن یاد رکھو سجاد شاہ بے وقوف نہیں جو تمہاری باتوں میں آ جائے گا''۔ وہاں وہی ''میں نہ مانوں'' کی رٹ کے ساتھ تیور بگڑے تھے۔ سجاد شاہ کی آنکھوں میں موجود تنفر اور شک کے سایوں تلے نورالعین کو اپنا اندھیروں میں ڈوبتا مستقبل صاف دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے کارنس پر رکھی ابا کی مسکراتی ہوئی تصویر کو محبت سے چھوا۔ کتنے عرصے بعد آج وہ اپنے گھر واپس لوٹا تھا وہی گھر جس کے خالی پن سے وحشت زدہ ہو کر اس نے راہِ فرار اختیار کر لی تھی۔ آج اتنا خالی نہیں لگ رہا تھا۔ پردیس میں اس نے اس سے کہیں زیادہ شدید تنہائی سہی تھی۔ اس گھر میں وہ کم از کم ابا کی خوشبو تو محسوس کر سکتا تھا۔ وہاں وہ اس خوشبو سے بھی محروم تھا۔

''آئی ایم سوری ابا!'' اس نے آہستہ سے سرگوشی کی تو اسے لگا ابا کی آنکھوں میں خفگی کا رنگ در آیا ہو اور انہوں نے ایک جوابی سرگوشی کی ہو۔

''والدین اولاد سے ناراض نہیں ہوتے عمر احسان! بھلا تم نے کیوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اپنی عمر کے اتنے سال رائیگاں گزار دیے''۔ جواباً عمر احسان نے ایک گہری

سانس لی۔

''مجھے معلوم ہے کہ والدین اولاد سے ناراض نہیں ہوتے لیکن بس میں خود ہی اپنے آپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ یہ دکھ کہ میں آپ کو ایک خوشی نہیں دے سکا اور آپ تشنہ ہی اس دنیا سے چلے گئے' میری جڑوں میں بیٹھ گیا تھا''۔ وہ یوں اپنے باپ سے باتیں کر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کے سامنے بیٹھے ہوں۔

''آپ نے دیکھا تھا نا اسے ابا! وہ کیسا دل میں اتر جانے کا ہنر جانتی ہے۔ بس میرے ساتھ یوں ہوا کہ وہ دل سے ہو کر میری رگ رگ میں اتر گئی''۔ اب وہ اس لمحے میں داخل ہو گیا تھا جب اس نے نورالعین کو پہلی بار دیکھا تھا۔

اس روز معمول کے مطابق سید مطیب شاہ سے ملنے جاتے ہوئے اسے گمان بھی نہیں تھا کہ آج کا دن اس کی زندگی کا سب سے غیر معمولی دن ہے۔ ملازم اسے لان میں موجود کرسیوں کے پاس چھوڑ کر مطیب شاہ تک اس کی آمد کی اطلاع پہنچانے جا چکا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں موجود فولڈر ٹیبل پر رکھ کر خود کرسی پر بیٹھنے لگا تھا کہ سامنے موجود ایک سراپا نے اسے ٹھٹکا دیا۔ درمیانی قامت کی نازک سی لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی لیکن اس کی پشت پر موجود سیاہ گھنے بالوں کا آبشار گویا دیکھنے والے کو مسحور کیے دے رہا تھا۔ عمر احسان بے ساختہ یوں آگے بڑھا جیسے کسی وادی میں گھومتا سیاح پہاڑوں سے بہہ کر آنے والے جھرنے کے شفاف پانی کو چھونے کی تمنا میں اس کے قریب جاتا ہے مگر اس سے قبل کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا وہ یکدم ہی پلٹ گئی تھی اور ایک اجنبی کو اپنے اتنے قریب پا کر اس بری طرح ٹھٹکی تھی کہ اس کے ہاتھ میں موجود چھوٹی سی ٹوکری چھوٹ کر قدموں میں جا گری تھی اور اس میں جمع کیے گئے پھول گھاس پر بکھر گئے تھے۔ عمر احسان نے دیکھا وہ سارے بیلے کے پھول تھے۔

عمر احسان نے اپنے سامنے آف وائٹ سوٹ میں کھڑی اس لڑکی اور بیلے کے ان پھولوں میں بے تحاشا مماثلت محسوس کی۔ بس فیصلے میں دشواری تھی تو صرف یہ کہ وہ ان دونوں میں سے کس کے اجلے پن کو اول نمبر دے۔ دونوں ہی قدرت کی صناعی کا منہ

بولتا ثبوت تھے اور عمر احسان لب بھینچے یک ٹک دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی اس بے خودی کا احساس اسے اس وقت ہوا جب وہ لڑکی پلٹ کر تیزی سے اندر کی طرف بھاگ گئی تھی۔ عمر احسان جیسے کسی خیال سے اچانک ہی جاگا۔ وہ خود اپنے رویے پر حیران تھا۔ وہ اتنا سنجیدہ اور بردبار سا شخص جانے کس لمحے کی زد میں آیا تھا کہ اپنا آپ ہی بھول بیٹھا تھا۔ یہ اس کی نورالعین سے ہونے والی پہلی لیکن ادھوری سی ملاقات تھی جس نے عمر احسان کے وجود میں ادھورا پن جگا ڈالا تھا۔ عمر احسان کے وجود میں ایک عضو کم ہو گیا تھا۔ وہ عضو جسے دل کہا جاتا ہے سیدزادی نورالعین کے ساتھ ہی چلا گیا تھا اور عمر احسان جانتا تھا کہ وہ اتنی حیثیت نہیں رکھتا کہ اپنے اس ادھورے پن کی تکمیل کر سکے۔

☆☆☆

''نور اسپتال نہیں جائے گی۔ میری بیوی گھر سے نکل کر ٹکے ٹکے کے لوگوں کی چاکری کرے یہ مجھے گوارا نہیں''۔ سجاد شاہ دبنگ انداز میں اپنے باپ امیر شاہ سے کہہ رہا تھا اور نورالعین کا دل اتھاہ گہرائیوں میں گرا جا رہا تھا۔

''اتنی محنت' بھاگ دوڑ اور قربانیوں کا حاصل کیا یہی ہے کہ جس مقصد کے لیے اپنا آپ مٹا ڈالا وہ مقصد ہی پورا نہ ہو''۔ وہ لب بھینچے خود اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

''میری بیوی نوکری کرنے گھر سے باہر نکلے گی تو میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ سب یہی کہیں گے کہ سجاد شاہ اپنی پڑھی لکھی بیوی کے دباؤ میں آ کر بے غیرت ہو گیا ہے تبھی اس کی بیوی بے مہار پھرتی ہے''۔ وہ اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کھل کر کر رہا تھا۔ سید امیر شاہ حقے کی نے منہ سے لگائے خاموشی سے بیٹے کی باتیں سن رہے تھے ابھی تک انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ نورالعین کو خدشہ پیدا ہوا کہ وہ سجاد شاہ کی باتوں سے قائل ہو کر اس کا فیصلہ قبول کر لیں گے لہٰذا اس نے اپنی خاموشی کو توڑتے ہوئے گفتگو میں دخل اندازی کا فیصلہ کیا۔

''چاچا سائیں! میرا خیال ہے کہ یہ بے بنیاد واہموں کا شکار ہو رہے ہیں۔ لوگوں

کو کوئی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ انھیں بیوی کے نوکری کرنے پر طعنے دیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہ اسپتال بابا سائیں نے بنوایا ہے۔ میں وہاں نوکری نہیں' مالک کی حیثیت سے کام کروں گی جیسے آپ لوگ اپنی زمینوں اور باغات کے کاموں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور پھر یہ تو شادی سے پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ میں اسپتال کی ذمے داریاں سنبھالوں گی جیسے نرمین بھابی' لالہ کے ساتھ مل کر کالج کا انتظام دیکھ رہی ہیں۔''

''ادی کا طعنہ مت دو مجھے۔ اگر وہ یہاں ہمارے گھر میں ہوتی تو اس کی جرأت نہ ہوتی گھر سے باہر قدم نکالنے کی یہ تمہارے بھائی کی بے غیرتی ہے جو اپنی بیوی کو چار دیواری سے باہر نکال لایا ہے لیکن میں بے غیرت نہیں ہوں۔ میں اپنی بیوی کا گھر سے نکل کر باہر عیاشی کرنا ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔'' سجاد شاہ کا لہجہ غراہٹ آمیز تھا۔ نورالعین اس کے چاچا سائیں کے سامنے لفظ ''عیاشی'' استعمال کرنے سے غصے اور بے بسی سے سرخ پڑ گئی۔ وہ جانتی تھی سجاد شاہ کے اس کردار پر بھروسہ نہیں کرتا۔ وہ کردار' وہ عزت جسے بنائے رکھنے کی خاطر وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزری تھی آج بے بھروسہ تھا۔

''نور بیٹی! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' امیر شاہ نے اس کے چہرے پر چھا جانے والی سرخی کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں حکم دیا تو نورالعین کو نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے باہر جانا پڑا۔

''ہم نے تمہاری تمام باتیں سن بھی لی ہیں اور سمجھ بھی لیں ہیں لیکن اس کے باوجود ہم چاہتے ہیں کہ تم نورالعین کو اسپتال جانے سے نہ روکو۔'' نورالعین کے باہر نکلنے کے بعد سید امیر شاہ نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟ کیا آپ کے نزدیک اپنی بھتیجی کی خواہش میرے فیصلے سے بڑھ کر ہے۔'' سجاد شاہ بھڑک اٹھا۔

''مسئلہ بھتیجی یا تمہاری خواہش کا نہیں' وقت اور حالات کا ہے۔ اپنی الیکشن کی کمپین کو چلانے کے لیے ہم نے کالج اور اسپتال کے قیام کی بہت زیادہ پبلسٹی کی ہے۔ خاص طور پر اس حوالے سے کہ ان اداروں کے ساتھ ہمارے اپنے گھر کے افراد خصوصاً ہماری

عورتیں وابستہ ہیں۔ اب اگر ہم نے نورالعین پر پابندی لگائی تو میڈیا والوں کے ہاتھ ہماری کمزوری آ جائے گی۔ اپنے علاقے کے لوگوں کی تو خیر ہے وہ تو ہمارے آگے پر بھی نہیں مار سکتے لیکن دشمنوں کو موقع مل جائے گا کہ ہمارے خلاف زہر اگلیں اور ہمیں جھوٹا اور مکار ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اس لیے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ الیکشن تک ان سارے معاملات کو جوں کا توں چلنے دیا جائے۔'' امیر شاہ بہت رسان سے بیٹے کو سمجھا رہے تھے۔

''الیکشن......الیکشن......آپ کے ذہن پر تو بس ایک بات سوار ہو گئی ہے۔'' سجاد شاہ جھنجھلایا۔

''تم ابھی بچے ہو سجاد شاہ! تمہاری نظریں وہاں تک نہیں دیکھ سکتیں جہاں تک ہم دیکھ رہے ہیں۔ مانا کہ ہمارے پاس پیسہ ہے لیکن پیسے کی طاقت' اقتدار کی طاقت کے بغیر ادھوری ہے۔ آنے والے وقتوں میں جب تم ہمارے اگائے ہوئے ان پیڑوں کے ثمر کھاؤ گے تو جانو گے کہ ہم نے تمہارے لیے کیا کچھ کر دیا ہے۔'' وہ بیٹے کے گستاخ لہجے کو نظر انداز کر کے اسے نرمی سے سمجھا رہے تھے۔

''میں یہ سب نہیں جانتا۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو حویلی سے باہر قدم نہیں رکھنے دوں گا۔'' سجاد شاہ کا انداز ہٹیلا تھا۔

''ٹھیک ہے' تم روک لو اپنی بیوی کو لیکن یاد رکھنا کہ اپنی اس حکم عدولی پر ہم تمہیں جائیداد سے عاق کر دیں گے پھر دیکھتے ہیں کہ تم اپنی غیرت مندی کا ثبوت دینے کے لیے کیا کرتے ہو۔ ہمارے سہارے کے بغیر تو تم اس لائق بھی نہیں کہ اپنے اور اپنی بیوی کے لیے ایک وقت کی روٹی کا بندوبست کر سکو۔'' امیر شاہ جو اب تک دھیمے پن کا مظاہرہ کر رہے تھے یکدم جلال میں آ گئے۔ ان کے دیے گئے طعنے پر سجاد شاہ بری طرح بل کھا کر رہ گیا لیکن بہرحال ان کی دھمکی میں اتنی جان تھی کہ سجاد شاہ منہ کھولنے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ باپ سے بگاڑ کر اسے کچھ نہیں ملے گا اور وہ جس طرز زندگی کا عادی تھا اسے کچھ نہیں ''بہت کچھ'' چاہیے تھا چنانچہ بہتری اسی میں تھی کہ فی الحال

پسپائی اختیار کر لی جائے۔

☆☆☆

"عمر.....!" مطیب شاہ کی آواز فرطِ جذبات سے کانپ اٹھی پھر انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر عمر احسان کو اپنے سینے سے لگایا۔ اس وقت وہ کالج میں موجود تھے اور پیون سے کسی ملاقاتی کی آمد کا سن کر گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ جس کے آنے کا انتظار دل بہت یقین سے کرتا رہا ہے یوں اچانک چلا آیا ہے۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم اپنے فرار میں ناکام ہو کر ایک دن ضرور واپس پلٹو گے"۔ مطیب شاہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی کھنک تھی۔

"آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ جب پلٹنے کا سوچو تو دیر نہ کرنا' کم از کم یہ سوچ کر کہ ایک شخص بہت شدت سے تمہارے لوٹنے کا منتظر ہے۔ آج میں اس شخص کے پاس واپس لوٹ آیا ہوں"۔ عمر احسان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

"تمہارے آنے سے میں کتنا خوش ہوں عمر! یہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں اب تک اپنی آدھی طاقت کے ساتھ زندگی کے مصائب سے لڑ رہا تھا۔ اب تم آ گئے ہو تو میری پوری توانائی لوٹ آئی ہے"۔ مطیب شاہ کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔

"آپ کے خوابوں نے تعبیر کے رنگ اوڑھ لیے ہیں یہ دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہے۔ بہت کچھ یہاں آنے سے پہلے ہی لوگوں کی زبانی سن تو لیا ہی تھا لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور بھی اچھا لگ رہا ہے"۔

"میرے خوابوں کا ایک حصہ تمہیں اپنے شانہ بشانہ دیکھنا بھی تو تھا"۔ مطیب شاہ نے سرگوشی کی۔

"آ تو گیا ہوں میں آپ کے خواب کو تعبیر دینے"۔ عمر احسان نے جس بے ساختگی سے کہا اسی بے ساختگی سے مطیب شاہ کی آنکھیں خوشی سے مسکرا اٹھیں۔

"چلو حویلی چلتے ہیں' تم نہا دھو کر فریش ہو جانا پھر لنچ کے بعد ڈھیر ساری باتیں

کریں گے۔ تم مجھے بتانا کہ اتنے برس میں کیا کچھ کیا' کیسے وقت بتایا اور اپنے ساتھ کیا کچھ لائے"۔ مطیب شاہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"کیا کچھ کیا اور کیسے وقت بتایا یہ تو گزرے وقت کی باتیں ہیں وہ تکلیف دہ باتیں جنہیں میں بھول ہی جانا چاہتا ہوں۔ البتہ اپنے ساتھ پی ایچ ڈی کی ڈگری اور بہت سی خوش امیدیاں لے کر آیا ہوں"۔

"اچھی بات ہے' ہمیں ضرورت بھی ان ہی چیزوں کی ہے"۔ مطیب شاہ نے جواب دیا۔

"پتا ہے عمر! یہ جو اتنا کچھ ہوا ہے' خوش امیدی کے باعث ہوا ہے ورنہ جو ہمارے ہاں کا ماحول اور حالات تھے اسے دیکھتے ہوئے یہ سب کچھ ہونا ممکن ہی نہیں لگتا تھا لیکن دیکھو ہم کچھ نہ کچھ تو کامیاب ہو ہی گئے۔ یہ اور بات کہ ہمارے دلوں میں کتنے زخم ہیں' یہ ہم ہی جانتے ہیں۔ خاص طور پر نور العین کی قربانیاں جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ میری چھوٹی سی بہن نے جس طرح اپنا آپ داؤ پر لگا کر دوسروں کے لیے راہیں کھولی ہیں' ان قربانیوں کو دیکھ کر ایک طرف میرا دل دکھتا ہے تو دوسری طرف یہ حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جینے کا ڈھنگ سیکھ سکوں۔ بس اب تو رات دن اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ خوش رہے اور سجاد شاہ اس کے لیے اتنا برا ثابت نہ ہو جتنا ہم اسے سمجھتے ہیں"۔ یہ پہلی بار تھا کہ مطیب شاہ اپنا اتنا نجی معاملہ عمر احسان کے سامنے کھل کر بیان کر رہے تھے۔

"جب سے نور کو سجاد شاہ کے ساتھ رخصت کیا ہے دل اداسی میں ڈوبا رہتا ہے۔ تمہارے آنے نے اس دل کو کتنی بے پایاں خوشی دی ہے یہ تم جان ہی نہیں سکتے"۔ مطیب شاہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"تم جو کبھی اپنی تھیں ہی نہیں' جانے کس گھڑی پرائی ہو گئیں اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی"۔ عمر احسان نے تصور میں نور العین سے شکوہ کیا اور چپکے سے آنکھیں موند لیں۔ اسے آنکھیں موندتے دیکھ کر مطیب شاہ نے گفتگو کا سلسلہ روک لیا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے

کہ عمر سفر کی تھکان سے نڈھال ہے۔

☆☆☆

''عمر لوٹ آیا ہے''۔ اس خبر کو سن کر نورالعین کے دل میں ایک طوفان ضرور اٹھا تھا لیکن اس نے ہر مشرقی لڑکی کی طرح اس طوفان کو دل میں ہی چھپا لیا تھا۔ زندگی کسی نہ کسی نہج پر چل ہی پڑی تھی۔ سجاد شاہ کی تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود نورالعین نے اسپتال جوائن کر لیا تھا۔ اسپتال میں زنانہ اور مردانہ حصے بالکل الگ تھے۔ نورالعین کے علاوہ وہاں ایک لیڈی ڈاکٹر اور بھی تھی جسے بطور خاص شہر سے بلایا گیا تھا۔ اسپتال کے قیام سے گاؤں والے بہت خوش تھے۔ اردگرد کے دیہاتوں میں رہنے والوں کو بھی سہولت ہو گئی تھی۔ اب انہیں اپنے شدید بیمار مریض کو اٹھا کر شہر کی طرف دوڑنے کی ضرورت نہیں تھی جہاں پہنچتے پہنچتے مریض بے چارہ ایک طرف بیماری تو دوسری طرف راستے کی طوالت اور بے آرامی سے نڈھال ہو جاتا تھا۔ لوگ خوش تھے کہ اب انہیں زندگی کی بنیادی سہولتیں اپنے علاقے میں میسر آنے لگی ہیں۔

لوگوں کی خوشی کے ساتھ ساتھ سید امیر شاہ اور قائم شاہ کا خون بھی بڑھ رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ان لوگوں کے ہمدرد خیر خواہ تھے بلکہ اس لیے کہ ان کا ووٹ بینک روز بروز بڑھ رہا تھا۔ مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے تھے اور وہ ان کی چال کا توڑ نہیں کر پا رہے تھے۔ دوسری طرف میڈیا سے ملنے والی کوریج اور اقتدار کے ایوانوں میں ملنے والی اہمیت تھی۔ سید قائم شاہ جو ہمیشہ اپنی اکلوتی اولادِ نرینہ سے ناراض رہتے تھے۔ اب اس کی ذہانت اور فراست کو دل کھول کر سراہتے تھے۔ یہ مطیب شاہ کی دکھائی ہوئی راہ تھی جس پر چل کر کامیابیاں ان کے قدم چوم رہی تھیں۔ وہ بے تحاشا خوش تھے اور شاید یہ بے تحاشا خوشی ہی تھی جسے وہ سہار نہ سکے۔ الیکشن سے صرف ایک ماہ پہلے سید قائم شاہ دل کے شدید جان لیوا دورے کا شکار ہو کر دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کی اچانک موت سبھی کے لیے صدمے کا باعث تھی۔ ایک طرف مریدوں اور معتقدین میں صفِ ماتم

بچھی ہوئی تھی تو دوسری طرف سجادہ نشینی کا مسئلہ تھا۔ مطیب شاہ نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ انہیں بابا جان کی اس ذمہ داری کا بار اپنے شانوں پر اٹھانا ہو گا لیکن اب مجبوری تھی۔ وہ سید قائم شاہ کے جانشین تھے۔ انہیں باپ کی ہر ذمہ داری کو قبول کرنا تھا۔ طوعاً و کرہاً انہیں روایت کے آگے سپر ڈالنی پڑی لیکن یہ طے تھا کہ وہ روایتی ''پیر سائیں'' نہیں بن سکتے تھے۔ انہیں اپنے جیسے انسانوں کو اپنے قدموں میں جھکانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مطیب شاہ نے ایک سربراہ کی حیثیت سے بابا سائیں والی جگہ سنبھالی تھی لیکن ان کے سامنے یہ حدیثِ نبویؐ موجود تھی کہ......

''قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے'' (بخاری)

قوم کی خدمت کا عزم تو وہ بہت پہلے ہی کر چکے تھے۔ اب سربراہ کی حیثیت سے وہ اس ذمہ داری کا بوجھ اور بھی شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

اسپتال کی اندرونی عمارت سے نکل کر احاطے میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتی نورالعین کے قدم بنچ پر بیٹھے اس شخص کو دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔ اس شخص کی مدقوق حالت اور بے تحاشا کھانسی نے اسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے کھانسی کے ساتھ اس شخص کے منہ سے خون کے لوتھڑے سے نکلنے لگے۔

''کون ہے یہ؟'' نورالعین نے اپنے پیچھے چلتی ملازمہ سے دریافت کیا۔ خود وہ باوجود کوشش کے اسے شناخت نہیں کر سکی تھی اور اسے بھی خیال گزرا تھا کہ یہ شخص پاس کے کسی دوسرے گاؤں سے علاج کے لیے یہاں آیا ہوا ہے۔

''یہ عزیز ہے جی...... صغریٰ کا شوہر''۔ ملازمہ نے بتایا تو نورالعین کے دل میں ناگواری کی ایک لہر سی اٹھی لیکن بہرحال وہ ایک ڈاکٹر تھی اور اس قدر خراب حال میں موجود شخص کے بارے میں جانے بغیر خاموشی سے نہیں گزر سکتی تھی۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' ناگواری کو دل میں دباتے ہوئے نورالعین نے ملازمہ

سے پوچھا۔

''کہتے ہیں کہ آنتوں کا کینسر ہے۔ بڑے دنوں سے بیمار ہے۔ بہت دن شہر میں لگا کر آیا ہے۔ ماں باپ کے پاس جتنا روپیہ پیسہ تھا انہوں نے اس پر خرچ کر ڈالا لیکن اب یہ گاؤں لوٹ آیا ہے۔ شہر کے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ اب یہاں اسپتال میں پڑا ہے۔ علاج تو یہاں کے ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں لیکن وہ درد کو کم کرنے والی دوائیں دے دیتے ہیں۔ ابھی شاید یہ اندر کی گھٹن سے گھبرا کر ہوا خوری کے لیے یہاں باہر آ کر بیٹھ گیا ہے''۔ ملازمہ نے پوری تفصیل سے اسے معلومات فراہم کیں۔

نورالعین' عزیز احمد کے لاغر وجود پر ایک تاسف بھری نگاہ ڈالتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھی۔ وہ جانتی تھی یہ مکافاتِ عمل ہے۔ ایک پاکدامن اور باحیا لڑکی کے کردار پر کیچڑ اچھال کر اسے موت کے منہ میں دھکیلنے کی سزا ہے۔ صغریٰ کی موت تو شاید آسان تھی کہ ایک ہی وار میں اسے زندگی کی قید سے نجات مل گئی تھی لیکن نورالعین جانتی تھی کہ عزیز احمد کس عذاب میں مبتلا ہے۔ موت کیسے قطرہ قطرہ اس کے وجود میں اتر کر اس کی زندگی کو عذاب ناک بنا رہی ہیں۔ اتنا عذاب ناک کہ انسان خود ہی موت کی چاہ کرنے لگے اور موت آ کر نہ دے۔

☆☆☆

''آؤ عمر بیٹھو...... بڑے دن ہو گئے تم سے ٹھیک طرح سے ملاقات ہی نہیں ہوئی''۔

''آپ مصروف بھی تو بہت ہو گئے ہیں''۔ عمر احسان نے کہا تو جواباً مطیب شاہ ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئے۔

''وقت بھی کیا کیا رنگ دکھاتا ہے۔ سارا وقت کا کمال ہے کہ آج میں وہ کچھ بھی کر رہا ہوں جو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ سجادہ نشینی' یہ سیاست کے داؤ پیچ' یہ سب کہاں میرے خواب تھے مگر بابا جان کے اچانک چلے جانے سے سب کچھ بدل کر رہ گیا

ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں بہت مشکل میں پڑ جاتا۔ تم ہو تو مجھے اطمینان ہے کہ میرے خوابوں میں رنگ بھرنے والا' انہیں تعبیر دینے والا موجود ہے۔ کالج کا انتظام جس طرح تم نے سنبھالا ہوا ہے کوئی اور ہوتا تو نہ کر پاتا۔ تم اور زرمین دونوں میرے معاون و مددگار ہی نہیں میرے شریکِ خواب بھی ہو۔ تم دونوں جانتے ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں' کیا سوچتا ہوں' اسی لیے مجھے اسکول اور کالج دونوں کی طرف سے اطمینان رہتا ہے''۔ مطیب شاہ کی آنکھوں اور لہجے میں عمر احسان کے لیے ہمیشہ والی محبت تھی۔

''اللہ نے چاہا تو آپ کا یہ اطمینان ہمیشہ قائم رہے گا۔ میں اپنے وجود کی تمام تر توانائی کے ساتھ آپ کے 'مشن' آپ کے خوابوں کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا''۔ عمر احسان نے یقین دہانی کروائی۔

''مجھے معلوم ہے''۔ مطیب شاہ کے چہرے پر میٹھی سی مسکراہٹ ابھری۔

''اور آپ سنائیں' آپ کے سیاسی معاملات کیسے چل رہے ہیں؟'' عمر احسان نے گویا گفتگو کا رخ بدلا۔

''سیاست تو ایک گورکھ دھندا ہے۔ وہاں اتنی منافقت اور بے ایمانی ہے کہ بندہ چکرا کر رہ جائے۔ میرے جیسے بندے کا تو میدان ہی نہیں ہے سیاست۔ چاچا سائیں کے بے حد اصرار پر میں نے بابا جان کی سیٹ سنبھال تو لی ہے لیکن لگتا نہیں ہے کہ میں زیادہ عرصے اس میدان میں چل سکوں گا''۔ مطیب شاہ بولے۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کو اپنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہیے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ سیاست میں سارے بے ایمان اور کرپٹ لوگ آئیں اور ہم پر حکمرانی کریں۔ وہاں آپ جیسے لوگ بھی تو ہونے چاہئیں جو عوام کو کھل کر سانس لینے میں مدد دے سکیں''۔ عمر احسان نے مطیب شاہ سے اختلاف کیا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس معاملے پر غور کروں گا لیکن فی الحال تو میں نے تمہیں ایک دوسرے کام سے بلوایا تھا''۔ مطیب شاہ اٹھ کر پیچھے موجود بک شیلف تک گئے اور ایک کتاب نکالی۔

"یہ کتاب نینسی ولیم نامی ایک خاتون نے لکھی ہے۔ اس میں ایشیائی ممالک خصوصاً مسلم ممالک کے پسماندہ علاقوں میں رائج جاہلانہ اور فرسودہ رسومات کا سہارا لے کر اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بظاہر کتاب کا موضوع عورت کی مظلومیت اور اس پر ہونے والا ظلم ہے لیکن درحقیقت مصنفہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کے ساتھ ہونے والے تمام مظالم کا سبب اسلامی تعلیمات اور قوانین ہیں۔ میری بڑی خواہش تھی کہ اس کتاب کا مدلل جواب دوں۔ اس سلسلے میں میں نے کچھ ابتدائی کام بھی کر لیا تھا لیکن پھر مصروفیات کے بھنور میں پھنس کر میں اس طرف توجہ نہیں دے سکا۔ اب بھی تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ہاتھ پیر کس بری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ ایسے میں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ یہ ذمہ داری تمہیں سونپ دوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہ کام مجھ سے کئی گنا اچھا کر سکتے ہو"۔ مطیب شاہ نے کتاب عمر احسان کی طرف بڑھائی۔

"تم یہ کتاب پڑھ لو...... جو نوٹس میں نے تیار کیے ہیں دیکھ لو۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کا بہت اچھا جواب دے سکو گے"۔

"انشاء اللہ کیونکہ یہ صرف آپ کا حکم ہی نہیں بحیثیت مسلمان میرا فرض بھی ہے اگر میں اس کتاب کا جواب لکھ سکا تو مجھے خوشی ہوگی کہ میرا نام بھی مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ جہاد بالسیف نہ سہی جہاد بالقلم کرنے والے مجاہدین میں ہی سہی' میں شمار تو ہوں گا"۔ عمر احسان کا چہرہ اندرونی جوش و جذبے سے تمتما رہا تھا۔ مطیب شاہ کو اپنے اندر ڈھیروں اطمینان اترتا محسوس ہوا۔ انہوں نے نینسی کے شرپسندانہ لٹریچر کا جواب دینے کی ذمہ داری جس شخص کو سونپی تھی وہ کوئی پروفیشنل نہیں تھا۔ وہ ایک مجاہد تھا اور مجاہد کے جذبے کے آگے کسی شر کا زیادہ دیر ٹھہرنا ممکن نہیں ہوتا۔ نینسی ولیم کو بھی جلد اپنے شر کا منہ توڑ جواب ملنے والا تھا۔

☆☆☆

"نور العین کو اب اسپتال جانا چھوڑنا ہوگا"۔ الیکشن کی گہما گہمی' کامیابی کا جشن اور شادمانیاں ماند پڑیں تو سجاد شاہ ایک بار پھر اپنے پرانے مطالبے پر لوٹ آیا۔ نور العین اس وقت خوفزدہ تھی لیکن یہ طے تھا کہ وہ سجاد شاہ کا فیصلہ نہیں مانے گی۔ سجاد شاہ کے طعنے' الزامات یہاں تک کہ گالی گلوچ بھی وہ نہایت خاموشی سے سہتی تھی لیکن اس کا یہ فیصلہ وہ خاموش رہ کر قبول نہیں کر سکتی تھی اسی لیے چاچا سائیں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے چاچا سائیں!" اس کا اندازِ تخاطب گو کہ احترام اور نرمی لیے ہوئے تھا لیکن سید امیر شاہ کو اس کی آنکھوں میں ایک فیصلہ کن سی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"کہو بیٹا! کیا مسئلہ ہے۔ کیا سجاد سے کوئی شکایت ہے؟" انہوں نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سجاد چاہتے ہیں کہ میں اسپتال جانا چھوڑ دوں"۔ نور العین نے مسئلہ بتایا۔

"ہم جانتے ہیں۔ ہم سے بات کر چکا ہے وہ۔ پہلے بھی ہم نے بڑی مشکل سے اسے الیکشن تک روکا تھا لیکن اب ہمارے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔ سید امیر شاہ نے گویا اپنی مجبوری ظاہر کی۔

"لیکن مجھے ان کا یہ فیصلہ ہرگز بھی منظور نہیں۔ میں کسی صورت یہ مطالبہ نہیں مان سکتی"۔ نور العین کا جواب دو ٹوک تھا۔

سید امیر شاہ نے اپنی بھتیجی کو بغور دیکھا۔ اس لہجے انداز میں ان کے خاندان کی کسی عورت میں بات کرنے کی جرأت نہیں تھی لیکن وہ نور العین شاہ تھی۔ مطیب شاہ کی سب سے لاڈلی' پڑھی لکھی' چھوٹی بہن جسے سجاد شاہ سے بیاہتے ہوئے مطیب شاہ نے واضح الفاظ میں یہ بات جتا دی تھی کہ نور العین کا پروفیشن اس کا سب سے بڑا خواب ہے اور کبھی کوئی اس کی راہ میں آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ سید امیر شاہ نے اس وقت یہ مطالبہ خاموشی سے مان لیا تھا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ جب نور العین بہو بن کر ان کے گھر آ جائے گی تو پھر اس کے سارے اختیارات ان کے ہاتھوں میں آ جائیں گے اور اسے وہی

کچھ کرنا ہوگا جو وہ چاہتے ہیں لیکن اب نورالعین کا کسی قدر باغیانہ انداز انہیں جتا رہا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے ان کا حکم ماننے والی نہیں۔ باوجود غصہ آنے کے انہوں نے ضبط سے کام لیا اور کھنکھارتے ہوئے لہجے کو نرم بناتے ہوئے بولے۔

''دیکھو بیٹا! اپنی روایتوں سے تم بھی واقف ہو۔ ہمارے ہاں بہو بیٹی کا گھر سے باہر نکلنا کبھی بھی پسندیدہ نہیں رہا لیکن پھر بھی ہم نے کچھ تمہاری خواہش پر اور کچھ سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے تمہیں اسپتال جا کر کام کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن یہ بات سجاد شاہ کے لیے تکلیف کا باعث ہے اور ایک اچھی بیوی ہونے کے ناتے تمہارا یہ فرض ہے کہ سجاد شاہ کا حکم مانو۔ اس کی خوشنودی کا خیال رکھو اور اسپتال جانا چھوڑ دو۔ تمہارا شوق اپنی جگہ لیکن شوق کی اہمیت تمہارے اور سجاد کے رشتے سے بڑھ کر تو نہیں ہے''۔

''پہلی بات تو یہ ہے چاچا سائیں کہ جسے آپ میرا شوق کہہ رہے ہیں وہ میرا شوق نہیں مقصدِ حیات ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر مجھے میرے مقصد سے روکا گیا تو میرا اور سجاد شاہ کا رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں نے اس رشتے کو صرف اسی لیے قبول کیا تھا کہ میں اپنے مقصد کو پانا چاہتی تھی۔ ورنہ دوسری صورت میں تو میرے لیے سجاد شاہ کی بیوی بننے سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ میں اپنا حق بخشوا کر حویلی کے کسی کمرے میں ہمیشہ کے لیے خود کو فنا کر دوں''۔ نورالعین کی اس درجہ صاف گوئی سید امیر شاہ سے برداشت نہیں ہوسکی۔

''تم گستاخی کر رہی ہو لڑکی''۔ وہ دھاڑے۔

''میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں''۔ نورالعین کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ اس جیسی بزدل لڑکی میں اتنی جرأت کب اور کیسے آگئی تھی وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''مردوں کے فیصلے کے آگے سر جھکانا ہماری عورتوں کی روایت رہی ہے۔ تمہیں ہماری روایتوں کی پاسداری کرنی ہوگی''۔ سید امیر شاہ کے لہجے میں جلال تھا۔

''نہیں چاچا سائیں! اب آپ کو اس طرح کی غیر منصفانہ روایتوں کو توڑنا ہوگا ورنہ پھر اس سے بھی بڑی بڑی روایتیں ٹوٹیں گی''۔ نورالعین کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سید امیر شاہ چونک سے گئے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''ہمارے ہاں اگر ایک بار کوئی رشتہ جڑ جائے تو کبھی نہیں توڑا جاتا لیکن خود پر لگائی جانے والی بے جا پابندیوں کو توڑنے کے لیے ہوسکتا ہے خلاف روایت مجھے اپنا اور سجاد شاہ کا رشتہ توڑنا پڑے''۔

''نورالعین......'' سید امیر شاہ کی دھاڑ بہت بلند تھی۔

''میں صحیح کہہ رہی ہوں چاچا سائیں اور آپ بھی جانتے ہیں کہ موجودہ حالات میں یہ کوئی ایسی ناممکن بات بھی نہیں۔ اگر میں نے ایسا کوئی فیصلہ کیا تو مجھے لالہ کی مکمل حمایت حاصل ہوگی''۔ نورالعین درست کہہ رہی تھی۔ سید امیر شاہ اپنی جگہ گنگ سے رہ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اب فیصلے کے اختیارات ان کے روایت پرست بھائی کے بجائے روایت شکن بھتیجے کے ہاتھوں میں ہیں اور بھتیجا اپنی بہن کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے، وہ خوب جانتے تھے۔

☆☆☆

سندھ کے اس حصے کو سیلابی ریلے نے یوں آناً فاناً اپنی لپیٹ میں لیا تھا کہ کسی کو بچاؤ کی کوئی تدبیر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اردگرد کے کئی گاؤں سیلابی ریلے کی زد میں آگئے تھے۔ خوش قسمتی سے مطیب شاہ کا گاؤں سیلاب سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا اور یہ ایک طرح سے دوسرے گاؤں کے لوگوں کے لیے بھی اچھا تھا کیونکہ علاج معالجے اور رہائش کی جو سہولتیں یہاں میسر تھیں وہ کسی اور گاؤں میں نہیں تھیں۔ اردگرد سے متاثرین کو ان کے گاؤں میں لایا جا رہا تھا۔ اسپتال مریضوں سے بھر گیا تھا۔ اسکول اور کالج کی عمارتوں کو بھی فی الحال متاثرین کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔ یہ اتنا کڑا وقت تھا کہ کسی کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ مطیب شاہ اور امیر شاہ اس علاقے کے مالک ہی نہیں، سیاسی نمائندے بھی تھے اگر مطیب شاہ ان دونوں حیثیتوں میں خود کو صورتِ حال سے نمٹنے کا بھرپور ذمہ دار سمجھتے ہوئے پورے خلوص سے کام کر رہے تھے تو دوسری طرف سید امیر شاہ

بھی بہت پر جوش تھے۔ یہ اپنی سیاسی ساکھ کو مضبوط کرنے کا بہترین موقع تھا اور وہ اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ان حالات میں انھیں اپنے ضدی بیٹے کا مطالبہ ماننے اور بہو پر پابندیاں عائد کرنے کا ہوش نہیں تھا چنانچہ نورالعین' سجاد شاہ کی تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود اسپتال میں موجود تھی لیکن وہاں مریضوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ معمول کے مطابق کام کرنے والے ڈاکٹروں کی تعداد قطعی ناکافی تھی۔ صورت حال کو دیکھتے ہوئے مطیب شاہ نے شہر سے ڈاکٹروں کی ٹیم کو فوراً ہی کال کرلیا تھا لیکن پتا نہیں یہ ان ڈاکٹرز کی بدقسمتی تھی یا اس علاقے کے لوگوں کی کہ امداد کے لیے آنے والے ڈاکٹروں کی گاڑی گاؤں کے قریب پہنچ کر حادثے کا شکار ہوگئی۔

گو حادثے کی شدت بہت زیادہ نہیں تھی لیکن تقریباً تمام ہی ڈاکٹرز متاثر ہوئے تھے۔ کسی کے ماتھے پر چوٹ لگی تھی تو کسی کا ہاتھ زخمی تھا۔ اسپتال میں موجود ڈاکٹروں کو سیلاب کے متاثرین کو چھوڑ کر پہلے ان ڈاکٹروں کو طبی امداد دینی پڑی۔ ٹیم میں موجود دو لیڈی ڈاکٹرز میں سے ایک ڈاکٹر کو دیکھ کر نورالعین ششدر رہ گئی۔ وہ رفعت معیز تھی۔ اس کی پیاری اور مخلص دوست۔ رفعت اگرچہ زخمی تھی لیکن ہوش میں تھی۔ اس نے بھی نورالعین کو شناخت کرلیا تھا لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ دونوں عرصے بعد ملنے والی دوستوں جیسے گرم جوشی سے ایک دوسرے سے مل پاتیں۔ رفعت کے ماتھے پر چوٹ لگی تھی۔ نورالعین نے بینڈیج کرکے اسے پین کلر دیتے ہوئے آرام کا مشورہ دیا لیکن رفعت نے اس کا یہ مشورہ نہیں مانا تھا۔ اپنی تکلیف کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے وہ مریض خواتین اور بچوں کو طبی امداد دینے میں نورالعین کے ساتھ شریک ہوگئی تھی۔ ایثار کے اس جذبے کا صرف رفعت معیز ہی نے نہیں باقی دوسرے ڈاکٹرز نے بھی مظاہرہ کیا تھا۔ سوائے ایک زیادہ متاثر ڈاکٹر کے' ٹیم میں موجود باقی سات ڈاکٹرز اپنے زخموں کو بھلا کر اپنے فرائض کو تندہی سے انجام دینے لگے تھے۔ ان کا یہ جذبہ قابلِ ستائش بھی تھا اور قابلِ تقلید بھی۔ مطیب شاہ جو حادثے کی خبر سن کر بھاگم بھاگ اسپتال پہنچے تھے ڈاکٹرز کے اس ایثار کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور بطورِ خاص ان سب کا شکریہ ادا کیا۔ جو کچھ وہ لوگ کر رہے

تھے بے بدل تھا لیکن کم از کم ان کا زبان سے شکریہ تو ادا کیا ہی جاسکتا تھا۔

☆☆☆

''عمر' تم کچھ دیر گھر جا کر آرام کرلو۔ مجھے تم بہت تھکے ہوئے محسوس ہو رہے ہو''۔ متاثرین میں کھانے کی تقسیم کی نگرانی کرتے عمر احسان کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے مطیب شاہ نے اسے مشورہ دیا۔ وہ سب پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل جاگ کر کام رہے تھے۔ مسائل کا انبار تھا اور فی الحال وہ اپنے تمام تر وسائل پوری طرح بروئے کار نہیں لاپا رہے تھے۔ متاثرین کی ایک بڑی تعداد کو اس گاؤں میں منتقل کرنے کے باوجود بے شمار لوگ تھے جو اپنے دیہاتوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان بے شمار لوگوں کا صرف ایک گاؤں میں سمانا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس لیے کوشش بھی کی جارہی تھی کہ لوگوں کو ان کی اپنی جگہ پر امداد پہنچائی جاسکے۔ مطیب شاہ اور امیر شاہ کی گاڑیاں سامانِ رسد لے کر ہر طرف دوڑ رہی تھیں لیکن یہ ساری تگ و دو ناکافی تھی۔ جتنے بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی تھی اس سے نمٹنے کے لیے بہت زیادہ وسائل کی ضرورت تھی۔

''بستروں کے سلسلے میں کیا ہوا مطیب بھائی! لوگ بہت تکلیف میں ہیں خصوصاً چھوٹے بچے''۔ عمر احسان نے اپنے اردگرد مفلوک الحال لوگوں پر نظریں جمائے مطیب شاہ سے پوچھا۔ مطیب شاہ کا گھر جا کر آرام کرنے کا مشورہ اس نے سرے سے نظر انداز کردیا تھا۔

''جو کچھ میسر تھا یہاں پہنچ چکا ہے۔ باقی میں شہر فون کرکے ہدایت دے چکا ہوں۔ وہاں موجود لوگ انتظام کرکے چند گھنٹوں میں سامان یہاں پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ تم جانتے ہو کہ پہلا مسئلہ تو پانی میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نکال کر محفوظ مقامات تک پہنچانے کا تھا اسی لیے اس کام کو ترجیحی بنیادوں پر کیا گیا۔ فوج کے کئی جوان اور ایک ہیلی کاپٹر اس سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں۔ خوراک' طبی امداد اور شیلٹر کی فراہمی کے بعد اب یہ بستروں والا مسئلہ ہے جسے ممکنہ حد تک ضرور حل کیا جائے گا۔ تم

زیادہ ٹینس مت ہو۔ اس قسم کی صورتِ حال میں یکدم سب کچھ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مرحلے وار ہی مسائل کو حل کیا جاتا ہے"۔ مطیب شاہ نے عمر احسان کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ عمر احسان کی حساس طبیعت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ اس حادثے سے بری طرح متاثر ہوا ہے کچھ اس لیے بھی کہ وہ پہلی بار اپنی آنکھوں سے اس قسم کا کوئی حادثہ دیکھ رہا تھا۔ اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے کسی مصیبت زدہ علاقے کے بارے میں جاننا اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنا بہت مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایسا کرب مسلسل ہوتا ہے جس سے ٹی وی کا بٹن آف کر کے نظر نہیں چرائی جا سکتی۔ اتنے کرب کے درمیان رہ کر اس سے نمٹنے کی کوشش کرنے والوں کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور مطیب شاہ عمر احسان کی آنکھوں میں یہ ٹوٹ پھوٹ دیکھ رہے تھے۔

"تم مسلسل مصروف ہو عمر! میں چاہ رہا تھا کہ تم کچھ دیر آرام کر لیتے"۔ مطیب شاہ نے ایک بار پھر عمر کو مخاطب کیا۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں"۔ عمر نے انکار کیا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ......" مطیب شاہ نے اصرار کرنے کی کوشش کی لیکن سامنے سے آتی ایک وین کو دیکھ کر انہوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس وین کے ساتھ ہی چاچا سائیں کی جیپ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وین پر ایک مشہور نیوز چینل کا لوگو بنا ہوا تھا۔ مطیب شاہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ چاچا سائیں اس موقع پر بھی نمود و نمائش سے باز نہیں آ سکتے۔

"مطیب بیٹا! یہ لوگ جاننا چاہ رہے ہیں کہ ہم اس مشکل سے کس طرح نمٹ رہے ہیں ہم نے اپنی مدد آپ کے تحت کیا کچھ کیا ہے۔ یوں تو میں تھوڑی بہت بریفنگ دے چکا ہوں لیکن زیادہ تر کام تو تم نے سنبھال رکھا ہے۔ اس لیے بہتر ہے تم ان کو تفصیلات سے آگاہ کرو"۔ سید امیر شاہ نے تعارف کا مسئلہ طے ہونے کے بعد مطیب شاہ سے کہا تو مطیب شاہ نے چاچا سائیں، مائیک اور کیمرہ سیٹ کرتے چینل کے نمائندوں پر بیزار سی نظر ڈالی اور بولے۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے ابھی بہت سے کام دیکھنے ہیں۔ میں تفصیلات کی الجھن میں پھنس کر وقت ضائع نہیں کر سکتا البتہ اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ جو کچھ اب تک کیا گیا ہے بہت کم ہے۔ ابھی تو ہم لوگوں کی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکے۔ باقی آپ کو کچھ جاننا ہے تو یہاں موجود لوگوں کا حال دیکھ کر اور ان سے سن کر جان سکتے ہیں"۔ مطیب شاہ اپنی بات کہہ کر وہاں رکے نہیں تھے۔

ٹی وی چینل کے نمائندے کا کچھ پوچھنے کی خواہش میں کھلا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ دوسری طرف امیر شاہ بھی بھتیجے کی حرکت پر بری طرح جز بز ہوئے۔ وہ میڈیا کے ذریعے لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ انہوں نے اس حادثے میں کتنی خدمات انجام دی ہیں۔ حکومتی وسائل سے ہٹ کر ذاتی طور پر کتنا کچھ خرچ کیا ہے لیکن بھتیجا کہہ گیا تھا کہ ابھی تو کچھ ہو ہی نہیں سکا۔ وہ لاکھوں لٹا بیٹھے تھے اور وہ اس بات کو کسی خاطر میں ہی نہیں لا رہا تھا لیکن بہر حال انہیں تو اپنی کی ہوئی انویسٹمنٹ کا احساس تھا۔ اتنا کچھ خرچ کرنے کے بعد اگر میڈیا کے ذریعے ان کی واہ واہ نہ ہوتی تو کیا فائدہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی کمر کس لی کہ میڈیا والوں کی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کر سکیں۔

☆☆☆

"اپنی سناؤ، کیا کر رہی ہو آج کل اور گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"گورنمنٹ اسپتال میں جاب کر رہی ہوں۔ رہی گھر والوں کی بات تو اگر تم نے یوں ہم سے ناتا نہ توڑ لیا ہوتا تو اتنی بے خبر نہ رہتیں"۔ آج دو دن بعد دونوں سہیلیوں کو موقع ملا تھا کہ ایک دوسرے کا حال احوال جاننے کی کوشش کرتیں۔

"میرے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ میں دوستی نبھانے کی پوزیشن میں نہیں تھی"۔ رفعت معیز کے شکوے پر نور العین نے افسردگی سے جواب دیا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ حالات اتنے بھی خراب ہو سکتے ہیں کہ دوستوں کے دکھ سکھ بھی نہ بانٹے جا سکیں"۔ رفعت معیز کا شکوہ اپنی جگہ تھا۔

''تم شاید اپنے بھائی کی شادی میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے ناراض ہو لیکن یقین کرو مجھ تک دعوت نامہ پہنچ ہی نہیں سکا اور ملا تو اپنی شادی کی پہلی رات ایک الزام اور طعنے کی صورت''۔ نورالعین' رفعت معیز کو احمر معیز کے خط اور سجاد شاہ کے شک کے بارے میں ایک ایک لفظ سناتی گئی۔

''میرے بھائی کو معاف کر دینا نور! وہ نہیں جانتا ہوگا کہ اس کی چھوٹی سی غلطی تمہارے لیے کس اذیت اور مشکل کا سبب بن جائے گی''۔ رفعت نے نورالعین کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہت لجاجت سے کہا۔

''جانے دو رفعت اگر احمر وہ خط نہ لکھتے تب بھی سجاد شاہ کا ساتھ مشکل اور اذیت ناک ہی رہتا''۔ نورالعین نے آزردگی سے جواب دیا لیکن پھر رفعت کے چہرے کی طرف دیکھ کر چونک سی گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو لڑی کی صورت بہتے ہوئے اس کے رخساروں پر پھیلے ہوئے تھے۔

''پاگل ہوئی ہو' اس قدر رونے کی بھلا کیا ضرورت ہے جو میری قسمت میں لکھا تھا' وہ مجھے مل گیا۔ تمہارے رونے سے اس کا مداوا تو نہیں ہوسکتا۔ الٹا مجھے تمہارے آنسو دیکھ کر تکلیف ہی ہو رہی ہے''۔ نورالعین نے پیار سے رفعت کو گلے لگایا۔

''تمہیں خبر ہی نہیں نور! ہم نے کیا کھو دیا''۔ رفعت کے آنسوؤں میں کچھ اور بھی روانی آ گئی تھی۔

''کیا ہوا رفعت مجھے بتاؤ؟'' نورالعین نے اس کے دونوں شانے تھامتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

''احمر بھائی...... احمر بھائی ہم میں نہیں رہے''۔ رفعت کی ہچکی بندھ گئی۔

''کب ..... کیسے؟'' نورالعین کو شدید دھچکا پہنچا۔ بے شک اس کی احمر معیز کے ساتھ قلبی وابستگی نہیں تھی لیکن وہ اس شخص کی اچھائی کو دل سے تسلیم کرتی تھی۔

''اپنی شادی سے صرف دو دن پہلے۔ اس رات ہم لوگ حبہ کو مہندی لگا کر آنے کے بعد سوئے ہی تھے کہ گھر میں ڈاکو گھس آئے۔ پاپا نے ان لوگوں سے کہا بھی کہ جو کچھ

چاہیے لے جاؤ لیکن گھر کے کسی فرد کو ہاتھ نہ لگانا مگر پھر بھی جاتے جاتے وہ احمر بھائی کو گولیاں مار گئے۔ میرا جوان' کڑیل بھائی ہماری نظروں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔ اس قاتل کا چہرہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی جس نے میرے بے قصور بھائی سے اس کی زندگی چھین لی''۔ رفعت آنسوؤں کے ساتھ جو کچھ بتا رہی تھی اسے سن کر نورالعین کا دل رنج میں ڈوبا جا رہا تھا لیکن یہ وقت رفعت کو سنبھالنے کا تھا۔ وہ خود پر قابو پا کر رفعت کی دلجوئی کرنے لگی۔ رفعت کے آنسو پونچھ کر اس نے اس کے ہونٹوں سے پانی کا گلاس لگایا اور اس کی پشت سہلانے لگی۔ دو گھونٹ پانی پی کر رفعت قدرے سنبھل گئی۔

''بھائی کے بعد تو ہمارا گھر بالکل قبرستان بن گیا ہے۔ ایک طرف مما نے بستر سنبھال لیا ہے تو دوسری طرف پاپا مسکرانا بھول گئے ہیں۔ حبہ کا حال اور برا ہے بالکل گم صم ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر ہم سب کا دل اور بھی زیادہ کڑھتا ہے''۔ رفعت بہت دکھی لہجے میں بتا رہی تھی۔

''اللہ تم سب کو حوصلہ اور صبر دے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور میں تمہارا غم بانٹنے بھی نہیں پہنچ سکی' مجھے علم ہی نہیں ہو سکا۔ لالہ اور نرمین بھابی بھی ان دنوں اتنے مصروف تھے کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں تھا''۔ نورالعین کے لہجے میں حقیقی تاسف تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ گزرے ہوئے وقت کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

''مطیب نہیں آیا نرمین؟'' نرمین کی بیٹی کو گود میں اٹھائے صالحہ شاہ کچن کے دروازے پر نمودار ہوئیں۔

''نہیں اماں جان! میں تو خود پریشان ہوں۔ جب سے یہ واقعہ ہوا ہے انہوں نے مشکل سے چند گھنٹے ہی آرام کیا ہوگا۔ ذرا آ کر بستر پر لیٹتے نہیں ہیں تو کوئی نہ کوئی فکر ستانے لگتی ہے اور اٹھ کر باہر نکل جاتے ہیں''۔ نرمین کی آواز میں تشویش تھی۔

''اب حویلی آئے تو میرے پاس بھیجنا' میں خود سمجھاؤں گی اسے۔ اگر اس طرح اپنے آپ سے بے پروا ہو کر بھاگ دوڑ میں لگا رہا تو خود بیمار پڑ جائے گا۔ دوسروں کے کام آنے کے لیے خود بندے کو اپنی ذات کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اگر خود ہی ڈھے جائیں تو پھر بھلا کسی اور کے کام کیسے آ سکیں گے''۔ صالحہ شاہ نے بردباری سے کہا اور پوتی کے ساتھ کچن سے باہر نکل گئیں۔ مطیب کی بیٹی اسی طرح ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنی رہتی تھی۔ گو کہ ان کا نواسا اور نواسیاں بھی موجود تھے لیکن جس طرح وہ پوتی کے لاڈ اٹھاتی تھیں۔ ویسا پیار کسی اور بچے کے حصے میں نہیں آیا تھا۔ پوتی میں کھو کر تو وہ قائم شاہ کی اچانک موت کا صدمہ بھی بہ آسانی سہہ گئی تھیں۔

''تم لوگ دھیان سے اچھی طرح دیکھ بھال کر کھانا تیار کرو کل کی طرح روٹیاں کم نہیں پڑنی چاہئیں''۔ نرمین شاہ جو ملازماؤں کے کام کا جائزہ لینے ہی کچن میں آئی تھی۔ انہیں قدرے سخت لہجے میں ہدایت دے کر خود بھی کچن سے باہر نکل آئی۔ آج کل حویلی میں متاثرہ خاندانوں کی چند خواتین اور بچوں نے بھی قیام کیا ہوا تھا لہٰذا حویلی کے کچن میں ان کے لیے بھی کھانا تیار ہوتا تھا۔ نرمین کو اطلاع ملی تھی کہ کل ملازماؤں نے سستی سے کام لیتے ہوئے کم تعداد میں روٹیاں پکائی تھیں جس کے باعث دو خواتین بھوکی رہ گئی تھیں۔ حویلی میں مقیم کوئی پناہ گزیں بھوکا رہ جائے یہ ان کے لیے بہت سبکی کا مقام تھا۔ اسی لیے نرمین شاہ کا موڈ بھی قدرے آف تھا ورنہ ملازماؤں کے ساتھ وہ ہمیشہ نرم سلوک کرنے کی ہی عادی تھی۔

''بی بی! شاہ سائیں آ گئے ہیں''۔ وہ راہداری میں پہنچی تو سامنے سے آتی ملازمہ نے اطلاع دی۔ نرمین شاہ اطلاع سن کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' مطیب الماری کھولے کھڑے تھے۔ اس کی طرف پلٹے بغیر ہی جواب دیا۔

''کیا چاہیے' مجھے بتائیں؟'' نرمین تیزی سے آگے بڑھی۔

''بس یہ کپڑے نکال رہا تھا۔ فریش ہو کر چینج کروں گا''۔ مطیب شاہ نے ایک ہینگ کیا ہوا استری شدہ شلوار قمیص نکال کر الماری بند کی۔

''اچھی بات ہے' آپ جلدی سے فریش ہو جائیں میں کھانا لگواتی ہوں۔ کھانا کھا کر آرام کر لیجیے گا۔ کب سے آپ نے پوری نیند نہیں لی۔ اماں جان بھی فکرمند ہو رہی تھیں''۔ نرمین شاہ نے کہا۔

''آرام کرنے کا وقت تو ابھی بھی نہیں ہے میرے پاس۔ صرف فریش ہونے کے لیے ہی آیا ہوں پھر ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے''۔ مطیب شاہ نے عجلت بھرے انداز میں جواب دیا اور باتھ روم میں گھس گئے۔ نرمین بے بسی سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی پھر خیال آیا تو صالحہ شاہ کے کمرے کی طرف دوڑی۔ اس وقت وہی اپنے بیٹے سے نمٹ سکتی تھیں۔ مطیب شاہ باتھ لے کر نکلے تو صالحہ شاہ کمرے میں موجود تھیں۔

''السلام وعلیکم اماں جان!'' مطیب شاہ نے مودبانہ ماں کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! یہ نرمین بتا رہی تھی تم پھر کہیں جانے کی تیاری میں ہو۔ یہ تو اچھی بات نہیں کہ تم خود کو بے آرام کر کے گھر والوں کو یوں پریشان کرو''۔ مطیب شاہ کے انداز کی عجلت صالحہ شاہ بھی محسوس کر رہی تھیں اس لیے براہِ راست گفتگو شروع کر دی۔

''بس اماں جان! ایک بہت ضروری کام ہے اس لیے میرا فوری طور پر روانہ ہونا ضروری ہے اگر میرا حال اتنا خراب نہیں ہو رہا ہوتا تو میں باہر کے باہر ہی چلا جاتا''۔ مطیب کا انداز معذرت خواہانہ لیکن اٹل تھا۔

''ساری ذمہ داری اپنے سر کیوں لے رکھی ہے بیٹا! اتنے لوگ ہیں کام کرنے والے پھر تمہارے دونوں بہنوئی اور چاچا سائیں بھی ہیں ہاتھ بٹانے کو پھر تم کیوں اکیلے ہلکان ہوتے رہتے ہو''۔ صالحہ شاہ نے بحث جاری رکھی۔

''چاچا سائیں کی تو آپ بات ہی نہیں کریں' ان کا سارا وقت تو میڈیا والوں کے

سنا تھ گزر جاتا ہے البتہ معظم اور غیاث واقعی بہت مدد کر رہے ہیں لیکن یہ معاملہ ایسا ہے کہ مجھے خود ہی دیکھنا ہوگا۔ وہ دونوں جذباتی ہیں کوئی ایسی حرکت کر سکتے ہیں جو ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔ اس وقت جب کہ میڈیا کی نظریں ہماری طرف لگی ہوئی ہیں۔ بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا''۔ صالحہ شاہ کو وہ کچھ فکرمند محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے کچھ بتائیں تو؟'' زرمین شاہ نے تشویش سے پوچھا۔

''اطلاع ملی ہے کہ دو گاؤں چھوڑ کر خمیسو گوٹھ میں ایک این جی او نے اپنا کیمپ لگایا ہے۔ اس این جی او کا تعلق کسی عیسائی مشنری سے ہے۔ متاثرہ علاقوں میں جا کر تباہ حال لوگوں کی مدد کے بہانے ان کی برین واشنگ کر کے عیسائیت کی طرف راغب کرنا اس این جی او کا پرانا طریقہ کار ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے علاقے میں انہیں اس طرح کی چال چلنے کا موقع مل سکے۔ یہاں لوگ پہلے ہی دین کی ناکافی معلومات رکھتے ہیں اور جس قسم کے حالات ہیں اس میں تو اکثر ہی مذہب پسِ پشت چلا جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی سدِ باب نہ کیا گیا تو اس مشنری کو پنجے گاڑھنے کا موقع مل جائے گا''۔ مطیب شاہ نے تفصیلات بتائیں تو ان لوگوں کو صحیح معنوں میں اس کی پریشانی کا احساس ہوا۔

''پھر آپ کیا کریں گے؟ کیا زبردستی ان لوگوں کو یہاں سے واپس بھیج دیں گے''۔ زرمین نے تفکر سے پوچھا تو مطیب دھیرے سے ہنس دیے۔

''اگر یہ کرنا ہوتا تو پھر تو اس کام کے لیے معظم یا غیاث میں سے ہی کوئی مناسب رہتا لیکن ہمیں یہ نہیں کرنا ہے ورنہ وہ لوگ ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔ ظالم وڈیرے، تنگ نظر مسلمان اور نہ جانے کیا کچھ ہونے کے الزامات لگائے جائیں گے اور ہمارا سو کالڈ آزاد خیال میڈیا ان کو پروموٹ کرے گا۔ اچھائی کے پردے میں چھپی ہوئی سازشوں کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے ہمارے لوگوں میں''۔ مطیب شاہ نے جواب دیا اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا اماں جان!! اجازت دیں اب چلتا ہوں''۔

''جاؤ بیٹا!! اللہ تمہیں کامیاب کرے''۔ مطیب شاہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر صالحہ شاہ

نے دعا دی۔

''گاڑی میں کھانا رکھوا دیا ہے۔ راستے میں خیال سے کھا لیجیے گا۔ یہ نہ ہو کہ بھوکے ہی رہیں''۔ زرمین نے مطیب شاہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ہدایت دی تو وہ سر کو اثبات میں جنبش دے کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''یہ دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ تمہارے لالہ نے اپنے مشن کو جاری رکھا ہوا ہے۔ اسپتال کے ساتھ ساتھ گرلز کالج کا قیام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ورنہ ان علاقوں میں جس طرح لڑکیوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، یہ بہت افسوس ناک بات ہے''۔ رفعت نے چائے کا سپ لیتے ہوئے نور العین سے کہا۔

''تم صحیح کہہ رہی ہو رفعت! یقین جانو یہاں لڑکیوں کو پڑھنے کا بہت شوق ہے اور اب تو ٹی وی وغیرہ دیکھ کر ان کے بزرگوں کے ذہن بھی بدلنے لگے ہیں لیکن ظاہر ہے وہ اتنے وسائل تو نہیں رکھتے کہ اپنی بچیوں کے شہر جا کر تعلیم حاصل کرنے کے اخراجات برداشت کر سکیں۔ خود میں نے جب ایف ایس سی کیا تھا تو روزانہ کالج آنے جانے کے لیے کئی گھنٹے سفر کی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ چلو میرے پاس تو پھر بھی آرام دہ گاڑی تھی لیکن یہ بے چاری لڑکیاں کیا کریں جن کے ماں باپ کے لیے روٹی کپڑا بھی ڈھنگ سے میسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے''۔ نور العین نے رفعت کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''تم خوش قسمت ہو نور کہ تمہاری حیثیت بارش کے اس قطرے کی سی ہے جس کے پیچھے پھر لڑی سی لگ جاتی ہے۔ تم نے اپنے بعد والوں کے لیے بہت آسانی پیدا کر دی ہے''۔ رفعت نے رشک سے نور العین کو دیکھا۔

''واقعی، شاید یہ میری خوش قسمتی ہی تھی ورنہ مجھ سے پہلے تو زرمین بھابی نے ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھا تھا لیکن چاچا سائیں نے انہیں کالج جانے کی اجازت ہی نہیں دی۔ اللہ کا شکر ہے کہ بابا جان، چاچا سائیں کے مقابلے میں قدرے کم سخت گیر تھے پھر مجھے

لالہ کی حمایت بھی حاصل تھی اس لیے میرا کام آسان ہوتا چلا گیا''۔نورالعین کے لہجے میں اللہ کے لیے شکرگزاری تھی۔

''بی بی سائیں سجاد شاہ اس طرف آ رہے ہیں''۔ دونوں سہیلیوں کے درمیان گفتگو مزید آگے بڑھتی اس سے قبل ہی ایک آیا نے آ کر نورالعین کو اطلاع دی۔

''میں ذرا باہر کا راؤنڈ لگا کر آتی ہوں''۔ رفعت معیز کو وہاں ٹھہرنا مناسب معلوم نہیں ہوا تو وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔نورالعین نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ جانتی تھی کہ سجاد شاہ کی یہاں آمد کوئی خوشگوار واقعہ نہیں۔ پچھلے چند دنوں سے اس کا اور سجاد شاہ کا سامنا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ روزانہ بس چند گھنٹوں کے لیے ہی گھر جاتی تھی ورنہ اس کا پورا وقت اسپتال کے لیے وقف تھا۔ اس دوران سجاد شاہ کہاں ہوتا تھا' وہ جاننے کے باوجود بھی انجان بنی رہتی تھی۔

''اگر بابا سائیں نے تمہیں کچھ آزادی دے ہی دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر جو من میں آئے وہ کرو''۔ سجاد شاہ آندھی کی طرح کمرے میں آیا تھا اور نورالعین پر برسنے لگا تھا۔

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی......؟''۔نورالعین کا انداز بے نیازانہ تھا۔

''سارا سارا دن گھر سے باہر رہنا۔ شوہر کی پروا چھوڑ کر ٹکے ٹکے کے لوگوں کی خدمت کرنا کون سا شریفانہ طریقہ ہے......؟''۔ سجاد شاہ کڑے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ آپ کوئی نہیں ہوتے لوگوں کی قیمت مقرر کرنے والے۔ رہی بات شوہر کی پروا کرنے کی تو میں جانتی ہوں ڈیرے پر ایسے کئی خاص الخاص خدمت گاروں کا آنا جانا ہے جن کے ہوتے ہوئے آپ کو میری قطعی ضرورت نہیں البتہ یہاں موجود بقول آپ کے ٹکے ٹکے کے لوگوں کو میری ضرورت ہے' اسی لیے میں یہاں موجود ہوں''۔ نورالعین نے دوبدو جواب دیا۔ اب وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے سجاد شاہ کے سامنے غیر ضروری طور پر دبنا نہیں ہے۔ سجاد شاہ خود بھی اس کے انداز کی اس تبدیلی کو محسوس کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ اس کی وجہ مطیب شاہ کی پشت پناہی ہے اور بہرحال وہ

مطیب شاہ سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا کہ اب وہی کل اختیارات کا مالک تھا۔ سو آواز کو قدرے دھیما کر کے بولا۔

''اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں چاہیے کہ گھر جا کر ان کی دیکھ بھال کرو''۔

''میں آنے سے پہلے انہیں چیک کر کے آئی تھی۔ معمولی ساز کام تھا میں نے دوا دے دی تھی۔ ایک دو خوراکیں لیں گی تو آرام آ جائے گا۔ مغرب تک میں گھر واپس آؤں گی تو دوبارہ چیک کر لوں گی''۔اس بار نورالعین نے بھی رسان سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تو میں واپس جا رہا ہوں لیکن اگر تم مغرب تک گھر نہیں پہنچیں تو اس اسپتال میں ہنگامہ برپا کر دوں گا''۔ سجاد شاہ دھمکی آمیز لہجے میں کہہ کر واپس پلٹ گیا۔ نورالعین کو اس کا یہ انداز برا تو لگا لیکن پھر سر جھٹک کر خود بھی باہر نکل گئی تاکہ مریضوں کا معائنہ کر سکے لیکن وارڈ میں جانے سے پہلے ہی اس کا سامنا رفعت سے ہو گیا۔

''نورا! میں نے اس شخص کو یہاں دیکھا ہے۔ اس قاتل کو جس نے احمر بھائی کی جان لی تھی''۔ رفعت کا چہرہ دھلے لٹھے کے مانند ہو رہا تھا۔

''کہاں......؟''نورالعین نے حیرت سے پوچھا۔

''آؤ میرے ساتھ''۔ رفعت اس کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کے آخری سرے تک لے گئی یہاں سے اسپتال کے احاطے میں کھڑی سجاد شاہ کی گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر سجاد شاہ کا خاص کارندہ گلزار بیٹھا ہوا تھا اور رفعت اس ہی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''وہ بھاگ رہا ہے نورا! اسے روکو''۔ سجاد شاہ گاڑی میں آ کر بیٹھا تو گلزار نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گاڑی اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر رفعت بے ساختہ چیخی تھی۔

''ہش...... چپ رہو بے وقوف۔ کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ تم نے اپنے بھائی کے قاتل کو شناخت کر لیا ہے۔ یہ بندہ کہیں نہیں جانے والا لیکن اگر تم نے شور مچایا تو یہ

بھاگ جائے گا۔ بہتر ہے تم چپ رہو۔ میں اس سلسلے میں لالہ سے بات کر کے تمہیں کوئی بہتر حل بتاؤں گی‘‘۔ نورالعین نے بے ساختہ ہی رفعت کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے آواز نکالنے سے روکا۔ رفعت جس پر ہیجانی کیفیت طاری ہو رہی تھی قدرے ڈھیلی پڑ گئی اور سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دے کر نورالعین کے خیال کی تائید کی۔

☆☆☆

این جی او کے قائم کردہ کیمپ میں بیٹھے مطیب شاہ گہری سوچ بچار کے ساتھ ایک ایک چیز کو دیکھ رہے تھے۔ امپورٹڈ دودھ کے ڈبے‘ نرم ملائم کمبل‘ ڈبا بند خوراک کیا کیا اشیاء وہاں موجود نہیں تھیں اور یہ ساری وہ چیزیں تھیں جن سے گاؤں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ ان خراب حالات کی تو کیا ہی بات تھی اگر عام حالات میں بھی کوئی ان کے لیے یہ سب نعمتیں لے کر آتا تو وہ اس کے آگے بچھ بچھ جاتے پھر اب تو بات ہی اور تھی۔ وہاں جہاں بنیادی اشیائے ضرورت کا کال پڑا ہوا تھا ایسی اشیاء کا مل جانا دنیا میں جنت کے میوے مل جانے کے مصداق تھا اور جو لوگ ان کے لیے یہ ’’مالِ جنت‘‘ لے کر آئے تھے ان کی اثر انگیزی ہرگز بھی کم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ تو جو بھی سلو پوائزن ان کم علم لوگوں کے ذہنوں میں منتقل کرتے اسے کسی الہامی پیغام کی صورت قبول کیا جاتا اور یہ مطیب شاہ کے لیے بہت بڑا مقامِ فکر تھا۔ وہ وہاں بیٹھے بیٹھے ہی اس بات پر غور کر رہے تھے کہ انہیں جلد از جلد ہر گاؤں میں ایسے چھوٹے یونٹ قائم کرنے ہیں جہاں بے شک لوگوں کو بہت زیادہ جدید تعلیم نہ دی جائے لیکن بنیادی تعلیم کے ساتھ دین کی اقدار سے ضرور روشناس کرا دیا جائے۔

’’چائے لیجیے سر!‘‘ کیمپ انچارج نے ایک پیپر کپ مطیب شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے مخاطب کیا تو مطیب شاہ اپنے خیال سے باہر نکلا۔

’’تھینک یو‘‘۔ مطیب شاہ نے کپ تھام لیا۔

’’آپ کی این جی او کو کون سپورٹ کرتا ہے؟‘‘۔ چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے

مطیب شاہ نے انچارج سے پوچھا۔

’’کوئی ایک نہیں‘ کئی ایک ادارے اور مخیّر حضرات ہیں‘‘۔ اس کا جواب گول مول سا تھا۔ ظاہر ہے وہ اپنی اصل شناخت تو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

’’سنا ہے آپ نے اس علاقے کی ترقی کے لیے کافی کام کیے ہیں اور اب آپ کا ووٹ بینک اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ اردگرد کے دوسرے زمیندار تو آپ کے مقابلے کا سوچ بھی نہیں سکتے‘‘۔ وہ ستائش کی آڑ لے کر مطیب شاہ کے خلوص سے انجام دی گئی خدمات کو سیاسی چال قرار دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

’’میرے خیال میں تو مقابلہ کچھ مشکل نہیں جو کام میں کر رہا ہوں وہ بھی شروع کر دیں۔ ہمارا مقصد تو علاقے کی بہتری ہے‘ حکمرانی چاہے کسی کے بھی ہاتھ آ جائے‘‘۔ مطیب شاہ نے رسان سے جواب دیا۔

’’امیزنگ...... ورنہ یہاں تو دیکھا گیا ہے کہ جو ایک بار کرسی پر بیٹھ جائے پھر اس کی جان چھوڑنے پر راضی ہی نہیں ہوتا‘‘۔ اس کے انداز میں حیرت تھی۔

’’میرا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا۔ خیر‘ آپ اس ذکر کو چھوڑیں اس وقت تو ہمارے پیشِ نظر موجودہ حالات ہیں۔ میں آپ کی مدد کے لیے اپنے کچھ لوگوں کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ لوگ امدادی کارروائیوں میں آپ لوگوں کی معاونت کریں گے‘‘۔ مطیب شاہ نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

’’ارے سر! اس کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے لوگ تربیت یافتہ ہیں وہ بہ آسانی سب کچھ کر لیں گے‘‘۔ انچارج نے پس و پیش سے کام لیا۔

’’بے شک‘ آپ کے لوگ تربیت یافتہ ہیں لیکن مقامی حالات کو ہم سے بہتر نہیں جان سکتے۔ ہمارے علاقے میں آپ کو کوئی مسئلہ پیش آ جائے‘ یہ ہمیں اچھا نہیں لگے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ میری بات مان لیں‘‘۔ مطیب شاہ کے انداز میں ایک چھپی ہوئی دھمکی تھی۔ جسے انچارج محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ مطیب شاہ نے یہ انداز مجبوری کی حالت میں جان بوجھ کر اپنایا تھا۔ وہ ان لوگوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے

تھے۔ اس لیے اپنے کچھ سمجھدار اور باشعور طلباء کو ان کے درمیان لے آئے تھے۔ ان طلباء کے درمیان میں آجانے سے مقامی لوگوں اور این جی او کے افراد کے درمیان ربط ضبط کی نگرانی کا کام آسانی سے انجام پا جاتا۔ مطیب شاہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر اس کے باوجود این جی او کے افراد نے پر پھیلانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی کرنی چاہیں تو وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر ان لوگوں کو یہاں سے چلتا کریں گے چاہے پھر انہیں کتنی ہی تنقید کا سامنا کرنا پڑے۔

''ٹھیک ہے پھر...... جیسی آپ کی مرضی۔ آج رات یا کل صبح تک ہماری انتظامیہ میں سے بھی کچھ وی آئی پی یہاں پہنچنے والی ہیں۔ میں ان سے بھی آپ کے لوگوں کا تعارف کروادوں گا''۔ انچارج کو بادلِ ناخواستہ ہامی بھرنی ہی پڑی۔

''او کے' میں چلتا ہوں۔ ابھی اور بھی بہت سے معاملات دیکھنے ہیں''۔ مطیب شاہ نے انچارج سے ہاتھ ملایا اور قدرے مطمئن ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

کمبل اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹنے کے باوجود وہ سردی کی شدت سے بچنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ سردی کی لہر جسم کے گویا ایک ایک ریشے میں دوڑ رہی تھی جس کے باعث وہ بری طرح کپکپا رہا تھا۔ کپکپاہٹ اتنی شدید تھی کہ اس کے دانت تک بری طرح بج رہے تھے۔ طبیعت میں محسوس ہوتی خرابی کو تھکن پر محمول کرتا عمر احسان جب آرام کی غرض سے اپنے لیے مخصوص' اپنے اس دو کمروں کے کوارٹر میں آیا تو اسے گمان بھی نہیں تھا کہ اس کی یہ حالت ہونے والی ہے۔ اسے شدت سے اپنی تنہائی کا احساس ہوا۔ اس وقت اس کے اردگرد کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جسے وہ اپنی مدد کے لیے پکارتا۔ اس وقت اسے طبی امداد کی شدید ضرورت تھی لیکن اس تنہائی میں یہ امداد کہاں سے آتی۔ یہ تنہائی اس کی اپنی منتخب کردہ تھی۔ مطیب شاہ کے لاکھ اصرار پر بھی وہ حویلی میں قیام کے لیے راضی نہیں ہوا تھا اور کالج کے احاطے میں قائم اس دو کمروں کے کوارٹر کو اپنی رہائش

کے لیے پسند کیا تھا۔

''آپ نہ جانے کتنی بار تکلیف کے اس مرحلے سے گزرے ہوں گے''۔ اس کو ذہنی رو خود بخود ہی ابا کی طرف چلی گئی تھی''۔ ابا بھی تو پورا پورا دن گھر میں رہ کر تنہائی کا یہ عذاب سہتے تھے۔ ایسے میں جب انہیں کسی تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہوگا تو...... یہ تنہائی اور بھی ڈستی ہوگی جبھی تو وہ اکثر بہت تلخ بھی ہو جاتے تھے''۔ ابا کے متعلق سوچتے ہوئے عمر کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

عمر صاحیب''۔ یکدم ہی تنہائی میں کالج کے چوکیدار کی آواز گونجی۔ وہ ہمیشہ صاحب کو یونہی لمبا کر کے ''صاحیب'' بنا دیا کرتا تھا۔

''عمر صاحیب! کہاں ہیں آپ؟ آج شام سے نظر نہیں آئے میں نے سوچا چل کر خیریت معلوم کرلوں''۔ وہ بولتا ہوا کمرے میں آ گیا تھا۔ عمر نے بدقت کمبل سے سر باہر نکال کر اس کی طرف دیکھا۔

''ارے صاحیب! کیا ہوا ہے آپ کو......؟''۔ چوکیدار سے اس کے وجود کی لرزش چھپی نہ رہی اور وہ گھبرا کر اس کے قریب آیا۔ ''لگتا ہے جاڑا بخار ہو گیا ہے۔ میں ابھی اسپتال سے کسی ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں''۔ عمر کی پیشانی چھو کر بخار محسوس کرتا چوکیدار تشویش سے بولا اور پھر فوری فیصلہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ عمر نے اپنی غیر ہوتی حالت کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ پتھر کے کیڑے کو اس کا رزق فراہم کرنے والے رب نے اپنے بندے کی بے بسی اور تنہائی کا مداوا کرنے کو مدد بھیج دی تھی۔ اللہ کبھی اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑتا وہ سب سے بہتر جاننے والا اور خبر گیری کرنے والا ہے۔ بس یہ بندہ ہی ہے جو اس کا شکر بجا لانے کے بجائے ناشکر گزار ہونے میں عجلت سے کام لیتا ہے۔ عمر احسان اپنی تھوڑی دیر پہلے کی کیفیت کو سوچتے ہوئے دل ہی دل میں استغفار کر رہا تھا۔ ناشکرے بندے پر اللہ کا یہ بھی تو ایک احسان ہے کہ توبہ کا در ہمیشہ کھلا رکھتا ہے۔

☆☆☆

''طیبہ پلیز! جو بھی مسئلہ ہو آپ کوشش کیجیے گا کہ خود ہی دیکھ لیں۔ ڈاکٹر رفعت اور طاہرہ مسلسل کئی راتیں جاگ کر گزار چکی ہیں۔ آج رات وہ لوگ ٹھیک سے نیند لے لیں تو بہتر ہے۔ میرا گھر جانا ضروری نہ ہوتا تو میں خود آپ کی مدد کے لیے رک جاتی لیکن اس وقت مجبوری ہے''۔ نورالعین اپنی بڑی سی سیاہ چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے اسپتال کی مستقل اسٹاف ممبر ڈاکٹر طیبہ کو ہدایت دے رہی تھی۔ کچھ ایمرجنسی کیسز کی وجہ سے وہ سجاد شاہ سے کہنے کے باوجود مغرب کے وقت گھر نہیں جا سکی تھی اور اب جب کہ رات کا اندھیرا چھا رہا تھا اس پر عجلت سوار تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ سجاد شاہ کا موڈ اختلافات اور ناپسندیدگی کے باوجود نورالعین معاملات کو زیادہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زبانی طور پر چاچا سائیں کو علیحدگی کی دھمکی دینا اور بات تھی لیکن وہ درحقیقت اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی جو اس کی تعلیم کے لیے الزام بن جاتا۔

''آپ بے فکر ہو کر جائیں۔ میں سنبھال لوں گی''۔ ڈاکٹر طیبہ نے اسے تسلی دی تو وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔ ڈرائیور گاڑی سمیت اس کا منتظر تھا۔ وہ جیسے ہی گاڑی میں بیٹھی' ڈرائیور اسٹارٹ کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاڑی جس روانی سے چل رہی تھی نورالعین کا ذہن اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ آج جس طرح رفعت نے سجاد شاہ کے خاص آدمی کو احمر معیز کے قاتل کے طور پر شناخت کیا تھا' وہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ گلزار کا رفعت کے گھر ہونے والی ڈکیتی میں شامل ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس واردات کے پیچھے سجاد شاہ کا ہاتھ ہے پھر جس طرح کسی مزاحمت کے نہ ہونے پر بھی احمر معیز کو عمداً قتل کیا گیا تھا اس سے بھی یہ بات ظاہر تھی کہ اصل مقصد احمر معیز کا قتل ہی تھا جسے ڈکیتی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔ سجاد شاہ نے احمر معیز سے اپنی رقابت کا انتقام لیا ہو یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی اور اگر یہ سچ تھا تو نورالعین کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے تھا۔ سجاد شاہ کی تمام تر خامیوں' بدمزاجیوں یہاں تک کہ بدکرداری کو بھی برداشت کرنے کے بعد کیا اب اسے ایک قاتل کے ساتھ

رہنا بھی قبول کرنا تھا۔ وہ پریشان تھی اور اس مسئلے کے حل کے لیے اسے مطیب شاہ کی طرف ہی دیکھنا تھا لیکن آج کل جو حالات تھے اس میں اس قسم کی مشاورت کے لیے وقت ملنا بہت مشکل تھا۔ نورالعین کا سوچوں کے گرداب میں بھٹکتا ذہن گاڑی کو لگنے والے جھٹکے کے باعث اپنے ماحول میں واپس آیا۔

''خانہ خراب' اندھوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ گاڑی کے نیچے آتے آتے بچا ہے''۔ ڈرائیور بہ آواز بلند بڑبڑا رہا تھا۔

''معاف کرنا ادا! جلدی میں تھا۔ عمر صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے' میں اسپتال سے کسی ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا''۔ کالج چوکیدار گاڑی کی کھڑکی کے پاس آ کر معذرت کرنے لگا۔ اس کے الفاظ سن کر نورالعین کو جھٹکا لگا اور بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''خیر تو ہے بچل! کیا ہوا عمر صاحب کو؟''

''سلام بی بی صاحب!'' چوکیدار کی نظر پچھلی نشست پر بیٹھی نورالعین پر ابھی پڑی تھی سو ہاتھ باندھ کر مودبانہ سلام عرض کیا۔

''وعلیکم السلام! تم نے بتایا نہیں کہ کیا ہوا ہے عمر صاحب کو؟'' نورالعین نے عجلت سے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنا سوال دُہرایا۔

''بڑی زور کا جاڑا چڑھا ہے۔ پورا جسم تپ رہا ہے۔ میں ڈاکٹر کو لینے ہی اسپتال جا رہا تھا''۔

''گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ''۔ نورالعین نے فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے اسے حکم دیا۔

''آپ بی بی صاحب!'' چوکیدار کے انداز میں حیرت تھی۔ یہ حیرت ڈرائیور کی آنکھوں میں بھی تھی۔

''کیوں' میں ڈاکٹر نہیں ہوں کیا؟ تم اتنی دور اسپتال تک پیدل جاؤ گے اس وقت وہاں کوئی گاڑی بھی موجود نہیں ہے۔ پیدل کسی ڈاکٹر کو لے کر آنے میں اسے زحمت بھی ہوگی اور دیر بھی لگے گی اس سے بہتر ہے کہ میں خود ہی معائنہ کر کے دوا تجویز کر دوں''۔

نورالعین کے حتمی انداز نے چوکیدار کو مجبور کر دیا کہ وہ گاڑی میں بیٹھ جائے۔ ڈرائیور نے بھی خاموشی سے گاڑی کا رخ کالج کی طرف کر دیا۔ سیدزادی نورالعین کسی غیر مرد کا علاج کرنے اس کے گھر تک جائے یہ بات انوکھی لگنے کے باوجود وہ مالکوں کے حکم کے غلام تھے۔

دوسری طرف نورالعین' عمر احسان کی کیفیت سن کر اندازہ لگا رہی تھی کہ اس پر ملیریا بخار کا حملہ ہوا ہے۔ سیلاب کے بعد جہاں علاقے میں ہیضہ اور ٹائیفائیڈ جیسی بیماریاں پھیلی تھیں وہیں جگہ جگہ کھڑے پانی کی وجہ سے مچھروں کی بھی بہتات ہو گئی تھی اور ملیریا کے بھی کئی مریض اب تک سامنے آچکے تھے۔ نورالعین کا اندازہ تھا کہ عمر احسان بھی ملیریا کا ہی شکار ہوا ہے۔

☆☆☆

''نورو واپس آگئی ہے یا نہیں؟'' سجاد شاہ گھر واپس پہنچا تو اس کا سب سے پہلے اپنی ماں سے سامنا ہوا۔

''ابھی تک تو نہیں آئی۔ ایسا کرو تم خود جا کر لے آؤ۔ کافی اندھیرا ہو گیا ہے اب اس وقت ڈرائیور کے ساتھ آئے گی تو اچھا نہیں لگے گا''۔ انہوں نے بیٹے کو جواب دینے کے ساتھ ہدایت بھی دی۔

''کہا بھی تھا میں نے کہ مغرب تک واپس آ جانا لیکن اس کے نزدیک میری کسی بات کی اہمیت ہی کہاں ہے؟ یہ سارا بابا سائیں کی دی ہوئی آزادی کا نتیجہ ہے لیکن اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کی ایک نہیں سنوں گا''۔ نورالعین کو اب سارے دھندے چھوڑ کر خاندان کی دوسری عورتوں کی طرح حویلی میں رہنا ہوگا۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائیں بابا سائیں کی سیاسی مصلحتیں۔ اب میں مزید بے غیرت بن کر تماشا نہیں دیکھ سکتا''۔ سجاد شاہ نے غصے میں بڑبڑاتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔ پیر کا نقص اپنی جگہ لیکن اس وقت اس کی چال میں موجود لڑکھڑاہٹ اس کے نشے میں ہونے کی بھی علامت

تھی۔

''سائیں''۔ ڈرائیور نے اسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو فوراً الرٹ ہوا۔

''اسپتال جانا ہے''۔ سجاد شاہ نے حکم دیا۔ سجاد شاہ کے مزاج کی خرابی کو محسوس کرتے ہوئے مزاج شناس گلزار خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

''گلزار! یہ ہماری ہی گاڑی تھی نا جو ابھی یہاں سے گزری ہے''۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد سجاد شاہ کی نظر ایک سیاہ رنگ کی گاڑی پر پڑی تو اس نے ڈرائیور سے تائید چاہی ویسے تو وہ خود ہی اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ گاڑی نورالعین کے زیر استعمال ہے۔

''جی ہاں سائیں''۔ گلزار نے گاڑی کے عقب میں موجود نمبر پلیٹ کو دیکھتے ہوئے تصدیق کی۔

''یہ گاڑی جا کہاں رہی ہے؟ اسے تو حویلی واپس آنا چاہیے تھا''۔ سجاد شاہ بڑبڑایا۔

''سائیں! ادھر تو لڑکوں کا کالج ہے''۔ گلزار نے بتایا۔

''ایسا کرو تم بھی اسی طرف چلو۔ ذرا دیکھیں تو معاملہ کیا ہے''۔ سجاد شاہ نے حکم دیا تو گلزار نے بھی اس راستے پر گاڑی ڈال دی جس پر سے ابھی کچھ دیر قبل وہ سیاہ گاڑی گزری تھی۔ وہ کالج کے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو حسب توقع نورالعین کی گاڑی وہاں کھڑی تھی۔ گلزار نے سجاد شاہ کی گاڑی کو اس گاڑی کے قریب لے جا کر روک دیا۔ سجاد شاہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ نورالعین اپنی گاڑی میں موجود نہیں تھی لیکن اس کا ڈرائیور باہر ہی کھڑا تھا۔ سجاد شاہ کو اپنے سامنے موجود پا کر اس کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا۔

''یہاں کیا کر رہے ہو تم؟'' سجاد نے اس سے سخت لہجے میں پوچھا۔

''بی بی کو لے کر آیا ہوں سائیں!'' ڈرائیور نے ہاتھ جوڑتے ہوئے جواب دیا۔

''کہاں ہے بی بی؟'' سجاد شاہ کا لہجہ اور بھی غضب ناک ہوا۔ اس بار ڈرائیور

نے منہ سے کوئی جواب دینے کے بجائے ہاتھ سے عمر احسان کے کوارٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔ سجاد شاہ اپنی بیساکھی کا سہارا لے کر تندی سے کوارٹر کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ نشے سے کپکپاتے اس کے جسم میں اس وقت غصے کی لرزش بھی شامل ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''عمر! آنکھیں کھولیے عمر''۔ بخار کی شدت سے غنودگی میں جاتا عمر احسان کا ذہن پکارنے والی کو شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نورالعین......!'' اپنی تمام ناتوانی کے باوجود بالآخر اس نے آواز کو شناخت کر لیا اور تیزی سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی' وہ اپنی اس کوشش میں مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکا پر نیم وا آنکھوں سے جو نظارا دکھائی دے رہا تھا وہ بے حد غیر یقینی تھا۔ سیاہ چادر کے ہالے میں موجود چہرہ اسی دشمن جاں کا تھا۔ یقین نہیں آتا تھا لیکن یقین بھی کرنا ہی تھا کہ دنیا میں اس جیسا دوسرا کوئی ہونا ممکن تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ اس کا خیال مجسم ہو کر اس کے سامنے چلا آیا ہو۔

''اُف' مائی گاڈ! بخار تو بہت تیز ہے''۔ عمر احسان کا ٹمپریچر لینے کے بعد اب وہ اس کی کلائی پکڑے نبض چیک کر رہی تھی۔ عمر احسان نے اس کی نرم و نازک انگلیوں کا لمس پوری شدت سے محسوس کیا اور فوراً ہی اپنے اس خیال کو ٹھکرا دیا کہ سامنے نظر آتا نورالعین کا وجود اس کے تصور کی کرشمہ سازی ہے۔ اس کا تصور ہمیشہ لمس کی آمیزش سے پاک رہا تھا۔ عمر احسان نے اپنے خیال میں بھی نورالعین کو اتنے احتیاط سے سوچا تھا کہ کبھی اسے چھو کر دیکھنے کی تمنا نہیں کی تھی کجا یہ کہ اس کا ہاتھ نورالعین کے ہاتھ میں تھا۔

''بچل! کچھ دوائیں میرے باکس میں موجود ہیں وہ میں ابھی دے رہی ہوں باقی ایک دوا کا نام پرچی پر لکھ کر دوں گی تم اسپتال جا کر وہاں سے لے آنا''۔ نورالعین نے جھک کر عمر احسان کی آنکھوں کے پپوٹوں کو الٹ کر دیکھا اور ساتھ ہی بچل کو بھی

ہدایت دی۔ عمر احسان نے نورالعین کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں سے روح میں اتارتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ وہ سچ مچ اس کے پاس موجود تھی اور اپنی مسیحائی کا اعجاز دکھانے آئی تھی۔

''بی بی!'' بچل کی خوفزدہ آواز نے نورالعین کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔ سامنے سجاد شاہ غضب ناک انداز میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''بدکردار عورت''۔ نورالعین کے پلٹ کر دیکھتے ہی وہ غرا کر بولا اور بیلٹ کے ساتھ لٹکا پستول کھینچ کر نکالا۔

''نہیں! سائیں نہیں''۔ بچل اس کا ارادہ بھانپ کر آگے بڑھا۔

''تجھ جیسی عورت اسی لائق ہے کہ اسے کاری کر دیا جائے''۔ سجاد شاہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ بچل کی استدعا کو نظر انداز کرتے ہوئے غضب ناک انداز میں بولا اور اندھا دھند گولی چلا دی۔ نمک خوار بچل کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنی جان کا نذرانہ دے کر حقِ نمک ادا کر دے۔ وہ نورالعین کے نازک وجود کے سامنے دیوار کی طرح تن گیا اور اس کے حصے کی گولیاں اپنے سینے پر کھا لیں۔ دہشت زدہ نورالعین اس منظر کو دیکھ کر چیخ بھی نہ سکی اور صدمے سے بے ہوش ہو گئی۔ اس سے قبل کہ سجاد شاہ اس کے بے ہوش وجود میں گولیاں اتارتا باہر موجود لوگ پہلے چلائی جانے والی گولیوں کا شور سن کر اندر بھاگے ہوئے آئے اور بپھرے ہوئے سجاد شاہ کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

☆☆☆

''میں پوچھتا ہوں' تمہارے ہوتے ہوئے سجاد شاہ قانون کی گرفت میں کیسے گیا؟ کیا تمہارا فرض نہیں تھا کہ اسے موقعے سے نکال لاتے...... چاہے اس کے لیے تمہیں دو چار بندے ہی کیوں نہ گرانے پڑتے''۔ امیر شاہ گلزار پر دھاڑ رہے تھے۔

''میری جان آپ کی نسل پر قربان سائیں! میں اپنی جان پر کھیل کر چھوٹے

سائیں کو وہاں سے نکال لاتا لیکن فوج کے بندوں کے آنے سے گڑبڑ ہو گئی۔ ان لوگوں نے کسی کی چلنے ہی نہیں دی اور چھوٹے سائیں کو گرفتار کر لیا۔ اگر میں ان کے سامنے اڑنے کی کوشش کرتا تو معاملہ اور بھی خراب ہو جاتا''۔ گلزار سید امیر شاہ کے قدموں میں جھک گیا۔

''دور ہو جا میری نظروں سے حرام خور''۔ امیر شاہ نے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر اس کے سر پر ماری۔ ان کا یہ غضب دراصل ان کی بے بسی کا نتیجہ تھا۔ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اور انہیں بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں سوجھ رہی تھی اگر امدادی کارروائی کے لیے گاؤں آنے والے فوج کے افراد اس قصے میں انوالو نہیں ہوتے تو وہ معاملے کو حسب منشا سلجھا لیتے لیکن اب مسئلہ بہت گھمبیر ہو چکا تھا۔ سجاد شاہ قانون کی گرفت میں تھا۔ ایک ایسے شخص کے قتل کے الزام میں جو مرنے سے پہلے اپنا مکمل بیان دے کر مرا تھا اور امیر شاہ کے لیے اس کیس کو کاروکاری کے مخصوص کیس کا رنگ دینا مشکل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف مطیب شاہ اکھڑا ہوا تھا۔ اس کی طرف سے مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا۔

''سجاد شاہ نے میری بہن کے کردار اور جان دونوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ایسے شخص کے لیے میرے پاس معافی کی کوئی گنجائش نہیں اور پھر اس معاملے میں ایک مظلوم کا ناحق خون بھی بہا ہے۔ بچل جیسے نمک حلال اور وفادار آدمی کے خون کی قیمت سجاد شاہ کو چکانی ہی ہوگی''۔

امیر شاہ بے حد پریشان تھے۔ اکلوتا بیٹا موت کے منہ میں جاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کا اثر و رسوخ اور روپیہ پیسہ سب بے کار جا رہا تھا کیونکہ مقابل بھتیجا تھا۔ وہ بھتیجا جو ان معاملات میں ان سے دو قدم آگے کھڑا تھا پھر اس کے پاس حق کی طاقت تھی جس کے سامنے امیر شاہ کی جھوٹی چالیں ناکام تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ بیٹی کے ذریعے مطیب شاہ پر زور ڈالیں لیکن اس نے بھی تعاون سے انکار کر دیا۔

''سجاد میرا اکلوتا بھائی ہے۔ اس کے ساتھ جو بھی برا ہوا ہوگا اس سے میرے دل

کو صدمہ ضرور پہنچے گا لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا وہ اس کے اپنے کیے کا بدلہ ہوگا۔ میرے لیے یہ شرمندگی کافی ہے کہ میں اس جیسے برے شخص کی بہن ہوں۔ مطیب شاہ کے سامنے برائی کی سفارش کر کے میں اور زیادہ شرمندہ نہیں ہو سکتی''۔ یہ زرمین شاہ کا جواب تھا جسے سن کر امیر شاہ اور ان کی بیوی' بیٹی سے بہت ناراض ہوئے تھے لیکن بیٹی نے اس ناراضی کی پروا نہیں کی تھی۔ ہر طرف سے چوٹ کھائے ہوئے امیر شاہ نے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیے تھے۔ وہ اپنے وکیل کے ذریعے نور العین کے احمر معیز اور عمر احسان کے ساتھ دیرینہ تعلقات ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ ان کی ان حرکتوں سے خاندان کی عزت سرِ عام اچھل رہی ہے' وہ صرف اس کوشش میں تھے کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی زندگی بچ جائے لیکن ان کی ہر چال کا توڑ تقدیر نے پہلے ہی طے کر رکھا تھا۔

☆☆☆

خیسو گوٹھ میں کیمپ لگانے والی این جی او کی طرف سے آنے والی ملاقاتی خاتون نینسی ولیم ہوگی' مطیب شاہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ اس لیے اسے اپنے سامنے پا کر کچھ دیر کے لیے گنگ سے رہ گئے۔

''بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گے شاہ......!'' نینسی کی آواز آج بھی اتنی ہی مترنم تھی لیکن کمال یہ تھا کہ اب مطیب شاہ پر اس آواز کا جادو چلنا بند ہو گیا تھا۔

''کیوں نہیں...... پلیز بیٹھو''۔ مطیب شاہ نے سامنے موجود صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''میری این جی او نے تمہارے علاقے میں کیمپ لگایا ہوا ہے۔ میں انتظامیہ کی طرف سے امدادی کاموں کا جائزہ لینے آئی تھی پر جب یہاں آ کر تمہاری بہن کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کے بارے میں سنا تو سوچا چل کر دیکھوں۔ ہوسکتا ہے اس مظلوم لڑکی کو میری مدد کی ضرورت ہو''۔ نینسی کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی جیسے مطیب شاہ کو جتا

رہی ہو کہ......'' دیکھا میں نے کہا تھا نا' تمہارے ہاں کی عورت کا یہی مقدر ہے۔ اچھا ہوا میں نے برسوں پہلے تمہارا ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا ورنہ یہ سب کچھ میرے ساتھ بھی ہو سکتا تھا''۔

''شاداں' نورالعین کو یہاں بھیجو۔ کہنا ایک خاص مہمان سے ملوانا ہے''۔ نینسی کو کوئی جواب دیے بغیر مطیب شاہ نے لوازمات سے سجی ٹرالی لے کر آنے والی ملازمہ کو حکم دیا۔ ذرا ہی دیر میں نورالعین ان کے سامنے موجود تھی۔

''نورا! یہ نینسی ولیم ہیں۔ تمہارے کیس میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہیں''۔ نورالعین وہاں پہنچی تو مطیب نے نینسی کا مختصر تعارف کرواتے ہوئے نورالعین کو اس کی آمد کا مقصد بتایا۔

''اچھا' لیکن مجھے تو مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تو اپنی فیملی خصوصاً لالہ کی طرف سے بھرپور سپورٹ مل رہی ہے''۔ نورالعین نے نینسی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''دیکھو' ہماری این جی او مظلوم خواتین کی مدد کرنے میں خاص شہرت رکھتی ہے اگر تم پر کسی قسم کا کوئی دباؤ ہو تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گی۔ اگر پروٹیکشن کا کوئی مسئلہ ہے تو وہ بھی حل ہو جائے گا''۔ نینسی کا انداز اسے کریدنے اور ورغلانے والا تھا جس پر نورالعین ہنس پڑی۔

''آپ یقین کریں میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں' جب عدالت میں کسی کا فیصلہ سنایا جائے گا تو آپ خود دیکھ لیجیے گا''۔ نورالعین کے انداز میں جو اطمینان تھا اس نے نینسی کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔

''ایکسکیوز می' مجھے اسپتال پہنچنا ہے''۔ نورالعین معذرت کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تو نینسی خاموشی سے اپنے ہاتھ میں موجود مشروب کے سپ لینے لگی۔

''سالوں پہلے تم نے مجھ پہ جس بے اعتباری کا اظہار کیا تھا آج یقیناً تمہیں اس کا جواب مل گیا ہو لیکن جو کچھ ہوا مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں بلکہ میں تمہارا شکر گزار ہوں کیونکہ اگر تم وہ سب نہ کرتیں تو میرے اندر یہ سب کچھ کرنے کا جذبہ اتنی شدت سے نہ

پیدا ہوتا''۔ مطیب شاہ بہت سادگی سے کہہ رہے تھے۔

''خوشی ہوئی شاہ! مجھے جواب دینے کے لیے ہی سہی تم نے کچھ کیا تو''۔ رخصت ہوتے وقت نینسی نے مطیب شاہ سے کہا۔

''یہ سب میں نے تمہیں جواب دینے کے لیے نہیں کیا البتہ ایک جواب ضرور مجھ پر ادھار ہے جو انشاء اللہ میں جلد ہی تمہیں دوں گا''۔

''کیسا جواب؟'' نینسی حیران ہوئی۔

''تمہاری کتاب کا جواب! تم نے جو لکھا ہے اس کے پیچھے نہ جانے کہاں سے حاصل کردہ معلومات ہیں لیکن میں ضروری سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے ذہن کی پراگندگی کو جس طرح پورے معاشرے میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اسے دور کیا جائے''۔

''میں انتظار کروں گی''۔ نینسی چیلنج کرنے والے انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

گلزار کو عدالت کے کٹہرے میں دیکھ کر سید امیر شاہ دم بخود رہ گئے تھے۔ انہیں خبر ہی نہیں تھی کہ ان کے دھتکارنے کے بعد گلزار کہاں گیا اور اب وہ عدالت میں موجود تھا۔ سجاد شاہ کے جرائم میں اس کے شریکِ کار کی حیثیت سے اس نے عدالت کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ احمر معیز کے گھر ڈکیتی کی واردات اور پھر احمر معیز کا قتل اس نے سجاد شاہ کے حکم پر ہی کیا تھا۔ گلزار کا بیان سجاد شاہ کے کیس میں تابوت کی آخری کیل کے مانند ثابت ہوا تھا۔

''امیر شاہ جو اب تک پرامید تھے کہ جوڑ توڑ کر کے بیٹے کو بچا لیں گے بوکھلا کر رہ گئے تھے۔ اب ان کے پاس یہی چارہ رہ گیا تھا کہ مطیب شاہ سے مصالحت کی کوشش کریں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے خاندان کے سرکردہ افراد کو درمیان میں ڈال کر معاملات کو سلجھانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ مطیب شاہ جانتے تھے کہ یہ نوبت ضرور آئے گی جب نورالعین نے مطیب شاہ کو احمر معیز کے قاتل کی حیثیت سے رفعت کے گلزار

کوشناخت کرنے کی بابت بتایا تھا تبھی مطیب شاہ نے حالات کا رخ دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے گلزار کی گرفتاری بے حد خاموشی اور رازداری سے عمل میں لائی گئی تھی۔ گلزار کے خلاف ثبوت اتنے ٹھوس تھے کہ وہ اپنے جرم سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک طرف عینی شاہدین تھے تو دوسری طرف پولیس کے پاس موجود واردات کے بعد احمد معیز کے گھر سے اٹھائے گئے فنگر پرنٹس کا ریکارڈ۔ گلزار کو اپنے جرم کا اقرار کرتے ہی بنی۔ مطیب شاہ نے اس بات کا خاص اہتمام کیا تھا کہ گلزار کی گرفتاری کی خبر عدالت میں پیشی سے قبل لیک آؤٹ نہ ہونے پائے ورنہ امیر شاہ کوئی بھی اوچھا ہتھکنڈا استعمال کر کے اپنے بیٹے کے خلاف یہ ٹھوس ثبوت مٹانے کی کوشش کرتے۔ اب جب کہ یہ مجبور تھے تو انہوں نے مختلف ذریعوں سے مطیب شاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ معظم شاہ بھی اسی سلسلے میں مطیب شاہ کے پاس آیا تھا۔

''لالہ! سجاد اپنے خاندان کا لڑکا ہے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی نور اس کے نکاح میں ہے آپ تھوڑے ٹھنڈے دماغ سے کام لیں اور اس معاملے کو ختم کر دیں۔ چاچا امیر شاہ بہت پریشان ہیں''۔

''سجاد شاہ اپنے جرائم کی وجہ سے گرفتار ہوا ہے اس میں میرے دماغ ٹھنڈا یا گرم رکھنے کا کیا دخل' رہی بات نور کی تو اس کا سجاد شاہ سے رشتہ اب کوئی معنی نہیں رکھتا جو الزام سجاد شاہ نے اس پر لگایا ہے اس کے بعد دونوں کے درمیان مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ تو نور کی خوش قسمتی اور گل کا جذبۂ ایثار تھا جو آج نور زندہ سلامت ہمارے درمیان موجود ہے ورنہ سجاد شاہ تو ایک شرمناک الزام کے ساتھ اسے موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔ ایسے موذی کو دوبارہ اپنی آستین میں پالنے کا خطرہ میں نہیں مول لے سکتا''۔ مطیب شاہ کا انداز بے لچک تھا۔ ہمیشہ کے نرم خو مطیب شاہ کا یہ انداز پہلی بار لوگوں کے سامنے آیا تھا۔ معظم شاہ جو امیر شاہ کے کہنے پر مطیب شاہ سے بات کرنے آیا تھا خود کو بے بس محسوس کرنے لگا لیکن پھر بھی اس نے کوشش جاری رکھی۔

''رشتے ایسے تھوڑی ختم ہوتے ہیں لالہ۔ ابھی آپ غصے میں ہیں اس لیے ایسی

بات کہہ رہے ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ تو ویسے بھی بڑا ڈھیٹ رشتہ ہوتا ہے۔ سجاد شاہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ آپ دل بڑا کریں اور اسے معاف کر دیں''۔

''معاف کر دوں۔ ایک ایسے جرم کو معاف کر دوں جسے اللہ بھی معاف نہیں کرتا اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو جاؤ اسپتال میں داخل صغریٰ کے شوہر کو دیکھو وہ مظلوم لڑکی جس کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ آج اس کا خونِ ناحق بول رہا ہے۔ عزیز احمد جتنی بار تکلیف سے تڑپتا ہے' صغریٰ کا نام لے کر اس سے معافی مانگتا ہے''۔ مطیب شاہ تڑپ اٹھے۔

''پر اللہ کا شکر ہے ہماری نور سلامت ہے اور سب جانتے ہیں کہ وہ پاک دامن ہے۔ ہم سجاد شاہ اور عزیز احمد والے معاملے کو ایک طرح سے نہیں دیکھ سکتے''۔ معظم شاہ نے دلیل دی۔

''عورت کی عزت بہت نازک شے ہوتی ہے معظم شاہ! سجاد نے نور پر جو الزام لگایا' وہ سراسر بہتان کے زمرے میں آتا ہے اور اس بہتان کے لیے اس پر شرعی حد بھی لاگو ہوتی ہے۔ اگر ہم حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو یونہی معاف کر دیں تو ہمارا اپنا ٹھکانہ کہاں ہوگا''۔

''لیکن لالہ یہ بھی تو سوچیں کہ سجاد شاہ ہمارے خاندان کا فرد ہے' اس سارے معاملے کے عدالت میں آنے کے بعد خاندان کی عزت بالکل سر بازار آ گئی ہے۔ اب اگر سجاد شاہ کو سزا ہو جاتی ہے تو ہم بالکل ہی رسوا ہو جائیں گے''۔ معظم شاہ نے ایک ایسا نکتہ بیان کیا جو واقعی ان سب کو پریشان کر رہا تھا۔

''نام و نمود کی حیثیت انصاف سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ یہ خاندانی زعم ہی تو تھا جس نے سجاد شاہ کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ اس نے اللہ سے بھی ڈرنا چھوڑ دیا۔ ڈیرے پر وہ کیا کچھ کرتا رہا ہے اب تو وہ بھی ہم سب کے علم میں آ چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں سجاد شاہ کا کیس ایک ایسی مثال بن جائے کہ ہمارے خاندان کا کوئی فرد اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سوچ بھی نہ سکے۔ اس کی سفارش کرنے سے پہلے یہ بھی تو سوچو

معظم شاہ! کہ وہ شراب نوشی اور بدکاری سے لے کر قتل جیسے جرم کا بھی مرتکب ہو چکا ہے۔ جن دو افراد کا قتل ہوا ہے ان کا قتل معاف کرنے کا حق کم از کم ہمارے پاس تو ہرگز بھی نہیں۔ بچل کے قتل کے لیے تو چلو تم اس کے خاندان پر زور دے کر معافی نامہ لکھوا لو گے لیکن احمر معیز کے معاملے کو معمولی مت سمجھو۔ وہ ایک معروف صنعت کار کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کا خاندان اپنے اکلوتے بیٹے کے قتل کو ہرگز بھی معاف کرنے کے لیے راضی نہیں''۔ مطیب شاہ کی بات اپنی جگہ وزن رکھتی تھی۔ معظم شاہ کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

دوسری طرف امیر شاہ کی دوڑ دھوپ جاری تھی۔ وہ سجاد شاہ کو پھانسی سے بچانے کے لیے پوری کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں مسلسل ناکامی کا سامنا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے احمر معیز کے گھر والوں سے بھی رحم کی درخواست کی تھی لیکن وہ کسی قسم کی مصالحت پر راضی نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے سجاد شاہ کو سزا دلوانے پر اپنا پورا زور لگا رکھا تھا۔ امیر شاہ بہت طاقت رکھنے کے باوجود ایک طرف سجاد شاہ کے خلاف موجود ٹھوس ثبوتوں اور گواہوں کی وجہ سے مجبور تھے تو دوسری طرف سے مطیب شاہ کے مخالفین میں ہونے کی وجہ سے ان کی قوت کمزور پڑ گئی تھی۔ بالآخر وہ ہار گئے اور عدالتی فیصلے نے سجاد شاہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

☆☆☆

''آئی ایم سوری شاہ!'' یہ نینسی ولیم تھی۔ اس نینسی سے مختلف جو کچھ عرصے قبل طنز کے تیروں کے ساتھ نور العین کی مدد کا پرپوزل لے کر حویلی آئی تھی۔

''تم نے جو کچھ کہا تھا سچ کر دکھایا۔ میں واقعی غلطی پر تھی جو رسوم و رواج کی خرابی کا تعلق مذہب سے جوڑنے کی کوشش کرتی رہی۔ تمہارے مذہب کے قوانین تو ہر معاملے میں بہترین ہیں''۔ نینسی شرمندگی سے اعتراف کر رہی تھی۔ نور العین پر سجاد شاہ نے بدکاری کا جو الزام لگایا تھا اس کے لیے مطیب شاہ نے اسے شرعی عدالت میں

گھسیٹ لیا تھا۔ جہاں تمام گواہوں اور ثبوتوں کے ذریعے یہ بات ثابت کر دی گئی تھی کہ سجاد شاہ کا لگایا گیا الزام بے بنیاد تھا۔ شرعی عدالت نے اس پر حد لگاتے ہوئے اسی کوڑوں کی سزا سنائی تھی۔ یہ وہ سزا تھی جو پاک دامن عورت پر لگائے گئے الزام کو ثابت نہ کر سکنے کی صورت میں اللہ نے قرآن حکیم میں مقرر کر رکھی ہے۔ پھانسی سے پہلے سجاد شاہ کو اس سزا سے بھی گزرنا پڑا تھا۔ نینسی اسلام میں عورت کی عزت کو اس قدر اہمیت دینے کے اصول سے بہت متاثر ہوئی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عورت کی آزادی اور مساوات کا نعرہ لگانے والے مغرب میں عورت کو ایسا کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ وہ خود زندگی میں اس تلخ تجربے سے گزر چکی تھی۔ عدل و انصاف کے ٹھیکیدار بننے والے اس کے ملک کے قانون میں اس کی عزت پر حملہ آور ہونے والے شخص کے لیے چند ماہ کی قید اور معمولی سے جرمانے کی سزا تھی۔ اس کا مجرم یہ معمولی سی سزا نہایت آسانی سے سہہ گیا تھا اور وہ آج تک اپنی روح پر ایک کبھی نہ بھرنے والا زخم لیے گھوم رہی تھی لیکن اسلام کے قوانین کتنے زریں تھے عملاً عزت پر حملہ آور ہونے کے لیے تو جو کڑی سزا تھی وہ تو تھی ہی لیکن زبان سے بھی عورت کی عزت کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ مسلم معاشرے میں ان اصولوں پر عمل کتنے فیصد ہوتا ہے یہ بات اپنی جگہ تھی لیکن نینسی ولیم نے جان لیا تھا کہ کم از کم اسلامی اصولوں کو تنقید کا نشانہ بنانے کی بہر حال کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

''مجھے خوشی ہے نینسی کہ تم نے اسلام کی حقانیت کی جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور اب میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ جو کچھ اس علاقے میں معصوم اور بے خبر مسلمانوں کو بہکانے کے لیے کر رہے ہو ان کوششوں کو ترک کر دو گے''۔ مطیب شاہ کا اشارہ ان کی این جی او کی طرف سے لگائے گئے امدادی کیمپ کی طرف تھا۔

''تم نے ہمیں لوگوں کو بہکانے کا موقع دیا ہی کہاں؟'' نینسی دھیرے سے ہنسی۔

''تمہارے لوگ ہماری این جی او کے افراد سے جس طرح دن رات چمٹے رہتے ہیں اس سے ہمیں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ الٹا کہیں ہمارے بندے ہی نہ بہک جائیں اس لیے

ہمارے لوگوں کی یہاں سے روانگی کا فیصلہ پہلے ہی کر دیا گیا ہے''۔ نینسی نے بتایا تو مطیب شاہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ جتنے عرصے سجاد شاہ والا کیس چلتا رہا تھا سیلاب زدگان کی دوبارہ آباد کاری کے مسئلے کے ساتھ ساتھ عیسائی مشنری کی کارروائیوں پر نظر رکھنے کا بوجھ بھی مطیب شاہ کے ذہن پر سوار رہا تھا۔

''اور ہاں شاہ! تمہیں میری کتاب کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں' میں خود اس سلسلے میں تحریری طور پر اپنی غلطی کا اعتراف کروں گی''۔ جانے سے پہلے نینسی' مطیب شاہ کو اطمینان دلا گئی تھی۔

☆☆☆

''میں بہت دنوں سے ایک بات سوچ رہی تھی''۔ زرمین شاہ نے مطیب شاہ سے کہا۔

''وہ کیا؟'' مطیب شاہ کی نظریں اپنے سامنے موجود فائل پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ عمر احسان اچھا لڑکا ہے''۔

''وہ تو ہے ...... اس میں بھلا اتنا سوچنے کی کیا ضرورت تھی''۔ مطیب شاہ دھیرے سے ہنسے۔

''اوہو' آپ یہ فائل بند کریں اور ذرا سیریس ہو کر میری بات سنیں''۔ زرمین نے ان کے سامنے موجود فائل زبردستی بند کی اور جھنجھلا کر بولی۔

''ٹھیک ہے بھئی ...... لیکن واقعی میں پوری سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ عمر احسان بہت اچھا لڑکا ہے اور تمہیں اس معاملے میں غور وخوض کرنے کی قطعی ضرورت نہیں''۔ مطیب آج کچھ شوخی پر مائل تھے لیکن زرمین بالکل سنجیدہ تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اگر ہم اس اچھے لڑکے کو اپنی نور العین ......'' زرمین شاہ کا ادھورا جملہ بھی مکمل مفہوم لیے ہوئے تھا۔ مطیب شاہ بغور اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟'' مطیب شاہ کے اس طرح دیکھنے سے

زرمین گھبرا سی گئی۔

''نہیں ...... میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا کرم کیا ہے جو تم جیسی بیوی عطا کر دی۔ تمہاری اعلیٰ ظرفی کے لیے میں جتنا بھی شکر گزار ہوں کم ہے۔ تم نے سگے بھائی کے مقابلے میں مجھے فیور کیا حالانکہ تم آج تک اس کی سزا بھگت رہی ہو۔ تمہارے لیے میکے کے دروازے بند ہو گئے ہیں اور اب پھر تمہیں میری بہن کی بہتری کی فکر ہے''۔ مطیب شاہ کے لہجے میں حقیقی ستائش اور شکر گزاری تھی۔

''میں نے اپنے بھائی کے مقابلے میں آپ کو نہیں حق کو فیور کیا تھا۔ ایک بہن کا دل اپنے جوان بھائی کی موت پر جس طرح دکھا تھا یہ میں بیان نہیں کر سکتی لیکن مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ وہ اپنے کیے کی سزا اس دنیا میں ہی بھگت جائے تو بہتر ہے۔ رہا نور العین کی بہتری کے بارے میں سوچنا تو اس سے میرا خون کا رشتہ بھی ہے اور آپ کے حوالے سے بھی وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو چکا وہ قسمت کا لکھا تھا لیکن اب ہمیں اس کی آگے کی زندگی کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ خاندان میں تو اس کے جوڑ کا کوئی لڑکا ہے نہیں اور اگر عمر کے حساب سے جوڑ مل بھی جاتا ہے تو مزاج کے اعتبار سے نور العین کو اس خاندان کا کوئی مرد سوٹ نہیں کرتا۔ اس لیے تو جب بھی سوچوں عمر احسان جیسا ہی کوئی پڑھا لکھا' مہذب اور خیال رکھنے والا حساس شخص ہی ذہن میں آتا ہے''۔ زرمین شاہ کے انداز میں خلوص تھا۔

''عمر مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ نور کے لیے اس کا انتخاب کر کے مجھے دلی خوشی ہوگی لیکن میرے اس فیصلے سے پورے خاندان میں نئے سرے سے ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا''۔ مطیب شاہ کے ماتھے پر تفکر کی لکیریں پھیل گئیں۔

''خاندان میں اب کون ہے جو آپ کے فیصلوں کے خلاف کھڑا ہو سکے۔ بابا سائیں نے آپ سے قطع تعلق کر رکھا ہے۔ باقی جو ہیں ان کی آپ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ کچھ دن زبانی کلامی شور کریں گے پھر تھک ہار کر چپ ہو جائیں گے۔ یوں بھی اب سب کو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ صرف ان

لوگوں میں ہمت نہیں ہے کہ پاؤں میں پڑی بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکیں۔ ورنہ اپنی اولاد کی بھلائی تو سبھی چاہتے ہیں۔ آپ ہمت کر کے قدم آگے بڑھائیں دیکھیے گا ایک دن باقی لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوں گے‘‘۔ نرمین شاہ ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

’’ٹھیک ہے‘ میں پہلے عمر سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔ اس سے اتنے عرصے سے شادی کے لیے کہہ رہا ہوں‘ مانتا نہیں ہے اب بھی اگر راضی نہ ہوا تو میں اس کے ساتھ زبردستی ہرگز نہیں کر سکتا‘‘۔ مطیب شاہ نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

’’نینسی ولیم قتل کر دی گئی‘‘۔ اس خبر کو سن کر کتنی ہی دیر مطیب شاہ کو اپنے دل کی دھڑکن محسوس نہ ہو سکی۔ نینسی جس نے اس دل کی دھڑکنوں میں اپنے نام کا نغمہ پہلی بار گنگنایا تھا۔ جس کے مزاج کے اتار چڑھاؤ نے مطیب شاہ کو زندگی کے کئی نشیب و فراز سے گزارا تھا۔ اس دنیا میں نہیں رہی تھی تو مطیب شاہ کا دل اپنے احساسات کا صحیح طرح سے تعین نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یوں اچانک کیا ہو گیا۔ وہ دکھی تھا کہ یہ کون جدا ہو گیا‘ وہ پریشان تھا کہ اس قتل کا محرک کیا ہے اور بالآخر محرک مل ہی گیا۔

’’سنا ہے نینسی اپنی کتاب کے حوالے سے جو اعتراف کرنے جا رہی تھی اس کے بڑوں کو وہ منظور نہیں تھا۔ پہلے انہوں نے اسے زبانی طور پر روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ مانی تو انہوں نے اس کا وجود ہی مٹا ڈالا‘‘۔ کہیں سے اڑتی پڑتی یہ خبر عمر احسان کو ملی تھی جو اس نے مطیب شاہ تک پہنچائی تھی۔

’’اظہار رائے کی آزادی کا نعرہ لگانے والوں کا کردار ہمیشہ سے یہ رہا ہے‘‘۔ مطیب شاہ کی آواز میں رنج و غصہ تھا۔

’’آپ فکر نہ کریں‘ بے شک ان لوگوں نے نینسی کو خاموش کروا دیا ہے لیکن ہم تو جواب دینے کے لیے بھرپور تیار ہیں۔ میں نے اس عرصے میں آپ کی ہدایت کے

مطابق کتاب کے سلسلے میں سارا کام نمٹا لیا ہے۔ آپ ایک نظر دیکھنے کے بعد جب چاہے پبلش کروا سکتے ہیں‘‘۔ عمر نے اسے تسلی دی۔

’’یہ تو بہت اچھی خبر ہے‘‘۔ مطیب شاہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ جاگی۔

’’آپ بس حوصلہ مت ہارا کریں۔ آپ کی خوشی کے لیے میں اپنے اختیار کی آخری حد تک کوشش اور جدوجہد کر سکتا ہوں‘‘۔

’’واقعی؟‘‘ عمر احسان نے دعویٰ کیا تو مطیب شاہ نے پرسوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’اگر یقین نہیں تو آزما لیں‘‘۔

’’نہیں آزمائش نہیں بس ایک خواہش ہے‘‘۔

’’آپ کہہ کر تو دیکھیں‘‘۔

’’تم اور نورالین دونوں مجھے بہت عزیز ہو...... میری خواہش تھی کہ میری یہ دو عزیز ہستیاں اگر ایک ہو جائیں تو......‘‘ مطیب شاہ بھائی ہونے کے ناتے کچھ جھجک گئے۔ دوسری طرف عمر احسان شدید حیرت کے باعث گنگ سا رہ گیا تھا۔

’’زبردستی نہیں ہے اگر تم نہ چاہو تو میں زور نہیں دوں گا‘‘۔ مطیب شاہ نے اس کی خاموشی سے معنی اخذ کیے۔

’’نہیں...... یہ بات نہیں۔ بس مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ورنہ آپ سے کسی رشتے سے بندھنا تو میرے لیے باعث فخر ہے‘‘۔ عمر احسان کو لگا کہ وہ چپ رہا تو خوش قسمتی اس کے دروازے سے لوٹ جائے گی سو جلدی سے بولا۔ اس کے لہجے میں موجود خوشی کو مطیب شاہ نے پوری شدت سے محسوس کیا اور یکدم ہی ان پر وہ انکشاف ہوا جو اب تک عمر احسان کے سینے میں راز بنا رہا تھا۔

’’ہمیشہ خوش رہو میرے یار!‘‘ مطیب شاہ نے یکدم ہی اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر دعا دی۔ خوشی اور شکر گزاری کے احساس سے عمر احسان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی امڈ آئی۔ بنا زبان کھولے آج اللہ نے اس کی دل کی خواہش پوری کر دی تھی۔ وہ بات جو

ناممکن لگا کرتی تھی ایسے ممکن ہوئی تھی کہ اسے ایک تنکا بھی اِدھر سے اُدھر نہیں کرنا پڑا تھا لیکن بس بات اس کے دل کی لگن اور چاہت کی شدت کی تھی جو اللہ کے ہاں مقبول ہوگئی تھی اور اس کے دل کی چاہ کو اللہ کی چاہت سے تائید حاصل ہوگئی تھی۔

☆☆☆

ختم شد